ماہ پارہ

از قلم سحر خان

انتساب

میں ماہ پارہ کو اللہ کے نام کرتی ہوں۔ جس نے مجھے لکھنے کی صلاحیت بخشی۔

پیش الفاظ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سب سے پہلے میں اللہ کا جتنا شکریہ ادا کروں اتنا کم ہے۔ جس نے مجھے لکھنے کی صلاحیت بخشی۔

میری یہ تحریر اور آنے والی تمام تحریریں میرے اللہ کے نام ہیں، جس نے مجھے لکھنے کی توفیق دی۔
جس نے مجھے اس قابل سمجھا۔

ماہ پارہ میری پہلی تحریر ہے۔ میں نے اسے لکھتے ہوئے اپنا پورا وقت دیا۔ یہ میری پہلی تحریر تھی اس لیے اسے مکمل لکھنے میں مجھے پورے پانچ مہینے لگے۔ اب آپ سوچیں گے کہ صرف تین سو صفحات پر اتنا وقت کیوں لگا؟ جواب بہت آسان ہے۔ اردو میرے لیے شروع سے ہی بہت مشکل تھی۔ نہ صرف پڑھنے لکھنے میں بلکہ بولنے میں بھی۔ میں نے آج تک اردو میں خود سے ایک صفحہ

بھی نہیں لکھا۔میں نے اس موضوع سے بھاگنے کی بہت کوشش کی لیکن کس نے سوچا تھا کہ جو اردو سے اتنی بھاگتی تھی ایک دن وہ اپنی لکھی ہوئی کتاب شائع کردے گی۔

جب میں نے لکھاریوں کے تحریریں پڑھی تو میں نے سوچا کہ کوشش کرنے میں کیا جارہا ہے؟ میرے ذہن میں کئی کہانیاں ابھرنے لگیں لیکن ان سب میں سے میں نے ماہ پارہ لکھنے کا سوچا۔ لکھتے ہوئے مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری پہلی تحریر قارئین کو اتنی پسند آئے گی۔میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن میں کتاب لکھوں گی۔لوگ میری کتاب کو اپنے ہاتھ میں پکڑیں گے اور یہی نہیں بلکہ لوگوں کو میری لکھی ہوئی کہانی بہت پسند آئے گی۔

آخر میں اتنا کہنا چاہوں گی کہ اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنائیں۔جسے آپ ناممکن سمجھتے ہیں وہ آپ کو کامیابی کی طرف لے جاسکتا ہے۔میں اپنے قارئین کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے میری تحریر کو نہ صرف پڑھا بلکہ اسے سراہا بھی۔

سحر خان

ماہ پارہ

(حصہ اول)

اگر تم دل گرفتہ ہو کہ تم کو ہار جانا ہے،

تو پھر تم ہار جاؤ گے۔

اگر خاطر شکستہ ہو کہ تم کچھ کر نہیں سکتے،

یقیناً کر نہ پاؤ گے۔

یقین سے عاری ہو کر منزلوں کی سمت چلنے سے،

کبھی منزل نہیں ملتی۔

کبھی کنکر کے جتنے حوصلے والوں سے بھاری سِل نہیں ہلتی۔

زمانے میں ہمیشہ کامیابی اُن کے حصے میں ہی آتی ہے،

جو اول دن سے اپنے ساتھ اک عزم مصمم لے کے چلتے ہیں،

کہ جن کے دل میں عزم و حوصلہ ایک ساتھ پلتے ہیں۔

اگر تم چاہتے ہو کامیاب و کامران ہونا

تو بس رختِ سفر میں

تم یقین و عزم کی مشعل جلا رکھنا۔

سفر دشوار تر ہو تب بھی ہمت، حوصلہ رکھنا۔

سفر آغاز جب کرنا تو بس اتنا سمجھ لینا

جہاں میں کامیابی کی یقین والوں سے یاری ہے

اگر تم بھی یقین رکھو تو پھر منزل تمہاری ہے۔

☆...☆...☆

تاریخ تھی دس جولائی

سال تھا انیس سو اسی کا

اور وقت تھا دوپہر کے تین بجے

جولائی کا گرم ترین مہینہ تھا۔ سورج کی تپش جسم کو آگ لگانے کے قابل تھی۔ سورج کی تپش سے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس چلچلاتی دھوپ میں گرمی کو معتدل کرنے کے لیے ہوا کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

یہ گاؤں کے چھوٹے گھروں میں سے ایک گھر کا منظر ہے۔ ایک کھلا اور مٹی کے دیواروں والا گھر۔ جہاں خالی صحن میں رکھی چارپائی پر ایک لڑکی اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی۔ عمر میں پندرہ سولہ سال

کی لگ رہی تھی۔اس وقت اتنی گرمی میں باہر بیٹھنا بھی کسی عذاب سے کم نہ تھاایک تو ہوا نہیں چل رہی تھی اور نہ تو ان کے پاس کچھ ایسا تھا جس سے انہیں ٹھنڈی ہوا مل سکے۔

ایک کتاب اس کے عین سامنے رکھی ہوئی تھی۔ جس پر وہ جھکی ہوئی تھی۔وہ اس کتاب کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں چمک تھیں خوشی کی چمک،شاید وہ کتاب درس کی کتاب نہیں تھی۔اس کتاب میں کچھ تو ایسا تھا جو وہ اتنی دلچسپی سے پڑھ رہی تھی۔

اس نے بالوں کی چوٹی بنائی ہوئی تھی۔ جس سے نکلتی لٹیں کتاب کو چھو رہی تھی۔اس کے دونوں پاؤں آسمان کی طرف تھے اور اس کا دوپٹہ چار پائی سے نیچے لٹک رہا تھا۔یقیناًاس وقت اس کے والد اور بھائی موجود نہیں تھے،ورنہ وہ بغیر دوپٹہ کے اس طرح لیٹ جاتی تو ہنگامہ برپا ہو جانا تھا اور وہ اس غلطی پر سارا دن باتیں سنتی رہتی۔

اس کی بڑی بہن کچن سے باہر آرہی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔ باورچی خانہ گھر کے باہر صحن میں بنایا گیا تھا۔دوپہر کا وقت تھا۔اس کے والد اور بھائی کھانا کھانے کے لیے گھر آتے تھے۔وہ چار پائی کے قریب آئی۔اس نے ایک نظر اسے سکون سے لیٹا دیکھا اور بہت غصے میں دو زانوں ہو کر بیٹھی۔اس نے ٹرے کو اپنی گود میں رکھا۔اس ٹرے میں خشک چاول تھے۔اب وہ چاول صاف کر رہی تھی اور وقتاًفوقتاًاپنے دوپٹے سے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہی تھی۔

تقریباً وہ آدھے چاول صاف کر چکی تب اسے احساس ہوا وہ کتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہوئی ہے اور اس لڑکی نے اسے ایک نظر بھی نہیں دیکھا اور اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ کیا کر رہی ہے یا اسے کسی مدد کی ضرورت تو نہیں ہے۔ وہ ٹرے فرش پر رکھ کر اس کی طرف مڑی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ مسکرا رہی ہے؟

کتاب کو پڑھتے ہوئے کون مسکراتا ہے؟

وہ صرف مسکرا نہیں رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شرمیلی مسکراہٹ تھی جسے وہ چھپا نہیں سکتی تھی۔ مروا نے سر جھٹکا اور چاولوں کی ٹرے واپس گود میں رکھ کر انہیں صاف کرنے لگی۔

"ہائے!" وہ اٹھ بیٹھی۔ "یہ تو ختم ہو گئی۔" اس نے کتاب زور سے بند کرتے ہوئے اداسی سے کہا۔ "کاش کہانی اور لمبی ہوتی۔"

"یہ تم کیا پڑھ رہی تھی؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

وہ چاول کے دانوں کو اچھی طرح صاف کرنے میں مگن تھی۔ پچھلی بار بھی کنکر نکلا تھا جس پر اسے ڈانٹ بھی پڑی تھی۔

"ہیں؟؟دیکھ نہیں رہی تھی۔میں تو کتاب پڑھ رہی تھی۔" وہ دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی۔کم از کم وہ اس کے سامنے ایسا ردعمل ظاہر نہ کرتی۔

"وہ تو مجھے بھی دکھ رہی ہے۔پر کونسی کتاب؟"

"ہائے باجی کتاب کتاب ہوتی ہے۔درس کی کتاب ہے اور کونسی کتاب ہو گی؟"

مروا نے ٹرے گود سے ہٹا کر ایک طرف رکھ دی اور فوراً ہاتھ بڑھا کر اس سے کتاب چھین لی۔اس سے پہلے وہ کوئی شور مچاتی مروا کتاب دیکھ چکی تھی۔اس نے نام پڑھا۔وہ ایک ناول تھا۔رومانوی ناول۔مروا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور بے اختیار اس نے اپنے لبوں پر ہاتھ رکھا۔

"ہائے میں مرجاواں۔" وہ حیرت کی کیفیت سے ابھی تک باہر نہیں آئی تھی۔"یہ تم کیا پڑھ رہی تھی؟" وہ اب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپی یہ آپ نہیں سمجھیں گی۔" ماہ پارہ نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے لی۔"اس میں ایک شہزادہ ہوتا ہے۔" اس نے نکلتی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔"ہائے آپی آپ کو پتا ہے وہ اُس شہزادی سے کتنی محبت کرتا تھا۔" وہ خوش ایسے ہو رہی تھی جیسے وہ اس کتاب کی شہزادی تھی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی اتنا بیہودہ ناول پڑھتے ہوئے؟تم تو درس کی کتاب پڑھتی تھی۔" اس نے ماہ پارہ کے ہاتھ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔

"اس میں شرم کی کیا بات ہے سب پڑھتے ہیں۔" ماہ پارہ نے خفگی سے کہا۔ "اور میں درس کی کتاب ہی پڑھتی ہوں۔ یہ کل مجھے ہریرہ نے پڑھنے کو دی تھی۔"

"اگر اماں ابا کو پتا چلا تو تجھے اسی شہزادے کے ساتھ رخصت کر دیں گے۔" وہ ٹرے اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا واقعی؟" اسے جیسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ مروا نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور نفی میں سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"تیرا کچھ نہیں ہو سکتا ماہ پارہ۔" اس نے پیالے میں چاول انڈیلے۔ "یہ عشق معشوقی کی کتابیں چھوڑو اور میرے ساتھ کھانا بنانے میں مدد کرو۔ ابھی ابا آتے ہوں گے۔" وہ اب چاول بھگونے کے لیے پانی ڈال رہی تھی۔

"آپی سوچیں اگر ہماری زندگی میں بھی ایک شہزادہ آجائے تو؟" ماہ پارہ نے اس کی بات کو نظرانداز کیا اور پاؤں میں چپل ڈالے کچن کی طرف گئی۔ "اور ہم سے بالکل اسی طرح محبت کرے جیسے ان کتابوں میں مذکور ہے۔" کتاب ہنوز اس کے ہاتھ میں تھی۔

"یہ صرف ایک فرضی کہانی ہے۔ یہ سب صرف کتابوں میں ہوتی ہے۔ اس خواب سے نکل جاؤ۔" مروا نے جیسے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

"اگر آپ کچھ اچھا نہیں کہہ سکتیں تو برا بھی مت کہیں۔"اس نے خفگی سے کہہ کر کتاب اپنے سینے سے لگالی۔"آپ دیکھنا، میں ایک دن بہت بڑی ڈاکٹر بنوں گی۔ بالکل اس لڑکی کی طرح۔" اس نے خوشی سے کتاب میں اس لڑکی کی مثال دی۔

وہ پیاز کاٹتے ہوئے رک گئی۔"ڈاکٹر بننے کے لیے پڑھنا پڑتا ہے، اور پڑھنے کے لیے اسکول جانا پڑتا ہے، اور تمہیں یہاں اسکول کون بھیج رہا ہے، اگر بھیج بھی دیں تو لڑکیوں کا اسکول کہاں سے کرو گی؟" جیسے کہ اس نے ماہ پارہ کو یاد دلایا، اس گاؤں میں لڑکیوں کے لیے کوئی اسکول نہیں ہے۔

"باجی آپ کو یاد ہے؟ ہریرہ کے ساتھ والے گھر کی لڑکی۔۔ ہمدہ؟" مروا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہریرہ کہہ رہی تھی کہ شہر کے ایک لڑکے نے اس کے لیے رشتہ بھیجا تھا اور وہ لڑکا اسے اپنے ساتھ شہر لے گیا تھا۔" وہ رکی، اس نے دیکھا کہ مروا نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس نے دوبارہ اپنی بات جاری رکھی۔

"اور ہریرہ کہہ رہی تھی کہ ہمدہ وہاں شہزادی کی طرح رہتی ہے۔ اسے بھی میری طرح پڑھنے کا شوق تھا۔ اس کے شوہر نے اسے پڑھنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔ میں بھی کسی ایسے شخص سے شادی کروں گی جو مجھے پڑھنے شہر لے جائے کیونکہ گاؤں میں تو لڑکیوں کے لیے کوئی اسکول نہیں ہے۔" اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ پہلے تو اس نے پرجوش انداز میں کہا، لیکن سکول والی بات اداسی سے بولی۔

"ہریرہ نے تجھ سے جھوٹ بولا ہے۔"اس نے چولہا جلایا۔"اسے وہاں محض ملازمہ کے طور پر لے جایا گیا ہے۔وہ لڑکا شادی شدہ ہے۔اس کی پہلی بیوی ہے۔"ماہ پارہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"اور اس کی پہلی بیوی سے کوئی بچہ نہیں تھا اور نہ کوئی بچہ ہو گا،وہ صرف ایک بچہ چاہتا تھا۔اس نے پہلے شہر میں پتا کروایا،وہاں اس سے شادی کرنے کے لیے کوئی راضی نہیں ہوئی،تو اس لیے اسے گاؤں کی لڑکی سے شادی کرنی پڑی۔ان کا مطلب صرف اپنے وارث سے ہے،اس کے بعد وہ بس اس لڑکی کو بطور ملازمہ رکھیں گے اور یہ بات ہمدہ کے ماں باپ کو معلوم تھی۔انہوں نے حامی بھی بھر لی تھی۔"

وہ کھانا پکاتے ہوئے بتا رہی تھی۔پیاز کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تو اس نے اپنے دوپٹے پلو سے کو پونچھ کر اس کی طرف دیکھا۔

ماہ پارہ اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ ہریرہ نے اسے بالکل الگ کہانی سنائی تھی اور مروا بالکل الگ کہانی سنا رہی تھی۔مروا نے اس کے چہرے پر ناسمجھی کے تاثرات دیکھے تو وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

"پتا نہیں ہریرہ نے تم سے جھوٹ کیوں بولا،لیکن میں جو کہہ رہی ہوں وہ سچ ہے،یقین نہیں آتا تو گاؤں میں کسی سے پوچھ لو،بھلا خود سوچ کر دیکھ شہر کا لڑکا یہاں آکر کسی بھی لڑکی سے شادی کیوں کرے گا۔تو چھوڑ دے یہ پڑھنے کا خواب اور میرے ساتھ کھانا بنانے میں مدد کرو۔"

وہ اسے پیار سے سمجھانا چاہتی تھی۔ وہ نادان تھی، یہ سب باتیں اس کی سمجھ میں کچھ زیادہ تو نہیں آئی لیکن اسے اتنا معلوم ہوا تھا کہ ہریرہ نے اس سے جھوٹ بولا ہے۔

"تو ایسا کوئی ہمارے لیے نہیں آئے گا؟ کیا ہماری ساری زندگی یہ کھانا پکانے اور اماں کی طرح شوہر کے طعنے سننے میں گزر جائے گی؟ یا پھر ہمیں ساری زندگی شوہر کا ظلم سہنا پڑے گا۔" اس نے اداسی سے کہا یا غم سے، وہ نہیں جانتی تھی۔ اس کا دل ٹوٹ گیا تھا، جیسے کسی نے اس کے خواب چکنا چور کر دیے ہوں یا کسی نے اسے دنیا کی تلخ حقیقت دکھادی ہو۔

مروا نے اپنی بہن کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اب اداسی کے تاثرات تھے۔ جیسے اسے کسی حسین خواب سے اس بھیانک حقیقت میں گھسیٹ کر لے گئی ہو۔ مروا سمجھدار تھی اور ماہ پارہ ایک نادان لڑکی تھی۔ مروا اس دنیا کی تلخ حقیقت سے واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کب، کہاں اور کیسے رہنا ہے اور ماہ پارہ بالکل انجان تھی۔ مروا اسے کوئی خواب نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ ان کے پاس نہ دولت تھی نہ خوبصورتی، جس سے کوئی شہزادہ ان کو ملتا۔ غریب گاؤں کی کم خوبصورت لڑکی کو شہزادہ کیوں ملے گا؟ وہ اس کے خواب کو اپنا خواب کیوں سمجھے گا؟ ایک مرد لڑکی کو آگے بڑھتے ہوئے کیوں دیکھ سکے گا؟

"کیا تم پاگل ہو؟ تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ کوئی اور اجنبی آئے گا اور تم جو خواب دیکھ کر بیٹھی ہو، اسے پورا کرے گا؟ شہر کی خوبصورت لڑکیوں کو شہزادہ نہیں ملتا، کہاں میں اور تم گاؤں کی عام سی لڑکی کے لیے شہزادہ آئے گا۔" ایک ہاتھ اس کی کمر پر تھا اور دوسرے ہاتھ میں چھری تھی۔

وہ وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ یہ مروا اور ماہ پارہ کا کمرہ تھا۔ کمرہ کافی چھوٹا اور خالی تھا۔ کمرے کے ایک طرف ان دونوں کا بستر رکھا ہوا تھا۔ خالی دیوار پر صرف ایک چھوٹا سا آئینہ لگا ہوا تھا، اتنا کہ مکمل چہرہ بھی بمشکل دیکھا جا سکے، جس کے اوپر کاجل رکھی ہوئی تھی۔ بستر کے پاس دو پوٹلیاں اور ایک صندوق تھا جس میں

شاید ان دونوں کے کپڑے تھے۔

وہ بے اختیار اس شیشے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔ اس نے اس آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ ایک ہاتھ بڑھا کر اپنے گال پر لے گئی۔ اس نے اپنے گال پر ہاتھ پھیرا اور اپنا چہرہ دائیں سے بائیں طرف گھمایا۔

اس کا رنگ صاف مگر گندمی تھا۔ وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھی۔ اس کے بال ریشمی لیکن درمیانے کٹے ہوئے تھے۔ وہ دبلی پتلی تھی۔ اس کا قد بھی بالکل ٹھیک تھا۔ اس کے اندر ایک کشش تھی۔ اس کے چہرے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی آنکھوں کی وجہ سے۔ اس کی آنکھیں خوبصورت

سنہری رنگ کی تھیں اور اس کی پلکیں گھنی، لمبی اور مڑی ہوئی تھیں۔ دھوپ میں اس کی آنکھیں اور بھی خوبصورت لگتی تھیں۔

وہ پھیکا مسکرائی جیسے واقعی میں کوئی شہزادہ نے نہیں آئے گا۔ وہ واپس کمرے سے باہر نکل گئی اور چارپائی سے اپنا دوپٹہ لے کر سر پہ سلیقے سے اڑلیا۔ دوپٹے کے دائیں طرف کو ہلکا سا کھینچ کر اپنا چہرہ دھکا۔

"آپی، میں ہریرہ کے گھر یہ کتاب واپس کرنے جارہی ہوں۔" وہ اونچی آواز میں کہہ کر اسے اطلاع دی اور چلی گئی۔

☆...☆...☆

اگلی صبح اس گاؤں کے لوگوں کے لیے بالکل ایسی ہی تھی۔ ہر دن ایک جیسا تھا۔ صبح سویرے اٹھ کر کام پر جانا۔ گرمی میں دن بھر محنت کرنے کے بعد چند روپے کما کر گھر واپس چلے جاتے ہیں اور پھر رات کو وہی کھانا اور اگلے دن وہی روٹین۔

اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ ماہ پارہ اب تک سو رہی تھی جبکہ باقی گھر والے جاگ چکے تھے۔ خادم علی چارپائی پر بیٹھے ناشتے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا بیٹا کرامت علی رات گئے آیا تھا اس لیے وہ ابھی تک سو رہا تھا۔

کرامت علی ماہ پارہ اور مروا کے بڑے بھائی ہے۔ بوڑھے باپ کا اکلوتا وارث۔

"ناشتہ بنانے میں کتنا وقت لگے گا؟" انہوں نے سر گھما کر کچن میں دیکھ کر کہا۔

نور افزا گلاس میں چائے انڈیل رہی تھیں۔ "بس آ رہی۔" انہوں نے عجلت میں پراٹھے کی پلیٹ اور چائے کا کپ ٹرے میں رکھا اور ٹرے اٹھالی۔

"شکر ہے ناشتہ ابھی آیا ہے ورنہ لگا تھا کہ صبح کا ناشتہ دوپہر کے کھانے کے وقت نصیب ہو گا۔" انہوں نے طنز کیا۔

نور افزا نے ٹرے اپنے شوہر کے سامنے رکھی اور پیچھے ہو کر اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھے۔

"وہ۔۔۔چائے بنانے میں وقت لگا۔"

"اب یہیں کھڑی ہو کر میرا منہ دیکھنا بند کرو۔۔۔اور کوئی کام نہیں ہے کیا؟"

"جی۔۔۔جی جاتی ہوں۔"

مروا اسی وقت صحن میں آئی۔ اس کے ہاتھ میں جھاڑو تھا۔ اس نے جھاڑو کو دیوار سے لگایا اور دوپٹہ اپنے دائیں کندھے پر رکھ کر بائیں طرف لے جا کر باندھ دیا اور دوبارہ جھاڑو ہاتھ میں لے کر جھاڑو دینے لگی۔ وہ چارپائی کے پاس جھاڑو دینے بھی نہیں گئی تھی۔ باقی جگہ جھاڑو دے رہی تھی۔

خادم علی نے آگے بڑھ کر پراٹھے کا ایک ٹکڑا لے کر منہ میں ڈالا۔ جیسے ہی انہوں نے چبانا شروع کیا تو انہیں لگا کہ پراٹھا بہت نمکین ہے اور شاید کچا بھی ہے۔اس نے فوراً پراٹھا تھوک دیا اور پوری ٹرے الٹ دی۔ چائے کا کپ ٹوٹ گیا۔ پراٹھے کی پلیٹ ٹرے سمیٹ نیچے گر گئی تھی۔ نورافزا گھبرا کر اس طرف آئی۔ مرواجانتی تھی کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ وہ لب کاٹ کر بس دیکھتی رہی۔انہیں درمیان میں آنے یا بولنے کی اجازت نہیں تھی۔

خادم علی نے ان کے چہرے پر زور سے تھپڑ مارا اور انہیں بالوں سے پکڑ کر ان کا رخ اپنی طرف کیا۔

"میں اس لیے دن رات کماتا ہوں کہ ایک وقت روٹی بھی سہی سے نصیب نہ ہو؟" ان کی آواز اتنی بلند تھی کہ گھر کے باہر بھی سنی جاسکتی تھی۔ کھلا گھر تھا تو آواز جانی تھی۔

کرامت کو سوئے ہوئے بمشکل دو گھنٹے ہوئے تھے۔اس کا خیال تھا کہ آج دیر سے کام پر جائے گا لیکن صبح شور کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اب وہ سونا نہیں چاہتا تھا۔اس نے اٹھنا ہی بہتر سمجھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"پورا دن فارغ رہتی ہو لیکن مجال ہو کہ ڈھنگ کا کھانا بنا دو۔ جاہل عورت۔" انھوں نے نورافزا کے بالوں کو آزاد کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے نکل گئے۔

نور افزا کی آنکھیں بھیگ گئیں اور یکایک اس کے گال بھیگ گئے۔دوپٹہ چہرے پر رکھ کر رونے لگیں۔اتنے میں کرامت کمرے سے باہر آیا،ماں کے آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ فوراًان کے قریب گیااوران کے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کیے۔

"ماں آپ جلدی اٹھا کریں اوران کے لیے ناشتہ بنادیں۔آپ کو معلوم ہے کہ وہ فضول باتوں پر ناراض ہو جاتے ہیں،پھر بھی آپ انہیں آخری لمحات میں ناشتہ دیتی ہیں۔"کرامت نے بہت پیار سے ماں کو سمجھایا۔

"میں بھی انسان ہوں،ہو جاتی ہے غلطی۔۔۔ماہ پارہ توکام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی۔ایک مرواہے وہ بھی کیا کیا دیکھے گی۔ہو گئی غلطی۔۔"نور افزا روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔مرواکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"کہتاہے پورا دن کیا کرتی ہو۔۔یہ تین اولاد کو توان کی بہن نے آکر پالا ہے اور ایک ان کے خود کے کام کم ہوتے ہیں۔"وہ ایک لمحے کے لیے رکیں۔"پورا دن فارغ رہتی ہو۔"انہوں نے باقاعدہ خادم علی کے انداز میں کہا۔

کرامت ناچاہتے ہوئے بھی مسکرادیالیکن نور افزا نے اس کی مسکراہٹ نہیں دیکھی۔اگر دیکھ لیتی توضرور خفا ہو جاتیں۔

کرامت نے ان کے کندھے پر بازو پھیلائے۔

"چلیں چھوڑے انہیں۔ویسے بھی اب رات تک نہیں آئیں گے۔آئیں ہم ناشتہ کرتے ہیں۔"

اس نے نورافزا کے گالوں کو کھینچتے ہوئے کہا جس پر نورافزا نے اس کے کندھے پر تھپڑ رسید کر دیا۔

"اوئے نہ کر اماں شرما جائیں گی۔"مروانم آنکھوں سے کہہ کر مسکرائی۔

"شرم نہیں آتی ماں کو تنگ کرتے ہوئے؟"وہ اب خفا ہوئی تھیں۔

"اچھا نا اماں، بھوک لگی ہے۔"اس نے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔"جلدی سے ناشتہ بنا کر دے دیں۔اب کام پر ہی جاؤں گا۔"وہ بڑبڑایا اور ماہ پارہ کو جگانے چلا گیا۔

☆...☆...☆

نیلا آسمان اب سیاہی میں ڈھل چکا تھا۔رات کے صاف آسمان میں ستارے ٹمٹما رہے تھے۔گاؤں کے مدھم روشنی والے مکانوں نے پرامن ماحول پیدا کر دیا تھا۔خادم علی کرامت کے ساتھ گھر آ گئے تھے۔اس وقت خادم علی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔جبکہ کرامت اور ماہ پارہ نیچے دستر خوان بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے۔صحن میں مٹی کے تیل کا واحد چراغ جل رہا تھا۔

خادم علی کھانے کا انتظار کرتے ہوئے اکتا گئے۔"اور کتنا وقت لگے گا؟"انہوں نے اونچی آواز میں کہا۔

"بس لا رہی۔" نور افزا نے پلیٹ میں روٹی رکھ کر مروا کو تھما دی۔

"جاؤ پہلے انہیں روٹی دو۔" وہ جانے ہی والی تھی کہ نور افزا نے اسے پکارا۔ "یہ سالن میرے ابا نے لے کر جانا ہیں؟"

"اماں آپ کو پتا تو ہے یہ مجھ سے عجلت میں کام نہیں ہوتا۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

وہ دونوں چیزیں ٹرے میں رکھ کر فوراً خادم علی کے پاس گئی اور ٹرے ان کے سامنے پیش کر دی۔

"آؤ یہاں ماہ پارہ کے پاس بیٹھو۔ مجھے تم دونوں سے بات کرنی ہے۔" انہوں نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی اور اسے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی ابا کیا کہنا ہے آپ نے؟" مروا نے گھبرا کر کہا حالانکہ اسے گھبرانا نہیں چاہیے تھا لیکن پھر بھی اس کے دل میں ایک خوف تھا کہ نہ جانے اس کے ابا کیا کہیں گے۔

"کل صبح سویرے سردار کی بیوی کو دو لڑکیوں کی ضرورت ہے۔" وہ اب نوالہ منہ پہ ڈال کر چبا رہے تھے اور ساتھ ہی اپنی بات مکمل کرنا چاہتے تھے۔

کل ان کا بیٹا پورے آٹھ سال بعد آئے گا۔ اور اس بار گھر کا کام کچھ زیادہ ہے اس لیے انہیں دو لڑکیوں کی مزید ضرورت ہے۔ کل پورا خاندان ان کے گھر ہو گا۔" انہوں نے روٹی دو انگلی سے

اٹھا کر غور سے پلٹ کر کے دیکھا۔نہ روٹی جلی ہوئی تھی نہ کچی، چنانچہ وہ دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔

کرامت یہ سن کر خوش ہوا کہ اس کا بچپن کا دوست واپس آ رہا ہے، لیکن کچھ سوچ کر اداس بھی ہوا۔

"صبح سویرے کا مطلب؟"ماہ پارہ نے حیرت سے پوچھا تو مروا نے اسے کہنی ماری گویا کہنا چاہ رہی ہو "منہ بند رکھو"۔

"ہمارے یہاں تو چھ بجے کو کہتے ہیں۔ تیرے یہاں کا پتا نہیں۔"

کرامت مسکرایا اور مروا ہنس دی لیکن فوراً کھانسی سے اپنی ہنسی چھپالی۔نورافزا نے روٹی ان تینوں کے سامنے رکھی اور خود مزید روٹیاں پکانے چلی گئیں۔

"مجھے بھی ایک اور روٹی دے۔"خادم علی نے انہیں پیچھے سے آواز دی۔

"ابا یہ لیں میں انتظار کر لوں گی۔"مروا نے فوراً انہیں روٹی پیش کی۔

"ابا! صبح چھ بجے مجھ سے نہیں اٹھا جائے گا۔"اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔وہ ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں نکلی تھی۔"میں آٹھ بجے چلی۔۔۔"

"ہر گز نہیں، چھ کا مطلب ہے چھ بجے۔" انہوں نے سختی سے اس کی بات کاٹ کر حکم دیا۔ "اور وہ بہر حال اس کام کی ادائیگی کریں گے۔"

"جہاں پیسے کی بات آجائے وہاں پتا نہیں ابا ہم سے کیا کیا کروائے۔" ماہ پارہ بہت دھیمی آواز میں بڑبڑائی کہ وہ بمشکل خود کو سن سکی تھی۔

اس کا اب کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔اس کے موڈ کا بیڑا غرق ہو گیا تھا۔ کرامت نے اسے چپ کر کے کھانے کو کہا تو اس نے ناراضگی سے منہ پھیر لیا۔نور افزا نے آخری روٹی پلیٹ میں رکھیں اور ان کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

"تجھے پتا ہے امینہ بی بی نے ہمارے لیے کتنا کچھ کیا ہے۔" انہوں نے نوالہ بنا کر ماہ پارہ کی طرف بڑھایا۔ "اب جب کہ ان کے لیے کچھ کرنے کی ہماری باری ہے، ہم کیوں پیچھے ہٹیں؟"

"پر اماں۔۔۔"

"اپنے باپ سے بحث کرو گی؟" انہوں نے اس کی بات کاٹ کر بہت مدھم آواز میں کہا۔

"اللہ پوچھے ان سردار کے بیٹے سے خود تو مزے سے آرہے ہیں اور ہمیں صبح سویرے اٹھنا پڑے گا۔" ماہ پارہ نے صرف اپنے دل میں سوچا۔اس نے اس جملے کو زبان پر لانے کی غلطی بھی نہیں کی۔

☆...☆...☆

سورج کی کرنیں ہر طرف اپنی روشنی پھیلا رہی تھیں۔آج کی صبح ماہ پارہ کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں تھی۔

صبح چھ بجے ماہ پارہ اٹھ جائے،وہ بھی ایک ہی آواز میں؟ناممکن۔

"ماہ پارہ!!!اٹھو،میں کہتی ہوں اٹھ جاؤ۔"نورافزا نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"اماں،بس دس منٹ اور۔"وہ بڑبڑائی۔

"چلو اٹھ جاؤ بڑے لوگوں کو انتظار کروانا اچھی بات نہیں۔"نورافزا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔

"اماں،کیا مصیبت ہے۔"وہ آنکھ مسلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔"میری آنکھ نہیں کھل رہی۔"ماہ پارہ نے آنکھیں بند رکھیں ہوئی تھیں۔

خادم علی کو اب اس کی بچکانہ حرکتوں پر غصہ آرہا تھا۔انہوں نے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس اس کے چہرے پر زور سے پھینکا۔پانی اتنا نہیں تھا کہ وہ بھیگ جائے لیکن اس کا چہرہ بھیگ گیا تھا۔

"اب کھل گئیں؟"سخت لہجے میں کہا۔

وہ اس حملے کے لیے تیار نہ تھی اور ایک دم ہڑ بڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔اب اس کی آنکھیں بھی کھل گئی تھی اور دماغ بھی۔وہ پوری طرح ہوش میں آئی تھی۔اس چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ اب رو دے گی۔اس کی آنکھیں نم ہوئیں تو خادم علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے نہ میں اشارہ کیا۔

"یہ آنسو بعد کے لیے بچا کر رکھنا۔ابھی جلدی تیار ہو جاؤ۔" وہ کہہ کر رکے نہیں تھے، فوراً نکل گئے وہاں سے۔

"ہو گیا کلیجہ میں ٹھنڈا؟اب جا تیار ہو جلدی۔"بس ماں کی کمی تھی ان کی بات سن کر اسے مزید غصّہ آیا اور پیر پٹختے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

واشروم میں نل کھول کر منہ دھو رہی تھی۔اس نے اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تاکہ اس کی آنکھ پوری طرح کھل جائے ورنہ وہ جانتی تھی کہ وہ وہیں کہیں سو رہی ہو گی۔

"سردار کا بیٹا نہ ہوا کوئی شہزادہ ہو گیا۔"اس نے اپنا چہرہ تولیہ سے خشک کیا۔

وہ صندوق میں جھکی ہوئی اپنے لیے کچھ اچھے کپڑے ڈھونڈ رہی تھی۔دو تین کپڑے دیکھنے کے بعد اپنی امی کو پکارنے لگی۔"اماں مجھے کپڑے نہیں مل رہے ہیں۔"

"وہیں ہوں گے۔"نور افزا نے اونچی آواز میں کہا اور پھر مروا کو مخاطب کیا۔" جاؤ اور دیکھو وہ کیا مانگ رہی ہے۔"

"پھر کیا مصیبت آگئی ہے؟" وہ دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھ کر بیزاری سے پوچھ رہی تھی۔

"آپی کوئی کپڑے پہننے لائق نہیں ہیں۔" اس نے دو کپڑے اٹھا کر دکھائے۔"دیکھیں یہ ادھر سے پھٹا ہے اور یہ۔۔۔"

"یہ تو بالکل ٹھیک ہے۔" مروا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"پہلے سن تو لیں۔ میں اسے کئی بار پہن چکی ہوں۔" اس نے کپڑے کو دوبارہ صندوق میں رکھ دیے۔

"ہیں؟؟ تو تمہیں وہاں کون دیکھ رہا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"آپی، انسان خود کے لیے اچھا دکھتا ہے نہ کہ دوسروں کے لیے۔" وہ جیسے برا مان گئی تھی۔"آپی، اپنے کپڑوں میں سے ایک دے دیں۔" اس نے بڑی معصومیت سے کہا جس پر مروا ہنس پڑی اور اپنے کپڑوں میں سے ایک ڈھونڈ کر دے دیا۔

"یہ لو، جلدی کرو اور تیار ہو جاؤ، تمہاری وجہ سے پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔"

"ایک تو صبح سویرے جگا کر مجھ پر ہی غصہ کر رہی ہیں۔" وہ بڑبڑائی اور کپڑے بدلنے چلی گئی۔

☆...☆...☆

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What’s up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

اس وقت وہ دونوں ایک بڑی عالیشان حویلی کے باہر کھڑی تھیں۔ گردن اٹھائے وہ اس عمارت کو بڑے غور سے

دیکھ رہی تھیں۔ حیرت سے ان کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اتنا خوبصورت گھر انہوں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ اس حویلی کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں کہ اتنے میں اس حویلی کے رکھوالے ان کے پاس آ رہے تھے۔

"کیا تم دونوں خادم علی کے گھر سے آئے ہو؟" وہاں کھڑے ایک شخص نے پوچھا۔

"جی، ہم وہی سے آئے ہیں۔" مروا نے حویلی سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا اور کہا۔

ان دونوں کو اندر جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ قدم رکھتے ہی اس نے خود کو ایک مختلف دنیا میں تصور کیا۔ ایک طرف دیکھا تو ایک بڑے لان میں دو تین مالی کام کرتے ہوئے نظر آئے۔ اس نے اپنی نظریں دوسری طرف موڑیں تو وہاں ایک خوبصورت جھولا تھا جس میں دو یا تین لوگ آرام سے بیٹھ سکتے تھے۔ ماہ پارہ کا دل بے تحاشا چاہا کہ وہ اس جھولے میں بیٹھے پر فوراً سر جھٹکا۔

"ماہ پارہ تو یہاں کام کے لیے آئی ہے۔" اس نے جیسے خود کو یاد دلایا۔

وہ دونوں اب سیدھی گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اس نے اپنے پاؤں سفید سنگ مرمر کی ٹائلوں پر رکھے۔ وہ اب سفید ٹائل والے فرش پر قدم بڑھائے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اس حویلی کی خوبصورتی کا طواف کر رہی تھیں۔ اس نے بے اختیار اپنے لبوں پر ہاتھ رکھا۔ اتنا بڑا گھر اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

گھر کے اندر جاؤ تو سامنے ایک بڑا لاؤنج نظر آئے گا۔لاونج میں بہت خوبصورت اور بڑے صوفے رکھے گئے تھے۔صوفے کے درمیان ایک گول میز رکھی ہوئی تھی جس پر ہر طرح کے لوازمات رکھے گئے تھے۔دائیں ہاتھ میں کچن تھا۔سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھی۔لاؤنج کے بالکل وسط میں چھت پر ایک بہت ہی خوبصورت اور بڑا فانوس نصب تھا جو لاؤنج کی خوبصورتی کو اور بڑھا رہا تھا۔

جب اس نے ارد گرد دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہاں تین چار نہیں بلکہ بہت سے کمرے ہیں۔ مختلف جگھوں پر بہت خوبصورت اور قیمتی گلدان رکھے گئے تھے۔اس نے اوپر دیکھا،ایک لڑکا جو اس کی عمر کا لگتا تھا پہلے ہی شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ماہ پارہ نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔

امینہ ایک ملازم سے کچھ سامان منگوانے کو کہہ رہی تھی تو اس کی نظر ان پر پڑی۔وہ مسکرا کر ان کی طرف بڑھیں۔"مجھے معلوم تھا کہ تم دونوں ضرور آؤ گی۔"

ماہ پارہ نے انہیں سر تا پیر دیکھا۔اس کا منہ تو تب سے ہی بند ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔سامنے کھڑی عورت اتنے مہنگے کپڑے اور زیورات میں ملبوس تھیں کہ ماہ پارہ کے لیے ان سے نظریں ہٹانا مشکل تھا۔وہ عورت کافی خوبصورت لگ رہی تھیں۔

"نور افزا کی بیٹیاں ہیں فرمانبردار تو ہوں گی۔"امینہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"اسلام و علیکم۔"مروا نے مؤدب سے سلام کیا۔اس کی آواز پر ماہ پارہ ہوش میں آئی اور سلام کیا۔

"وعلیکم اسلام۔۔آؤمیں تم دونوں کو کام سمجھادوں، پھر تم دونوں اپنا کام کرنااور اگر بھوک لگے یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو ضرور بتانا۔ تم دونوں میرے لیے صبح سویرے آئے ہو یہ میرے لیے بہت بڑی بات ہے۔" وہ ان کے ساتھ قدم بہ قدم چل رہی تھیں۔

دونوں بہنیں حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔اس کے لیے حیرت کی بات تھی کہ اس بڑی حویلی کی مالکن ان کے ساتھ اتنی محبت اور احترام سے پیش آرہی تھیں۔

امینہ نے ان دونوں کو کام سمجھایااور باقی کام خود دیکھنے چلی گئیں۔ماہ پارہ کو کچن کا کوئی کام نہیں آتا تھااس لیے اسے صرف صفائی کا کام دیا گیااور مرواکو کچن کا سارا کام سونپا گیا۔

ماہ پارہ اس وقت سردار کے پوتے کے کمرے میں تھی۔اس کمرے کو اتنی صفائی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان

کا پوتا صفائی کا بہت خیال رکھتا تھا،اس لیے اس کمرے کو ہر دوسرے دن صاف کیا جاتا تھا۔اس لیے بس تھوڑی سی صفائی کی ضرورت تھی۔

وہ منہ کھولے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔وہ کمرہ بہت بڑا تھا،یہ حویلی جتنی خوبصورت اور بڑی تھی، اس سے بھی زیادہ خوبصورت یہ کمرہ تھا۔کمرے کے وسط میں دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا بیڈ تھا جس کے دونوں طرف ایک میز تھی۔سامنے دیوار کے ساتھ دو سنگل صوفے رکھے گئے تھے۔

صوفے کے ساتھ میز بھی رکھی ہوئی تھی۔الماری اسی سیدھ میں نصب تھی۔بیڈ کے دائیں جانب منسلک اسٹڈی روم تھا۔

وہ صفائی کے کپڑے سے میز صاف کررہی تھی۔اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔سیف بغیر آواز کیے کمرے میں آیا،اس نے دیکھا کہ ماہ پارہ اپنے کام میں مصروف ہے تو وہ بیڈ کی طرف گیااور میز سے قیمتی مگر چھوٹا سا گلدان اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔اس نے گلدان فرش پر پھینکااور کمرے سے باہر بھاگ گیا۔

ماہ پارہ کرنٹ کھا کر پیچھے مڑی۔دروازے پر گلدان ٹوٹا ہوا تھا۔ماہ پارہ گھبرا گئی۔اس کی آنکھوں میں خوف نمایاں تھا۔نور افزا اور خادم علی کا خوف۔۔اگر وہ اس گلدان کے پیسے مانگیں؟اس نے اسے توڑا نہیں، لیکن کون اس کی بات پر یقین کرے گا؟اور وہ گلدان اتنا قیمتی تھا کہ اگر انہیں پورا ایک مہینہ بھی یہاں کام کرنا پڑے تب بھی وہ اس گلدان کی قیمت بمشکل ہی ادا کر پاتے۔

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔وہ ٹوٹے ہوئے گلدان کے پاس رک کر بیٹھ گئی۔

"میں اس گلدان کو صاف کر کے کوڑے دان میں پھینک دوں گی، کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔"وہ اب ٹوٹے ہوئے گلدان کو بہت احتیاط سے اٹھا رہی تھی۔"ویسے بھی یہ میں نے نہیں کیا۔"اس کی آنکھیں نم تھیں۔

سیف امینہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آیا۔ "ممی یہ دیکھیں، اس لڑکی نے بھائی کے کمرے کا گلدان توڑ دیا، یہ گلدان دیکھیں یہ بھائی کو کتنا پسند تھا۔"

ماہ پارہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ "قسم سے میں نے نہیں کیا۔ یہ تو۔۔۔وہ میں۔۔۔" وہ اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ اسے اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"دیکھیں نا ممی، یہ اٹک بھی رہی ہے۔ اسی نے توڑا ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے۔" سیف انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سیف۔" انہوں نے اسے ٹوکا۔ "کچھ نہیں ہوتا، غلطی سے ٹوٹ گیا ہو گا، صفائی میں ہوتا رہتا ہے۔"

"لیکن میں نے واقعی اسے نہیں توڑا۔ میں صفائی کر رہی تھی۔ میں نے کچھ ٹوٹتے ہوئے سنا۔ میں نے دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا اور یہ۔۔۔"

"کیا میں نے تم سے کچھ کہا؟ پھر جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" امینہ غصے میں آ گئی۔ "اور سیف، آئندہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے مجھے پریشان مت کرنا میں مصروف ہوں اور میرے پاس یہ سب دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔"

ماہ پارہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔آنسوؤں کے قطرے دونوں گالوں پر بہہ رہے تھے۔اسے تھوڑی دیر پہلے والی امینہ لگی ہی نہیں، جو اتنی نرم رویہ اختیار کر رہی تھیں۔امینہ چلی گئیں وہاں سے اور سیف اسے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہا تھا، آئیبرو اٹھا کر گویا اس سے کہنا چاہ رہا ہو۔۔"کیسا لگا؟"

"تم نے یہ کیا ہے، ہے نا؟"ماہ پارہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں تو؟"سیف نے بے نیازی سے کہا۔

"تم بہت برے ہو، جھوٹے ہو اور۔۔۔"

"اور پیارا بھی۔"سیف نے اس کی بات کو کاٹ کر کہا۔جس پر ماہ پارہ کو مزید رونا آیا۔

"کیا تم لڑکیاں ہر وقت روتی رہتی ہو؟ کیا تم لوگوں کے پاس اور کچھ نہیں ہے؟"سیف سینے پر ہاتھ لپیٹتے ہوئے

کہہ رہا تھا۔ماہ پارہ کے گالوں پر شرمندگی پھیل گئی۔وہ اب رونا بھول گئی تھی اور اپنے کام میں لگ گئی تھی۔

☆...☆...☆

نیلے آسمان کو سیاہ رنگ اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔پوری حویلی اس وقت روشنی میں ڈوبی ہوئی تھی۔اس وقت گھر کے تمام افراد لاؤنج میں موجود تھے۔سب جہانگیر کا انتظار کر رہے تھے۔سب سے زیادہ امان اللہ بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔جہانگیر کی پھوپھو کی بیٹی بھی وہاں موجود تھی۔وہ بھی بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔جہانگیر کی پھوپھو کی وفات کو تین سال ہو چکے تھے۔ان کے شوہر نے دوسری شادی نہیں کی،اس کی پوری توجہ اپنی اکلوتی بیٹی پر مرکوز تھی۔

ماہ پارہ اور مروا کا کام ہو گیا تھا۔امینہ نے انہیں رکنے کو کہا لیکن انہیں مزید یہاں رکنے کی اجازت نہیں تھی اس لیے وہ دونوں گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

مروا اور ماہ پارہ گلی سے گزر رہی تھی۔مروا کو لگا جیسے کوئی ان کا پیچھا کر رہا ہے لیکن جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں لیکن مروا کو پھر بھی ایسا لگا جیسے کوئی ان کے پیچھے آ رہا ہو۔وہ دونوں دوسری گلی سے جانے لگیں کہ اچانک کوئی ان کے سامنے آ گیا۔دونوں کی ایک ساتھ چیخ نکلیں۔پیچھے مڑ کر معلوم ہوا کہ وہاں ایک نہیں بلکہ تین لوگ تھے۔

"دو خوبصورت لڑکیاں اکیلی کہاں جا رہی ہیں؟"تینوں میں سے ایک ان کے پاس آیا۔

"دور۔۔۔دور رہو ہم سے۔"مروا نے ماہ پارہ کو اپنے پیچھے کیا اور دو قدم پیچھے ہٹی اس کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا۔

"ارے کون کمبخت دور رہے گا۔ موقع بھی ہے دستور بھی ہے اور دو حسین لڑکیاں بھی۔" وہاں کھڑے

دوسرے لڑکے نے کہا۔

"دیکھو ہمیں جانے دو ہم۔۔۔ ہم کسی سے کچھ نہیں بتائیں گے۔" مروا کے چہرے پر خوف کے واضح تاثرات نمایاں تھے۔

"تم کسی کو بتاؤ یا نہیں بتاؤ ہمیں پروا بھی نہیں ہے۔" وہ سب ایک ساتھ ہنس پڑے۔ ایک لڑکا آگے بڑھا لیکن وہ مروا کے قریب نہیں بلکہ ماہ پارہ کے قریب گیا۔

"آپی۔۔۔ ان سے کہے دور۔۔۔ دور رہے۔۔۔" اس کی سانس حلق میں اٹک گئی تھی۔

"ارے یہاں تم لوگوں کو بچانے والا کوئی نہیں ہے۔"

وہ مزید کچھ کہنے والا تھا کہ ایک تیز رفتار جیپ نے پوری رفتار سے بریک لگائی۔ ٹائر بری طرح چرچرائے۔ تینوں غنڈوں نے ایک ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جیپ کی ہیڈلائٹس ان کی آنکھوں میں بری طرح لگ رہی تھیں۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" جیپ میں بیٹھے شخص کی بھاری آواز خاموش گلی میں گونجی۔

"یہ۔۔۔ یہ لڑکے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔" مروا کی آواز کانپ رہی تھی۔

وہ وجیہہ نقوش والا شخص جیپ سے چھلانگ لگا کر نیچے اترا۔آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔"کیا اس گاؤں میں اب بھی یہ سب ہوتا ہے؟"اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں بے حد سختی نظر آرہی تھی۔

"تم اس گاؤں سے تو نہیں ہو۔"لڑکے نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا،اس کا لباس ایسا نہیں لگتا تھا کہ وہ اس گاؤں کا ہے۔"اور یہ ہمارا گاؤں ہے۔ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ تمہیں کیا مسئلہ ہے؟"

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں اور میرا مسئلہ کیا ہے۔"اس نے دانت پیستے ہوئے کہا،اس کی آواز غصے سے بھری ہوئی تھی۔

وہ آدمی آگے بڑھا اور اسے کالر سے پکڑ کر اس کے جبڑے میں یکے بعد دیگرے گھونسے مارتا رہا۔وہ دونوں لڑکے

بھی اس کے پیچھے آئے لیکن اس شخص کے آدمیوں نے انہیں پکڑ لیا۔ماہ پارہ اور مروا خوف سے کانپ رہی تھیں۔وہ یہ سب کچھ پہلی بار ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔اس شخص نے ان لڑکوں کو ایسی حالت بنا کر رکھ دی تھی کہ اگلے سو سال میں بھی کسی لڑکی کی طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کریں گے۔

"تجھ جیسے لڑکوں کی وجہ سے آج بھی ایک آزاد ملک میں لڑکیاں صرف تجھ جیسے کتوں کی وجہ سے خود کو محفوظ محسوس نہیں کر سکتیں۔" اس کی آواز بلند تھی۔اس کی آواز جتنی خوبصورت تھی، وہ اس وقت خوفناک لگ رہی تھی۔اس کی آواز میں دکھ، درد، غصہ، ندامت کیا کچھ شامل نہ تھا۔

وہ اس لڑکے کو گریبان سے پکڑ کر پوری قوت سے اسے اٹھا کر دیوار سے لگایا۔اس کا سر دیوار سے بری طرح ٹکرایا۔وہ پورے دس منٹ تک انہیں مارتا رہا، اتنا مارنے کے بعد بعد بھی اس کا دل نہیں بھرا تھا۔آخر کار جب وہ تھک گیا تو پھولے تنفس کے ساتھ اس نے لڑکے کو بالوں سے پکڑ کر ناک پر مکا مارا۔ان لڑکوں نے صرف غلط کرنے کا سوچا، اس لیے ان کی یہ حالت تھی، اگر وہ غلط کرتے تو وہ شخص نا جانے کیا کرتا۔

"ہمیں۔۔۔ہمیں جانے دو۔۔۔توبہ ہو جو کبھی۔۔۔کسی عورت کو نظر۔۔۔اٹھا کر بھی دیکھا۔"

اس آدمی نے آخری بار اسے زور سے لات ماری۔

"اگر پہلے یہ سوچا ہوتا تو یہ صورتحال نہ ہوتی۔" اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں، غصہ اس کے اندر بھڑکتی آگ کی طرح جل رہا تھا۔"آئندہ میں کسی بھی عورت کے آس پاس بھی نہ دیکھوں تم لوگوں کو اور تمہارے جیسے دوسرے نسل کے کتوں کو، سمجھ آ رہی ہے میری بات یا نہیں؟" وہ چیخ رہا تھا۔وہ اس وقت بہت غصے میں تھا۔"آخر ہمارا ملک ایک آزاد ملک ہے اور عورتیں آزاد ملک

میں محفوظ نہیں ہیں، تو یہ کیسی آزادی ہے؟" اس کی آواز اب بھی بلند تھی اور ماتھے کی رگیں اُبھری ہوئی تھی۔ ایک آخری لات مار کر وہ دور کھڑا ہو گیا۔

تینوں لڑکے فوراً وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے جانا ہی بہتر سمجھا حالانکہ وہ اپنے جسم کے مختلف حصوں میں دردناک درد محسوس کر رہے تھے۔

وہ شخص اب ان دونوں کے قریب گیا جو ڈری سہمی ایک دوسرے سے چپکی کھڑی تھیں اور نہایت نرمی سے بولا۔ "آیئے میں آپ لوگوں کو گھر چھوڑ دوں۔"

"آپ؟" وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

"میں؟" ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔ "میں جہانگیر داؤد علوی۔" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ اس وقت سیاہ جینز اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا۔ سفید شرٹ کی آستینیں کہنی تک چڑھائی ہوئی تھیں۔ دراز قد، کسرتی بازو، صاف رنگت، ماتھے پر بکھرے گھنے بھورے بال، یقیناً وہ اس وقت کسی ریاست کے شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ ماہ پارہ ہوش میں ہوتی تو وہ اس وقت اسے شہزادہ سمجھتی لیکن وہ اس وقت خوف زدہ چہرے کے ساتھ مروا کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔

"آپ وہی سردار کے پوتے ہیں جو۔۔۔"

"جی میں وہی ہوں۔" جہانگیر نے مروا کے سوال کو سمجھ کر اس کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہمیں معاف کر دیں ہماری وجہ سے آج آپ کا دن خراب ہو گیا۔" وہ شرمندہ لگ رہی تھی۔

"بالکل نہیں، تم لوگوں کی وجہ سے کچھ نہیں ہوا، اگر میرا دن خراب ہوا ہے تو ان۔۔۔" وہ کچھ غلط کہنے ہی والا تھا کہ چپ ہو گیا۔ "خیر چلو یہ سب چھوڑو۔ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میں تم لوگوں کو صحیح سلامت گھر نہ پہنچا دوں اور نہ ہی تم دونوں کو اکیلے جانے دوں گا۔" نرم لہجہ اب دوبارہ سخت میں بدل چکا تھا۔

دونوں کو خاموش دیکھ کر وہ دوبارہ مخاطب ہوا۔ "تم لوگوں کا گھر کہاں ہے؟"

"مجھے راستوں کا علم نہیں لیکن ہم خادم علی کے گھر سے ہیں۔"

"کیا تم لوگ خادم علی کو جانتے ہو؟" جہانگیر اب اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوا۔

وہاں کھڑے ایک شخص نے اثبات میں سر ہلایا تو جہانگیر نے انہیں جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"چلو، بہت دیر ہو گئی، ابا ناراض ہو جائیں گے۔" مروا نے اسے بازو سے پکڑ کر جیپ میں بیٹھنے کو کہا۔

ماہ پارہ نے سر ہلایا اور خاموشی سے جیپ میں بیٹھ گئی۔ جہانگیر کی جیپ میں بیٹھے دو آدمی دوسری جیپ میں جا کر بیٹھ گئے۔ جہانگیر نے گہری سانس لی اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ گارڈز کی جیپ آگے جا رہی تھی اور جہانگیر کی جیپ ان کے پیچھے۔

راستہ خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ ماہ پارہ نے مروا کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔ اور مروا کو یہ پریشانی ہو رہی تھی کہ گھر جا کر کیا کہے، اتنی دیر سے کیوں آئی۔ جہانگیر نے اسٹیئرنگ ویل کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا، اس کے گھر میں سب اس کا انتظار کر رہے ہوں گے اور وہ خود بھی گھر جانے کے لیے کتنا بے تاب تھا۔

"رات کے اس وقت تم دونوں باہر کیا کر رہی تھیں؟"

ماہ پارہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور سوال سمجھ کر بولنے لگی۔ "ہم۔۔۔" وہ کہنے ہی والی تھی کہ مروا نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر آنکھیں دکھائیں۔

"ہم تو کسی کام سے نکلے ہوئے تھے۔ آتے ہوئے شام ہو گئی، پھر ہم راستہ بھٹک گئے۔" ماہ پارہ کے ہاتھ ہنوز اس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ اس وقت سچ بول کر مزید ہنگامہ نہیں چاہتی تھی۔

"اور تم دونوں کو گھر سے بھی لینے کوئی نہیں آیا؟"

"ہمیں۔۔۔" ماہ پارہ پھر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ مروا بیچ میں بولی۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے۔۔انہیں کیسے پتہ ہو گا کہ ہم کہاں ہیں۔" مروا دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ اتنے

جھوٹ بولنے سے بہتر تھا ایک ہی بار سچ بتا دیتی۔ نا جانے اب جہانگیر مزید کتنے سوال کرتا۔

اس نے سر کو سمجھنے کی انداز میں جنبش دی۔ اب راستہ دوبارہ خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ مروا نے سکون کا سانس لیا لیکن اگلے ہی لمحے اسے ایک اور پریشانی نے گھیر لیا۔ اگر جہانگیر نے ابا سے بات کرنے کی ضد کی یا گھر میں اس واقعہ کا ذکر کیا تو ان دونوں کی خیر نہیں۔ جیسے جیسے وہ گھر پہنچ رہے تھے، مروا کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی جہانگیر کو روک نہیں سکتی تھی۔

جہانگیر کی گاڑی ان کے گھر کے قریب آکر رکی۔ اس نے دونوں کو دیکھا اور نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں اتر گئیں۔ ان کے اترنے کے فوراً بعد جہانگیر نے پوری رفتار سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ مروا نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا۔ وہ ایسے غائب ہو گیا جیسے کبھی آیا ہی نہ ہو۔ جیسے یہ سب اس کا خیال تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ اس نے یہ دیکھنے کا انتظار بھی نہیں کیا کہ یہ لوگ گھر کے اندر گئے ہیں یا نہیں۔

"آپی!" ماہ پارہ نے غصے سے اسے پکارا۔ "اب ہم گھر کے اندر چلیں؟" اس کا لہجہ سخت تھا، شاید وہ اس وقت غصے میں تھی یا تھکی ہوئی تھی۔

"ہاں تو میری شکل کیا دیکھ رہی ہو، چلو اندر۔ اور خبر دار اگر ابا کو کچھ بھی بتایا تو۔" مروا نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کیا۔

"کچھ بھی نہیں مطلب کچھ بھی نہیں اور کہہ دینا کہ ان کے رکنے کے اصرار پر ہمیں دیر ہو گئی ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں کہوں گی۔ آپ جھوٹ کہیں اور آپ جانے۔ اگر انہیں بعد میں پتہ چلا تو؟" ماہ پارہ نے ہاتھ اٹھا کر صاف انکار کر دیا۔

مروا نے اسے گھوری سے نوازا اور اسے کندھے سے پیچھے دھکیل کر گھر کے اندر داخل ہوئی۔ ماہ پارہ بھی پیر پٹختے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ خادم علی اور نور افزا سو رہے تھے، صرف کرامت جاگ رہا تھا۔

کرامت صحن کے چارپائی پر گھٹنوں پر کہنیاں جمائے ہتھیلیاں باہم پھنسائے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ گاؤں میں لڑکیوں کا اتنی دیر باہر رہنا بہت غلط سمجھا جاتا تھا۔ خادم علی سو گئے کیونکہ کرامت نے کہا تھا کہ وہ انہیں لینے جائے گا۔ وہ گیا بھی تھا لیکن وہاں سے اسے معلوم ہوا کہ وہ حویلی سے جا چکی ہیں۔

وہ دونوں کو آتا دیکھ کر کھڑا ہوا اور فکر مندی سے بولا۔ "کہاں رہ گئی تھیں تم دونوں؟"

"بھائی،انھوں نے ہمیں روک دیا تھا کہا کہ بعد میں چلی جانا تو پھر۔۔۔ہم رک گئے تھے۔"

"اور آئے کیسے ؟میں تم لوگوں کو لینے گیا تھا لیکن وہ بولے تم دونوں وہاں نہیں ہو۔"

"انہوں نے ہمیں گارڈز کے ساتھ بھیجا پھر ان کی جیپ خراب ہو گئی تو اس میں وقت لگ گیا۔"

کرامت نے اثبات میں سر ہلایا۔"کافی دیر ہو گئی ہے،اب تم دونوں سونے جاؤ۔ابا صبح سویرے جگا دیتے ہیں۔"

"جی بھائی بہت دیر ہو گئی ہے اب ہمیں سو جانا چاہیے۔"ماہ پارہ نے جمائی لیتے ہوئے کہا تو دونوں ہنس پڑے۔

☆...☆...☆

جہانگیر داؤد علوی کی جیپ ایک عالیشان حویلی کے قریب آکر رکی۔دو گارڈز نے اس کے لیے گیٹ کھولا تو وہ تیزی سے جیپ کو اندر لے گیا۔گارڈز نے فوراً پیچھے سے گیٹ بند کر دیا۔

ایک گہری سانس لے کر اس نے حویلی کی طرف دیکھا۔ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آکر گزرا۔اس نے سر جھٹکا اور جیپ سے نیچے اتر گیا۔وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔دل ہی دل میں وہ چاہتا تھا کہ اس وقت کوئی مہمان گھر پہ موجود نہ ہو۔اس نے اپنے آدمیوں کی طرف چابی اچھالی اور اندر کی جانب بڑھنے لگا۔

وہ اندر جانے کے لیے گیٹ پر ہی تھا کہ پیچھے سے ایک سات آٹھ سال کی بچی اس کے قریب آکر اس سے لگی۔ جہانگیر کو کچھ دیر کے لیے کچھ سمجھ نہ آیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ چھوٹی لڑکی کون ہو سکتی ہے۔

اس نے بہت نرمی سے اسے اپنے سے الگ کیا اور پیچھے پلٹ کر گھٹنوں کے بل بیٹھا۔

"آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟" جہانگیر نے اس کے دونوں گال کھینچ کر کہا۔

"آپ جہانگیر بھائی ہیں نا؟" جہانگیر اس کی معصومیت پر ہنس دیا۔

"نہیں، جہانگیر کون ہے؟ میں جہانگیر کا دوست ہوں اور آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ جہانگیر نہیں آرہا۔" جہانگیر بمشکل مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

وہ مایوس ہو گئی۔ وہ بے صبری سے جہانگیر کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی شکل رونے جیسی تھی۔ ایک لمحے میں اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور دوسرے ہی لمحے وہ زور زور سے رونے لگی۔

جہانگیر بوکھلا گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح روئے گی۔ کچھ دیر پہلے کی شرارت اب اسے بری لگ رہی تھی۔ اس نے اس کے ساتھ مذاق کیوں کیا؟ اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔

"رنزہ۔۔۔ رنزہ میں ہی ہوں جہانگیر، ادھر دیکھو میری طرف۔ میں تو بس مذاق کر رہا تھا۔" وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیے انگوٹھے سے اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں نا مجھے چپ کروانے کے لیے؟" اس نے جہانگیر کا ہاتھ ہٹایا اور خود اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"ہرگز نہیں میں صرف تمہیں تنگ کر رہا تھا۔" اب جہانگیر کے چہرے پر پھر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اچھا تو پھر چلیں اندر، میں دیکھتی ہوں اگر دادو نے آپ کو پہچان لیا تو اس کا مطلب ہے کہ آپ جہانگیر بھائی ہیں، ورنہ مجھے آپ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔"

جہانگیر نے اس بار زور سے قہقہہ لگایا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اگر دادو نے اسے پہچان لیا تو اس کے دادو اسے کبھی نہیں بھولیں گے چاہے وہ کبھی لوٹ کر نہ بھی آتا تب بھی نہیں۔

رنزہ اب اپنے دونوں ہاتھوں سے جہانگیر کا ہاتھ پکڑ کر اسے باقی سب سے ملوانے لے جا رہی تھی۔

جہانگیر جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے امان اللہ نے اسے دیکھا۔ ایک سکون کی لہر ان کے دل کو چھو کر گئی۔ ان کو اس سے زیادہ کبھی کسی چیز پر اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی کہ جتنی آج جہانگیر کے آٹھ سال بعد کی واپسی پر ہوئی ہے۔

وہ بانہیں کھول کر اس کے پاس آرہے تھے اور جہانگیر سر خم کیے مسکرا دیا۔ باقی سب بھی اسی طرف متوجہ تھے۔ امینہ کی آنکھیں بھیگ گئیں لیکن وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا رہی تھیں۔ اتنے

سالوں کی جدائی کے بعد وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے واپس دیکھ رہی تھیں۔انھوں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ جہانگیر کو واپس نہیں جانے دیں گی۔

"میرا پوتا، میرا شہزادہ، میرے جگر کا ٹکڑا۔" امان اللہ نے جہانگیر کو زور سے گلے لگایا اور یونہی گلے لگائے رکھا۔

"السلام علیکم دادا جان، کیسے ہیں آپ؟" بمشکل جہانگیر ان سے الگ ہو کر مخاطب ہوا۔

"وعلیکم السلام میرا شہزادہ۔میری چھوڑو تم اپنی سناؤ۔یہ کیا حال بنا دیا ہے اپنا؟ اتنے کمزور ہو گئے ہو، اپنے چہرے کو دیکھو، یہ کیسا مرجھا ہوا ہے، اور یہ دیکھو تم وہاں کوئی ورزش نہیں کرتے تھے؟" امان اللہ نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

کمزور تو وہ کہیں سے نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن ان کی نظروں میں ایسا لگتا تھا جیسے اس نے برسوں سے کچھ کھایا پیا نہ ہو۔جب وہ جا رہا تھا تو وہ چھوٹا اور دبلا سا معصوم بچہ تھا۔پہلے اور ابھی کے جہانگیر کے کھانے پینے کی عادات، بولنے کے انداز، لباس اور آداب میں بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔

"اب آ گیا ہے نا اب ہم اسے واپس وہی جہانگیر بنائیں گے۔" امینہ اس کے قریب گئیں اور اس کے گال کو چھوا۔

جہانگیر نے انہیں سلام کیااور ان سے ملنے کے بعد اب وہ باری باری سب سے مل رہا تھا۔ رنزا کو اب یقین ہو گیا تھا کہ یہ جہانگیر ہے اس لیے وہ پھر اس کے پاس گئی جس پر سب مسکرادیے۔ گھر والوں سے ملنے کے بعد وہ سب صوفے پر بیٹھ گئے۔

تمام مہمان جاچکے تھے۔ جہانگیر خوش تھا کہ یہاں کوئی مہمان نہیں ٹھہرا۔ اگر ایک چیز جہانگیر کو ناپسند تھی تو وہ مہمانوں کے ساتھ بیٹھنا تھا۔ جہانگیر کو بالکل پسند نہیں تھا اتنے سارے لوگوں کے درمیان بیٹھنا ہر مہمان کا جواب دینا، ان سے اچھے سے بات کرنا، کیونکہ ان سب کو ہر چھوٹی سی چھوٹی بات بری لگتی تھی۔ خاص کر جہانگیر کی باتیں۔ وہ کسی بھی وجہ سے دوبارہ اپنے خاندان سے دور نہیں جانا چاہتا تھا جیسے اسے آٹھ سال پہلے جانا پڑا تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ اب اپنے کام سے کام رکھے گا کیونکہ یہ گاؤں والے بدلنے والے نہیں تھے لیکن ان کی وجہ سے وہ اتنے سالوں تک اپنے گھر والوں سے دور رہا۔

جہانگیر سیف اور رنزا کے درمیان بیٹھا تھا اور حسن رنزا کے پاس بیٹھا تھا۔ حسن جہانگیر سے صرف چار پانچ سال چھوٹا تھا۔ وہ بالکل جہانگیر جیسا نظر آتا تھا، صاف رنگت، سیاہ آنکھیں، بھورے بال، بالکل جہانگیر کی طرح۔ وہ مسکراتا تو ایک گال پر ڈمپل نمایا ہوتا۔

جہانگیر اتنے سالوں بعد بہت خوش تھا۔وہ آج دل سے خوش تھا۔اپنے خاندان کو ایک ساتھ دیکھ کر ہی وہ خوش ہوا کرتا تھا۔کافی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ اس کا باپ وہاں نہیں ہے۔اسے مایوسی ہوئی لیکن اس وقت وہ اپنی خوشی میں کسی قسم کے دکھ اور مایوسی کو شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تمہارے بابا کسی کام سے شہر گئے ہوئے ہیں۔" امینہ نے اسے بتانا ضروری سمجھا۔

"کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں آج آرہا ہوں؟" جہانگیر نے ناراضگی کا اظہار کیا،وہ خود نہیں جانتا تھا کہ کیوں کیا۔

"جہانگیر بھول جاؤ سب، تمہارے بابا بھی بھول گیا ہے۔اسے واقعی میں ضروری کام تھا،میں نے ہی اسے بھیجا تھا۔وہ کل صبح تک آجائے گا۔" امان اللہ نے جھوٹ بولا تھا کیونکہ اس وقت اس جھوٹ سے جہانگیر کا مزاج بہتر ہو سکتا تھا اس لیے کہہ دیا۔

جہانگیر نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔کافی دیر باتیں کرنے کے بعد امان اللہ اٹھے اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔امینہ بھی اٹھی اور جہانگیر کو اپنے کمرے میں جانے کو کہا اور رنزا اور سیف کو اپنے ساتھ لے گئیں۔جہانگیر سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔وہ بغیر کپڑے بدلے بستر پر لیٹ گیا اور اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگا۔

☆...☆...☆

یہ منظر ایک ہفتے بعد کا ہے۔

دن کا وقت تھا۔ نور افزا اور خادم علی آج کسی کی شادی پر گئے ہوئے تھے۔ ماہ پارہ اور مروا گھر میں اکیلی تھیں۔ کرامت کام پر گیا ہوا تھا۔ نور افزا نے مروا کو سارا کام سمجھا دیا تھا اس لیے وہ اسی میں مصروف ہو گئی۔ لیکن ماہ پارہ اس دن ہریرہ سے ایک اور کتاب لے کر آئی تھی تو وہ پھر صحن میں بیٹھی وہ کتاب پڑھ رہی تھی۔

وہ دیوار سے لگی بیٹھی ہوئی تھی۔ بالوں کی ہمیشہ کی طرح چوٹی بنائی ہوئی تھی۔ اس بار وہ کتاب غور سے تو پڑھ رہی تھی پر اس کے چہرے پر ایک تشویش بھی تھی۔ وہ کتاب پڑھ تو رہی تھی پر اسے سمجھ کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"اس میں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" اس نے کتاب بے زاری سے بند کر دی۔

اس بار اس نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف موڑ لیا لیکن سورج کی تپش کی وجہ سے اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں سکیڑ گئیں اور اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر اپنے سامنے دیوار کو گھورنا شروع کر دیا۔

"پتا نہیں یہ لوگ یہ موٹی موٹی کتابیں کیسے پڑھتے ہیں۔ مجھ سے تو ایک لفظ بھی پڑھا نہیں جا رہا۔" وہ قدرے مایوسی سے بولی۔

"کیا بات ہے ماہ پارہ تم کافی پریشان لگ رہی ہو۔" مروا نے اسے مایوس بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں بس۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی، اچانک باہر سے آواز آئی۔ وہ فوراً کھڑی ہوئی اور کتاب قریب چارپائی پر رکھ دی۔ اس نے مروا کی طرف دیکھا، مروا کندھے اچکا کر باہر چلی گئی، تو ماہ پارہ بھی بھاگ کر باہر چلی گئی۔

دونوں نے گیٹ سے باہر قدم رکھا۔ باہر کا منظر دیکھ کر ان دونوں نے بے اختیار اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔ کفن پوش وجود کے گرد بہت سے لوگ جمع تھے۔ کچھ قریبی گھروں کی خواتین بھی تھیں۔

ایک بوڑھی عورت جو شاید کفن پوش عورت کی ماں تھیں۔ وہ زور زور سے رو رہی تھیں۔ اس کے رونے کی وجہ سے وہاں کھڑی خواتین کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کون سی ماں ہوتی ہے جس کی آنکھوں میں آنسو نہیں ہوتے جب وہ اپنی جوان بیٹی کو کفن میں لپٹی دیکھتیں ہوں گی۔

ان کا ایک ایک آنسو ماہ پارہ کے دل کو چھو رہا تھا۔ وہ ان کے پاس جانا چاہتی تھی اور ان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ ان کی بیٹی کو کیا ہوا ہے لیکن وہ ان تمام سوالوں کے جواب پہلے سے جانتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ان کی بیٹی کو کیا بیماری ہے اور اس کا علاج کیوں نہیں ہو رہا تھا۔

"آپی یہ کتنا رو رہی ہیں، ان کو کوئی خاموش کیوں نہیں کر رہا؟"

"ماہ پارہ اس وقت ان کا رونا ہی بہتر ہے۔" اس نے گہری سانس لے کر توقف سے کہا۔ "ہم کس کو کیا تسلی دیں، ہماری کون سنے گا۔"

"لیکن آپی۔۔۔"

"شروع سے یہی ہوتا آیا ہے۔ میں اور تم کچھ نہیں بدل سکتے۔ چلو گھر کے اندر چلتے ہیں، ابا نے دیکھ لیا نا تو ہماری خیر نہیں۔"

"کیا میں صرف پانچ منٹ کے لیے ان کے پاس جاؤں؟" ماہ پارہ نے التجا کے انداز میں کہا تو مروا نے مسکرا کر جانے پر رضامندی ظاہر کی۔

ماہ پارہ دوڑ کر ان خاتون کے قریب گئی۔ اس کے سر پر دوپٹہ تھا۔ ایک ہاتھ سے دوپٹہ پکڑ کر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور دوسرا ہاتھ اس عورت کے کندھے پر رکھا۔ عورت نے اس کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ماہ پارہ کا ہاتھ تھاما اور پھر سے رونے لگی۔

"آنٹی روئیں نہیں، دیکھیں موت تو برحق ہے اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہو گا لیکن آپ کی طبیعت ضرور خراب ہو جائے گی۔ بس صبر کریں، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ہم تو آئے ہی اس دنیا میں واپس اللہ کی طرف لوٹنے کے لیے۔ مجھے معلوم ہے وہ آپ کے دل کی بہت قریب تھیں پر اس طرح رونے سے وہ واپس تو نہیں آجائیں گی۔ اس سے اچھا آپ ان کے لیے دعا

کریں۔آپ وہ کریں جو ان کے لیے کام آئے۔اس طرح رونے سے کسی کو فرق نہیں پڑے گا بس آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔آپ سمجھ رہی ہیں نہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں؟"

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

ماہ پارہ ایک ہی سانس میں سب باتیں کہہ گئی۔ وہاں کھڑی تمام عورتیں اس کی باتیں غور سے سن رہی تھیں اور وہ خاتون وہ رونا بھول گئی تھیں۔ وہ یہ دیکھ رہی تھیں کہ اتنی چھوٹی سی لڑکی اس سے وہ سب کہہ رہی تھی جو یہاں کھڑی خواتین نے زحمت بھی نہ کیا بلکہ خود بھی ان کے رونے میں ساتھ دے رہی تھیں۔ رونا تو چاہیے دل ہلکا ہو جاتا ہے لیکن رونے والوں کے ساتھ خود بھی رونے بیٹھ جانا انہیں مزید رونے دینا یہ غلط تھا۔

"وہ۔۔۔میری بیٹی۔۔۔ تھی۔" وہ خاتون اپنے آنسو کو روکنے کی کوشش کر رہی تھیں جس کی وجہ سے ان سے

بات بھی نہیں کی جا رہی تھیں۔

"آنٹی، مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔اس طرح خود کو مارنا، زور زور سے رونا، یہ سب اللہ کو پسند نہیں۔ ہم سب کو ایک نہ ایک دن اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ ہم اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے تو نہیں آئے۔ یہی تو ہمارا امتحان ہے۔اسی کو تو آزمائش کہتے ہیں۔اللہ ہم سے ہمارے قیمتی چیز یا قریبی شخص کو لے کر ہی تو ہمارا امتحان لیتا ہے۔اللہ دیکھتا ہے اس وقت ہم کیا کرتے ہیں۔اس وقت یا تو انسان اللہ کے فیصلے پر صبر کرتا ہے یا شکوہ۔ ہمیں اسی آزمائش سے تو گزرنا پڑتا ہے۔"

ماہ پارہ کی باتوں سے اس خاتون کو سکون مل رہا تھا۔انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔اس وقت انہیں شاید ماہ پارہ کی ضرورت تھیں۔انسان جب کسی کے اچھے الفاظ سنتا ہے تو خود بخود بہتر محسوس کرتا ہے۔

"اب آپ یہ بتائیں انہیں کیا ہوا تھا؟"ماہ پارہ نے بڑے تحمل سے پوچھا۔

"اس کے گردے خراب ہو گئے تھے، جلد از جلد ڈاکٹر نے علاج کرنے کا کہا تھا۔وہ ڈاکٹر وہ کہہ رہی تھی اس کا علاج شہر میں ہو سکتا ہے، یہاں کے ڈاکٹر اتنے قابل نہیں ہیں لیکن اس کا شوہر اس نے سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ پیسے نہیں ہے کہ وہ اس کا علاج شہر جا کر کروائے۔یہی ہوتا ہے تو ٹھیک ورنہ اگر مرتی ہے تو مر جائے۔"

وہ اب خاموشی سے رو رہی تھیں۔ان کی آنکھوں سے آنسو اب بھی جاری تھے۔کیا کسی کو آنسوؤں پر اختیار ہے؟کیا کبھی آنسوؤں کو بہنے سے روکا جاسکتا؟یہ تو خود بہنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔

"لیکن آنٹی یہاں ایک مرد ڈاکٹر ہے جو بہت قابل ہے اور شاید مریضوں کا مفت یا آدھے پیسوں میں علاج کرتا ہے۔"ماہ پارہ جیسے کو یاد آیا۔

"وہ مرد ہے مرد۔ ہمارے یہاں مرد ڈاکٹر کے پاس جانا منع ہے۔ ہمیں یہاں مرد ڈاکٹر کے پاس جانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں ایک شوہر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اپنی بیوی کا مرد ڈاکٹر سے علاج کرائے، اگر وہ اسے طلاق

دیتا تو میری بیٹی ایسے ہی مر جاتی۔"

وہ خاتون اپنے دکھ کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ اپنا دل ہلکا کرنا چاہتی تھیں۔ ایک عرصہ انہوں نے اپنی بیٹی کے ساتھ گزارا تھا۔ ابھی تو اس کی شادی کروائی تھیں۔ انہوں نے اس کی بیماری کے لیے رقم بھی جمع کرنا شروع کر دی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کا علاج ہر طرح سے کروانا چاہتی تھی لیکن شاید اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ماہ پارہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بوجھل دل کے ساتھ واپس اپنے گھر چلی آئی۔ اس نے اس وقت ایک فیصلہ کیا تھا۔ وہ یہ فیصلہ بہت پہلے کر چکی تھی لیکن اس کا خیال تھا کہ آج سے وہ اس فیصلے اور اس خواب کو پورا کرنے کے لیے کچھ بھی کرے گی۔ وہ یہ سب دیکھ دیکھ کر تھک گئی تھی۔ اس میں مزید ایسے حادثات دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

"ماہ پارہ تم نے پانچ منٹ کہا تھا اور تم پورے پندرہ منٹ بعد آ رہی ہو۔" مروا جھاڑو دے رہی تھی اسے آتے دیکھ کر رک گئی۔

"آپی وہ میں انہیں سمجھا رہی تھی کہ اس طرح نہ روئے۔میں نے ان سے اور بھی بہت کچھ کہا ہے۔انہیں بھی میرے ساتھ بات کر کے اچھا لگا۔ان کا دل بھی ہلکا ہو گیا لیکن پھر بھی ماں ہیں ناں۔"

"تم نے بھی ایسا بھی کیا کہا کہ وہ رونا بھول کر تمہاری بات سن رہی تھیں؟"مروا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اب میں اتنی بھی بچی نہیں ہوں کہ ایسے حالات کو سنبھال نہ سکوں۔"وہ جیسے برا مان گئی۔

مروا مسکرائی اور پھر ہنس پڑی۔اس نے نفی میں سر ہلایا اور اپنا کام پہ لگ گئی۔ماہ پارہ نے پھر سے موٹی کتاب اٹھائی اور ایک بار پھر اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

☆...☆...☆

آسمان پہ گہرا نیلا رنگ چڑھ چکا تھا۔گاؤں میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ہر طرف اندھیرا تھا۔ خادم علی اور نور

افزا گاؤں کی گلی سے گزر کر گھر لوٹ رہے تھے۔وہ یہ سوچنے لگے کہ آج گاؤں میں کچھ زیادہ ہی خاموشی چھائی ہوئی ہے۔

وہ دونوں گھر پہنچ گئے۔ دو تین بار دستک دینے کے بعد مروا نے دروازہ کھولا۔ مروا نے سلام کیا اور کچن کی طرف بھاگی اور دو گلاس نکال کر ان میں پانی ڈال کر ٹرے پر رکھا اور ان کے پاس گئی، انہیں پانی تھمایا۔ مروا کرامت کے لیے روٹی بنانے لگی، وہ دونوں کھانا کھا چکے تھے۔ ماہ پارہ کمرے سے نکل کر انہیں سلام دے کر کچن میں مروا کے پاس چلی گئی۔ وہ کچن میں کھڑی مروا سے باتیں کر رہی تھی۔

"آپ نے کیا سوچا اس بارے میں؟" نور افزا نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

"سوچنا کیا ہے، میں تو اسی وقت حامی بھرنے کو تیار تھا۔" خادم علی نے ماہ پارہ کی طرف دیکھا جو کچن میں ہنستے ہوئے باتیں کر رہی تھی۔

"پھر بھی ایک بار اگر ہم۔۔۔"

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" خادم علی نے نور افزا کی بات کاٹ کر غصے سے کہا۔ "اب یہ دن آ گیا ہے کہ ہم ان سے پوچھ کر ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں؟"

"وہ عمر میں بہت بڑا ہے اس لیے میں نے سوچا کہ بہتر نہ ہوتا اگر ہم اس سے پوچھ لیتے۔ بعد میں اگر اس نے کوئی پریشانی پیدا کر دی تو؟۔۔۔اور وہ کرامت بھی تو ہے، اس سے کیا کہیں گے؟" نور افزا ساری بات گھبرا کر رہی تھیں۔ نا جانے کب کس بات پر خادم علی غصہ کرتے ان کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

"اس کا بھی میں نے سوچ رکھا ہے، بس تم نکاح کی تیاریاں شروع کر دو۔" انہوں نے لاپرواہی سے کہا۔

☆...☆...☆

یہ حویلی کا منظر ہے۔رات کے اس وقت حویلی روشنیوں سے بھری ہوئی تھی۔ حویلی بہت روشن تھی۔لاؤنج کے بیچ میں چھت پر ایک خوبصورت بڑا فانوس تھا۔ حویلی پہلے ہی بہت خوبصورت تھی لیکن ان سفید اور زرد روشنیوں نے اسے مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔

اس وقت جہانگیر لاونج میں موجود صوفے پہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے خاصا شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بلیک جینز کے اوپر بلیک شرٹ میں ملبوس تھا۔ شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک چڑھائی ہوئی تھیں۔اس کے گھنے بھورے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس نے ایک ہاتھ میں کتاب پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے میں شاید اس کی نظر کا چشمہ تھا جسے اس نے ہونٹوں سے لگایا ہوا تھا۔ وہ بہت سنجیدگی سے کتاب پڑھ رہا تھا۔اس وقت کتاب اس کی سیاہ سنجیدہ آنکھوں کا مرکز تھی۔

اتنے میں دور سے ایک خوبصورت لڑکی اسے دیکھتے ہوئے مسکراتی ہوئی آرہی تھی۔

"ہائے جہانگیر۔" اس لڑکی نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

جہانگیر اسے دیکھ کر خاصا بدمزہ ہوا۔ وہ کتاب پڑھتے ہوئے کسی کو مخاطب نہیں کرتا تھا اور یہ بات سب کو معلوم تھی اور اس لڑکی کو بھی لیکن وہ اسے غصہ دلانے کے لیے جان بوجھ کر اسی وقت مخاطب کرتی تھی۔

"اسلام و علیکم زائیشا۔ تم یہاں اس وقت ؟" جہانگیر نے کتاب میز پر رکھ دی اور اپنا چشمہ کتاب کے اوپر رکھ دیا۔

"اوہ! اسکا مطلب ہے کہ تم باہر رہتے ہوئے بھی یہ نہیں بھولے کہ تم مسلمان ہو۔ میں نے سوچا کہ تم بھول گئے ہوں گے تب ہی میں نے تمہیں انگریزوں کی طرح مخاطب کیا۔"

زائیشا پہلے شرمندہ ہوئی، پھر اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے وہ جہانگیر کو شرمندہ کرنا چاہتی تھی۔

"تمہیں غلط لگا زائیشا۔" جہانگیر نے دانت پیس کر کہا۔ "میں وہاں اپنے مذہب، اپنے خاندان اور اپنے گاؤں والوں کو کبھی نہیں بھولا تھا۔" وہ جیب میں ہاتھ ڈالے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"وہی گاؤں والے نا جس نے۔۔۔" زائیشا اسے یاد دلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"وہ محض ایک غلط فہمی کے شکار ہوئے تھے، بعد میں وہ معاملہ بھی سلجھ گیا تھا زائیشا۔ تم شاید باتیں بھولنے لگی ہو۔" وہ اپنا غصہ بمشکل روک رہا تھا۔

زائیشااسے غصہ دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہی تھی۔وہ جانتی تھی کہ جہانگیر کو کونسی باتوں سے غصہ آتاہے اور وہ جان بوجھ کر وہی باتیں کرتی تھی۔

"جہانگیر میں تمہارے متعلق کچھ نہیں بھولتی۔خاص طور پر جو ہمارے بچپن میں طے ہوا تھا۔"

وہ جیسے ہی اس کے تھوڑاقریب آئی جہانگیر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔وہ مزید اپنے آپ کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔وہ تھک گیا تھا۔وہ کافی عرصے سے اکیلارہاتھا،اب وہ اکیلا نہیں رہنا چاہتا تھا۔

"جہانگیر یار تم۔۔۔۔"

"زائیشا کوئی ضروری بات ہو تو بتاؤ ورنہ میرے پاس ہزاروں ضروری کام ہیں۔"اس نے غصے کی وجہ سے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔

"میں تو بس تم سے ملنے آئی تھی۔"اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"مل لیا؟اب تم جاسکتی ہو۔اب میں وہ جہانگیر نہیں جو لوگوں پہ فضول میں وقت ضائع کرتا تھا۔ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔اس بار میں یہاں کچھ بڑا کرنے آیا ہوں،جس کے لیے مجھے بیکار لوگوں سے دور رہنا ہے۔"وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا۔اس نے وہ سب کہہ دیا جس سے پل بھر میں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔زائیشا نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔اس نے گہری سانس لے کر

خود کو پر سکون کیا اور اپنی بند مٹھیاں کھول کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ شاید اس وقت وہ امینہ سے ملنے جا رہی تھی۔

☆...☆...☆

رات کا تاریک آسمان اب ہلکے نیلے رنگ میں ڈھل رہا تھا۔ گاؤں والے اپنی فصلوں اور مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے نکل گئے تھے۔ آج کے دن خادم علی نے کام پر نا جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت وہ چارپائی پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ حسب معمول ماہ پارہ اب تک سو رہی تھی۔ آج خادم علی خوشگوار مزاج میں لگ رہے تھے۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" خادم علی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

کرامت نے فوراً سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "کیسا فیصلہ ؟"

"ماہ پارہ کے لیے ایک رشتہ آیا ہے جو کہ مجھے اور تیری ماں کو اچھا بھی لگا۔ میں نے سوچا کہ پہلے تم لوگوں کو بتاؤں پھر فیصلہ کروں، ویسے بھی حتمی فیصلہ میرا ہی ہو گا لیکن تم لوگوں کو بھی اس کا علم ہونا چاہیے۔"

"اور یہ رشتہ ضرور ہریرہ کی ماں کی طرف سے آیا ہو گا۔" کرامت نے غصے سے کہا۔

"غصہ کرنے کی ضرورت نہیں، لڑکا اچھا ہے اور میں اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی جانتا ہوں، پھر بھی ماہ پارہ سے پوچھ لیں گے۔ تو فکر نہ کر۔" خادم علی نے سب سوچ رکھا تھا انہیں کرامت کو کیسے راضی کرنا ہے اور پھر ماہ پارہ کو۔ وہ سب سوچ کر ہی کر رہے تھے۔

"ابا وہ چھوٹی ہے، اس کی عمر تو دیکھیں۔۔اور لڑکا؟ اس کی عمر کتنی ہے؟"

کرامت کو معلوم تھا کہ یہاں کتنی لڑکیوں کی شادی اس کی عمر سے بہت بڑے مردوں سے کی گئی ہے۔

"اس کی عمر بائیس یا تئیس سال ہو گی، اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر ماہ پارہ پڑھنا چاہتی ہے تو وہ پڑھ سکتی ہے۔ وہ اسے شہر بھی لے جا رہا ہے اور اسے اچھی زندگی بھی دے گا۔ اب اگر تم اتنے اچھے رشتے کو یہ کہہ کر منع کر دو کہ وہ ابھی چھوٹی ہے تو یہ غلط نہیں ہو گا۔" انہوں نے صریح جھوٹ کہا، یہ کرامت کو راضی کرنے کا طریقہ تھا۔

کرامت کچھ دیر خاموش رہا پھر کچھ سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ کو بہتر لگے۔ بس ایک بار ماہ پارہ سے ضرور پوچھیے گا۔" کرامت التجائی انداز میں کہہ کر

وہاں سے چلا گیا۔

"مروا جاؤ۔۔ جا کر ماہ پارہ کو جگا دو اور اس سے کہہ دینا کہ مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔"

نورافزا کے کہنے پر مروا فوراً ماہ پارہ کو جگانے چلی گئی۔

ماہ پارہ اٹھ تو گئی تھی لیکن اماں کو اس سے کیا ضروری بات کرنی ہے یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ عجلت میں منہ دھو کر بال باندھ کر ناشتہ کرنے بیٹھ گئی۔ اس نے ناشتہ کیا ہی تھا کہ نورافزا آ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"ماہ پارہ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" نورافزا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"اماں، آپ مجھ سے اجازت کیوں مانگ رہی ہیں؟" ماہ پارہ نے حیرت سے پوچھا۔

"تجھ سے اجازت تھوڑی مانگ رہی بس میں یہ کہہ رہی تھی کہ میں نے اور تمہارے ابا نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟" اس کی بھنویں سکیڑیں۔

"تمہاری شادی کا۔ دیکھو ماہ پارہ لڑکا بہت اچھا ہے۔ خود کماتا ہے، ایک کمائی بھی اپنی باپ کا نہیں کھاتا۔ وہ شہر کا لڑکا ہے اور اگر تم وہاں جا کر پڑھنا چاہتی ہو تو اسے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" وہ بہت احتیاط سے کہہ رہی تھیں۔

"لیکن اماں میں۔۔۔"

نورافزا نے اس کی بات نرمی سے کاٹ کر کہا۔"تم سوچ کر تو دیکھو، تم شہر جاکر پڑھو گی اور تمہارے سارے خواب پورے ہوں گے۔ تم بس سوچ کر تو دیکھو ایک بار۔"

"بھائی کیا کہتے ہیں؟ آپ نے ان سے بات کی؟"

"ہاں وہ مان گیا۔ تم بھی مان جاؤ۔ دیکھ شادی کی کوئی عمر نہیں ہوتی، تیری دادی نے تو اسی عمر میں بچوں کو جنم دیا تھا۔ لڑکیوں کی یہی عمر ہوتی ہے شادی کی۔" نورافزا آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ تھپتھپا رہی تھیں۔

"اس حساب سے تو پہلے آپی کی شادی ہونی چاہیے، وہ مجھ سے عمر میں بہت بڑی ہیں۔" ماہ پارہ کی بات پر نورافزا

نے ماتھا پیٹا اور خود بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"پاگل لڑکی رشتہ تو تیرے لیے آیا ہے ناں وہ بھی تیرے پسند کا۔"

"کہہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن۔۔۔ ٹھیک ہے اماں جیسے آپ کو اور ابا کو ٹھیک لگے۔" پہلے تو وہ منع کرنا چاہتی تھی لیکن وہ اپنے خواب کے سامنے اپنی خوشی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کا خواب پورا ہوگا یہی بڑی بات ہے۔

نور افزا نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا اور اسے دیکھ کر پیار سے مسکرا دی۔ ماہ پارہ بھی انہیں مسکراتے دیکھ کر مسکرائی۔ نور افزا وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد ماہ پارہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔ وہ خوش تو نہیں تھی اس رشتے سے لیکن اس نکاح سے جو پیشکش اسے مل رہی تھی وہ اس سے بہت خوش تھی۔ آخر کار وہ اپنے خواب کے بہت قریب پہنچ رہی تھی۔ بہت قریب۔۔۔

☆...☆...☆

نکاح سے ایک رات پہلے۔

کرامت آج حویلی جا رہا تھا۔ جہانگیر سے اس کی اچھی دوستی تھی۔ وہ جہانگیر کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا تھا۔ جہانگیر بھی اس کے بہت قریب تھا۔ اس نے آج تک کرامت کو اپنا ملازم نہیں سمجھا۔ وہ اسے ہمیشہ اپنے بھائیوں جیسا ہی سمجھتا تھا۔ آج کرامت اسے کسی بات پر قائل کرنے گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ جہانگیر اسے کبھی انکار نہیں کرے گا۔ وہ اس کی بات ضرور سنے گا۔

اس وقت کرامت حویلی کے باہر کھڑا تھا۔ گارڈز پہلے جہانگیر سے اجازت لینے گئے۔ جیسے ہی جہانگیر نے کرامت کے آنے کی خبر سنی تو اس نے فوراً کرامت کو اندر آنے کو کہا لیکن گارڈز نے اسے باہر آنے کو کہا کیونکہ کرامت نے پہلے ہی اندر آنے سے انکار کر دیا تھا۔ جہانگیر مسکرایا۔ وہ آج بھی خود کو ایک ملازم ہی سمجھ رہا تھا اور وہ جانتا بھی ہے کہ یہ بات اسے پسند نہیں پھر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا تھا۔

جہانگیر گیٹ پر آیا اور اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ مسکرا کر اس کے پاس گیا اور اسے گلے لگا لیا۔ اتنے سالوں میں اس نے بھی کرامت کو بہت یاد کیا تھا۔ رسمی حال احوال کے بعد گفتگو کا آغاز ہوا۔

"تمہیں میرے آنے کی خبر کب سے ملی اور تم آج مجھ سے ملنے آئے ہو؟" جہانگیر نے خفگی سے کہا۔

"چھوٹے سردار، مجھے کیا پتا تھا میں آپ کو یاد رہوں گا۔" کرامت کو شرمندگی ہوئی۔

"میں اپنے قریبی لوگوں کو کبھی نہیں بھولتا، کرامت۔ میں نے ہمیشہ تمہیں یاد رکھا جس طرح میں نے حسن اور سیف کو یاد رکھا۔"

جہانگیر نے اس کے کندھوں پر بازو پھیلایا اور اس کے ساتھ گلی میں ٹہلنے چلا گیا۔ وہ دونوں کافی دیر باتیں کرتے رہے اور دوبارہ حویلی کی راہ لی۔ کرامت کو لگا کہ اب وہ اپنی بات کہے جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔

"چھوٹے سردار مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"پہلی بات تو مجھ سے چھوٹے سردار کہہ کر مخاطب مت ہوا کرو اور دوسری بات مجھے آپ نہیں تم کہا کرو۔" اس نے سختی سے کرامت کو ٹوکا۔

"آپ تو مجھ سے بڑے ہیں عمر میں بھی اور۔۔۔"

"میں تمہارا دوست ہوں، دوستوں کو نام سے اور تم کہہ کر پکارا جاتا ہے۔اب تم کہو کہ تم کیا بات کرنا چاہتے ہو۔"

"کل میری بہن کا نکاح ہے اور مجھے ضروری کام سے شہر جانا ہے۔میرا وہاں جانا ضروری ہے ورنہ میں کبھی نہ جاتا۔کل بہت کام ہو گا اور ابا اکیلے نہیں کر سکیں گے۔آپ کے علاوہ میں کسی کو کہہ بھی نہیں سکتا۔" وہ ایک ہی

سانس میں کہہ کر رکا۔

جہانگیر اس کی بات غور سے سن رہا تھا۔جب اس نے کرامت کو آگے کہنے کا اشارہ کیا تو وہ دوبارہ اس سے بولنے لگا۔

"تو۔۔۔اگر آپ کل میری طرف سے۔۔۔چلے جاتے تو مجھے اچھا لگتا۔" اس نے گھبرا کر اپنی باقی بات مکمل کی۔

"میں ضرور جاؤں گا کرامت۔یہ بات تم مجھ سے بغیر گھبرائے بھی کر سکتے تھے،اس میں اتنی گھبرانے کی کیا بات تھی۔" وہ مسکرایا۔

کرامت نے اسے اپنے گھر کا پتہ بتایا۔جہانگیر کو اس رات کا وہ واقعہ یاد آیا لیکن کہا کچھ نہیں وہ عورت کی عزت کرنا جانتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان دونوں لڑکیوں نے گھر میں اس بارے

میں کچھ نہیں بتایا، اس لیے وہ خاموش رہا۔۔البتہ جہانگیر کو یہ ضرور لگا کہ نکاح مرواکا ہو گا تو وہ مان گیا۔اگر اسے معلوم ہوتا یہ نکاح ماہ پارہ کا ہے تو وہ صاف انکار کر دیتا۔الوداعی کلمات کہنے کے بعد کرامت شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆...☆...☆

نکاح کا دن

آج کے دن ماہ پارہ اداس سی تھی۔اس کی زندگی بدلنے والی تھی۔اسے اپنی ساری زندگی کسی اور کے نام کرنی تھی۔

وہ اس وقت سرخ دلہن کے لباس میں ملبوس تھی۔اس پر سرخ رنگ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

خوبصورت سرخ لباس کے ساتھ ساتھ اس نے ہاتھوں میں سرخ چوڑیاں پہن رکھی تھیں اور اس کے ہاتھ مہندی سے سجے ہوئے تھے جس کا رنگ بہت گہرا تھا۔

کبھی وہ مہندی سے ڈھکے اپنے خوبصورت ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اور کبھی ہاتھوں میں پہنی سرخ چوڑیوں سے کھیل رہی تھی۔وہ باقی دنوں کی نسبت آج بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔شاید یہ اس سرخ لباس کا کمال تھا۔

ہریرہ اس کو بہت اچھی طرح تیار کرنے میں مصروف تھی۔اس نے چپکے سے اپنے پرس سے سرخ لپ اسٹک نکالی اور تھوڑا نیچے جھک کر اسے ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگانے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم ؟"ماہ پارہ لب ہلائے بغیر پوچھ رہی تھی۔

"سرخ لباس کے ساتھ سرخ لپ اسٹک اچھی لگے گی۔"وہ لپ اسٹک لگا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"اور میرے چہرے پر سرخ تھپڑ کے نشان بھی سرخ لپ اسٹک کے ساتھ بہت اچھے لگیں گے۔"وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔مزے کرو۔"

"ہریرہ، بس کر اب، مجھے پہلے ہی بہت پریشانی ہو رہی ہے۔ایسا لگ رہا ہے کچھ غلط ہونے جا رہا ہے۔"اس کو یک دم پریشانی نے آن گھیرا۔

"یہ سب شادی سے پہلے ہوتا ہے اس لیے زیادہ فکر مت کرو، اور یہ ایک منٹ۔۔۔"ہریرہ نے اس کا چہرہ دوپٹے سے ڈھانپ لیا۔"ہاں، اب تم اصلی دلہن لگ رہی ہو۔"

اپنی بات پر خود تو ہنسی ساتھ میں ماہ پارہ بھی ہنس پڑی۔

نورافزا اور مروا ماہ پارہ کے ساتھ صحن میں آئیں۔آج یہ خالی صحن خوبصورت پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ان پھولوں کی خوشبو نے ماحول کو خوشگوار بنادیا تھا۔صحن میں بہت سی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور دو کرسیوں کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا تھا۔لڑکوں کی طرف ان کے لوگ بیٹھے تھے جبکہ لڑکیوں کی طرف گاؤں کے کچھ خاص لوگ موجود تھے۔

جہانگیر کو اپنا وعدہ یاد تھا تو وہ صبح سے ہی تمام تیاریوں میں مصروف تھا۔اس نے گھر میں کسی کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔اگر وہ بتاتا تو اس وقت وہ یہاں موجود نہ ہوتا۔وہ اس وقت خادم علی سے گفتگو میں مصروف تھا۔اس نے سفید قمیض شلوار پہنا ہوا تھا جس کی آستینیں حسب عادت کہنیوں تک چڑھائی ہوئی تھیں۔اس نے ہاتھ کی کنگھی سے اپنے گھنے بھورے بالوں کو پیچھے کیا جو اس کے ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

قاضی صاحب کے آنے سے پہلے نورافزا نے جوس کا گلاس ماہ پارہ کے حوالے کر دیا۔پہلے تو اس نے صاف منع کیا لیکن ان کے کہنے پر اس نے چند گھونٹ لیے۔

نکاح شروع ہو چکا تھا۔جہانگیر اور خادم علی دلہن کی طرف آئے۔جہانگیر کو پہلی مرتبہ اس سارے عرصے میں دولہے کو دیکھنے کا خیال آیا۔یہ خیال کیوں آیا یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔اس نے پردے کے اس پار نظر دوڑائی۔جہانگیر کو تھوڑا سا شک ہوا۔پردے کے اس پار کچھ صاف دکھائی تو نہیں دے رہا تھا لیکن جو کچھ اس نے دیکھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی کم عمر لڑکا

نہیں بلکہ تقریباً چالیس سال کا آدمی ہے۔ جہانگیر نے سرخ لباس میں بیٹھی ماہ پارہ کی طرف دیکھا، پھر اس کی نظریں ماہ پارہ سے ہٹ کر مرواپر جم گئیں، حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

اس نے ایک بار پھر سرخ لباس میں بیٹھی لڑکی کی طرف دیکھا۔ نور افزا نے ایک ہاتھ سے اسکا کندھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر پکڑ رکھا تھا۔

(یہ تو وہی دونوں ہیں جسے میں نے بچایا تھا لیکن جو سرخ لباس میں بیٹھی ہے اس کی عمر تو شاید بمشکل پندرہ سال کی ہو گی اور وہ آدمی جو اس پار بیٹھا ہے وہ تو۔۔۔ اوہ میرے خدایا، یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟)

قاضی ماہ پارہ سے دو بار پوچھ چکے تھے جس کا اس نے نیم بیہوشی کی حالت میں جواب دیا تھا۔ وہ تیسری بار پوچھنے ہی والے تھے کہ جہانگیر نے انہیں روکا۔

"یہ نکاح نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟" قاضی نے پوچھا۔

"یہ غلط ہے۔ یہ لڑکی ابھی اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی اور یہ آدمی۔۔۔" وہ پردے کے اس پار آیا اور اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"یہ دیکھنے میں ہی اس سے بیس پچیس سال بڑا لگ رہا ہے، آپ لوگوں کو سمجھ ہے بھی یا نہیں؟" وہ غصے سے پھٹ پڑا تھا۔ اس کا تنفس بھاری ہو رہا تھا۔

"سردار کا بیٹا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ تم یہاں آ کر ہمارے فیصلوں پر بات کرنے لگو۔" خادم علی نے غصے سے اسے کہا۔

"ان دونوں کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ انکل آپ غلط کر رہے ہیں۔" جہانگیر نے ان کی باتوں پر بغیر غور کیے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں گاؤں میں ایسی ہی شادیاں ہوتی ہیں۔ تم باہر ملک سے آئے ہو تبھی تمہیں عجیب لگ رہا ہو گا۔"

"ہاں بھئی ایسا ہی ہوتا ہے یہاں صدیوں سے یہی ہوتا آیا ہے۔"

"ارے بھئی میں نے دس پندرہ لڑکیوں کی شادیاں کروائی ہیں جن میں سے کچھ اس کی عمر کی بھی تھیں اور ان کو کوئی پریشانی بھی نہیں ہوئی، اللہ کے فضل سے ان کی شادیاں ابھی تک جاری ہیں۔" اس بار ہریرہ کی ماں نے کہا۔

بہت ساری ایسے ہی باتیں اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ کھلے منہ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

اس کا مطلب ہے کہ آٹھ سالوں میں کچھ نہیں بدلا؟ کسی نے بدلنے کی کوشش بھی نہیں کی؟ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس جنگ میں اکیلا پیس رہا تھا اور اب شاید دوبارہ اکیلا ہو گا۔

"قاضی صاحب اس لڑکی کو دیکھیں اسے ہوش نہیں، کیا یہ نکاح جائز ہو جائے گا؟ جب وہ ہوش میں نہیں تو اس کی رضامندی کا کوئی فائدہ نہیں، یہ نکاح درست نہیں۔" وہ کسی بھی قیمت پر اس شادی کو روکنا چاہتا تھا۔

"یہ بیہوش کیسے ہو گئی؟" قاضی صاحب نے ایک نظر بے ہوش ماہ پارہ پر ڈالی اور حیرت سے کہا۔

"ایسے کیسے بھئی، ہم نے ان کو پیسے دیے ہیں، اب یہ شادی ہر صورت ہو گی۔" اس آدمی نے اسے کندھے سے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"تو یہ سارا معاملہ پیسوں کا ہے۔" جہانگیر نے پہلے آرام سے کہا۔

"تو یہ سارا معاملہ پیسوں کا ہے؟" اس بار اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ایک ایک کو دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

"ہمارے پیسے واپس کر دو یا اس لڑکی سے میرا نکاح ہونے دو۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"نکاح ہو گا۔۔اس رقم سے تو میں نے اپنے سارے قرضے اتار دیے ہیں۔" خادم علی نے گھبرا کر کہا۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے مجھے۔۔۔"

"یہاں سے نکل جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہارا منہ توڑ دوں۔ یہاں سے نکل جاؤ۔اور تمہارے پیسے تمہیں مل جائیں گے۔" جہانگیر نے اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس کی رقم واپس کر دیں۔

"تم نے ان کو تو بھیج دیا،اب اس لڑکی سے کون شادی کرے گا؟ یہاں شادی کے دوران لڑکی کا رشتہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ رشتہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔" ہریرہ کی ماں نے غصے سے کہا۔

"تم نے بیچاری کی زندگی خراب کر دی۔" وہاں بیٹھی ایک عورت نے کہا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا سن رہا ہے۔ "کیا برباد کر دی زندگی؟ کیا آپ نے اس کی عمر دیکھی ہے؟ وہ محض پندرہ سال کی بچی ہے۔ یہ اس کی شادی کی عمر نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو لڑکیوں کی شادی کی اتنی جلدی کیوں

ہے؟ وہ اس رشتے کے حقوق بھی نہیں جانتی۔ آپ ایک معصوم بچی کی معصومیت چھین رہے تھے۔"

"یہ سب چیزیں باہر کے ملک کے لڑکے اور لڑکیاں سوچتے ہیں، ہمارے گاؤں کے کچھ اصول ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جو آپ کو پسند نہیں آئے، بہتر ہو گا کہ آپ سب یہاں سے چلی جائیں۔" اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں، غصہ اس کے اندر بھڑکتی آگ کی طرح جل رہا تھا۔

ایک ایک کر کے تمام خواتین وہاں سے چلی گئیں۔ جہانگیر کو اب یہ سارا معاملہ سلجھانا تھا جو بری طرح الجھ چکا تھا۔ اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔ وہ آج پھر جذباتی ہو گیا تھا اور شاید گاؤں والے پھر کوئی فیصلہ کریں گے اور اسے ایک بار پھر اپنے خاندان سے دور جانا پڑے گا۔

"دیکھیں اس نکاح کو روکنا میرا فرض تھا، کیونکہ یہ نکاح غلط تھا۔ ناجائز ٹھرایا جاتا۔ اب مجھے جانا ہو گا۔ کل تک کرامت آجائے گا، میں اس سے معذرت کر لوں گا اور میں آپ سب سے بھی معذرت چاہتا ہوں۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی اور شاید اس کے ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔

"ایسے کیسے صرف معذرت کر کے چلے جاؤ گے ؟ اب کون دے گا اسے اپنا بیٹا، ہاں بتاؤ؟" ہریرہ کی ماں جیسے آج چپ رہنے والی نہیں تھیں۔ "تمہیں اس سے ابھی اسی وقت نکاح کرنا ہو گا ورنہ ہمیں تمام گاؤں والوں کو اکٹھا کرنا پڑے گا، پھر کسی کی بدنامی ہو یا نہ ہو۔۔ ماہ پارہ کی ضرور ہو گی۔ تمہاری وجہ سے پورا گاؤں اس کے بارے میں بات کرے گا۔"

"کوئی زبردستی ہے جو مجھے اس سے نکاح کرنا پڑے گا؟ نہیں کروں گا میں کسی سے بھی نکاح۔"

اسے سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی۔اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔وہ کیسے کسی لڑکی سے شادی کر کے ایک معصوم کی زندگی برباد کر سکتا ہے؟ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتا تھا۔وہ پلٹا اور وہاں سے چلا گیا۔

☆...☆...☆

رات کے ڈھلتے ہی آسمان پر ستارے نمودار ہوئے،تاریک آسمان میں ہیروں کی طرح ٹمٹمار ہے تھے۔کل رات کا گیا ہوا کرامت واپس آ چکا تھا۔وہ کل کی بجائے آج آیا تھا۔رات دس بجے کے قریب وہ آیا جب سب سو رہے تھے۔اس نے پورے صحن کو دیکھا،اسے یہاں کچھ عجیب سا محسوس ہوا، لیکن کیا؟اس نے سر جھٹکا۔وہ سونے ہی والا تھا کہ اس نے مروا کو کچن کی طرف جاتے دیکھا۔

"تم جاگ رہی ہو؟"وہ اس کے قریب گیا۔

"بھائی آپ آ گئے۔بھائی آپ نے ان سردار کے بیٹے کو کیوں بلایا تھا۔انہوں نے سب خراب کر دیا سب خراب۔"

"کیا کیا ہے انہوں نے؟"

____

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

کرامت کے پوچھنے پر مروہ اسے سب کچھ بتانے لگی۔وہ شروع سے آخر تک سب کچھ بتا چکی تھی۔ کرامت کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اسے اپنی حماقت پر شدید غصہ آیا۔اسے اب سمجھ آیا کہ اسے نکاح سے ایک دن پہلے شہر کیوں بھیجا گیا تھا۔ایک وہی تو تھا ماہ پارہ کی فکر کرنے والا۔

"اور ابا نے کہا ہے وہ کل سے اس کے لیے کوئی ایسا ہی رشتہ ڈھونڈیں گے۔ بھائی، انہیں پیسوں سے محبت ہیں ہم سے نہیں۔" اس نے دکھ سے کہا تھا۔

"تم فکر مت کرو میں کچھ کرتا ہوں۔ جب تک میں نہ آؤں تم ماہ پارہ کے پاس رہنا اور اس سے بالکل دور مت جانا۔ جاؤ سو جاؤ میں آتا ہوں۔" وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔

کرامت اس وقت حویلی کے باہر کھڑا تھا۔ جہانگیر کے آدمیوں کا کہنا تھا کہ وہ اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتا لیکن کرامت نے بھی یہ ٹھان لیا تھا کہ وہ بھی یہاں سے نہیں جائے گا۔ گارڈ مجبوراً دوبارہ جہانگیر کو بلانے گیا۔ اب گارڈز جہانگیر کے ساتھ واپس آرہے تھے۔ جہانگیر سر جھکائے آرہا تھا۔ کل جس طرح وہ جوش و خروش سے

سر اونچا کیے کرامت سے مل رہا تھا آج اس کا سر شرمندگی سے جھکا ہوا تھا۔

"تم اتنی جلدی آگئے، تمہیں تو کل آنا تھا؟" جہانگیر نے اپنا لہجہ پر سکون رکھا۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نہیں جانتے، اب سارا گاؤں میری بہن کے بارے میں کیسے بات کرے گا کہ لڑکے نے اسے شادی کے دن چھوڑ دیا تھا؟" کرامت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حالانکہ جو ہونا تھا وہ صحیح تھا لیکن کرامت صرف یہ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔

"وہ لڑکا۔۔۔" جہانگیر کو جیسے اس کا لڑکا بولنے پر غصہ آیا اس نے آس پاس دیکھ کر خود کو پر سکون کیا۔ "وہ لڑکا نہیں تھا کرامت، وہ چالیس سال کا آدمی تھا۔ یہ پیسوں سے خریدا گیا رشتہ تھا۔ مجھے پتہ چلا ہے کرامت، وہ جھوٹی شادیوں کے ذریعے کم قیمت پر لڑکیاں خریدتے ہیں اور پھر آگے زیادہ پیسے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔" جہانگیر نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ اسے کسی بھی طرح اسے سمجھانا تھا۔

"اور اس سب میں میری بہن کا کیا ہو گا؟ اب اس سے کون شادی کرے گا؟" کرامت صرف ایک بات سے پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے کرامت۔ وہ ابھی چھوٹی ہے۔ سارے گاؤں والے اس بات کو بھول جائیں گے۔ تم بھی بھول جاؤ اس بات کو۔"

"کیسے بھول جاؤں؟ ابا اسے ایسے نہیں چھوڑیں گے آپ نہیں سمجھ رہے ہیں۔" جہانگیر کے ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹاتے ہوئے اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں ان سب میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں نے سوچا جو غلط۔۔۔"

"آپ میری بہن سے نکاح کر سکتے ہیں۔" کرامت نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ کو معلوم ہیں نا، میں آپ کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ نے اس سے نکاح نہیں کیا تو

ابا پھر سے اس کی شادی کسی ایسے ہی شخص سے کروادیں گے، تب کون بچائے گا اسے؟" وہ رو رہا تھا اسے معلوم تھا کہ اس کا باپ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

"وہ بچی ہے کرامت۔" جہانگیر نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں بھی تو وہی کہہ رہا ہوں، وہ بچی ہے۔ مجھے اس وقت صرف آپ پر پورا بھروسہ ہے۔ خدا کے لیے اسے بچالیں۔" وہ جہانگیر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس کے قدموں میں گر گیا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے کرامت، یہ سب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چلو اٹھو، تمہاری بہن کو کچھ نہیں ہوگا میں کچھ کرتا ہوں۔" جہانگیر نے اسے کندھے سے پکڑ کر کھڑا کیا۔

"یاد رکھیے گا، مجھے صرف آپ پر بھروسہ ہے۔" جیسے اس نے جہانگیر کو یاد دلایا۔

اس کی بات پر جہانگیر پھیکا مسکرایا۔ کسی کے ساتھ غلط نہ ہو جائے یہ سوچ کر ہمیشہ اس کے ساتھ غلط ہو جاتا تھا۔ اس نے ایک لمبی آہ بھری۔ وہ بے خبر تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ مستقبل میں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اگر اسے معلوم ہوتا تو شاید وہ اس رشتے پر کبھی راضی نہ ہوتا۔ وہ ایک مضبوط آدمی تھا لیکن ایسے حالات میں وہ کمزور پڑ جاتا تھا۔

☆...☆...☆

صبح سب کے جاگنے سے پہلے ماہ پارہ جاگ گئی تھی۔ماہ پارہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔اس نے اپنا سر زور سے دبایا۔اس کا سر درد کر رہا تھا اور آنکھیں بوجھل محسوس ہو رہی تھیں۔وہ اٹھ کر دیوار کا سہارا لے کر باہر نکل رہی تھی۔اس وقت اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا،اسے ابھی تک یاد نہیں تھا کہ کل اس کا نکاح تھا۔جب وہ لڑکھڑا گئی تو کرامت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چارپائی پر بٹھا دیا۔

"تم ٹھیک ہو؟اتنی جلدی کیسے جاگ گئی؟"کرامت نے فکرمندی سے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا،میرے سر میں بہت درد ہے۔"وہ ابھی تک سر پکڑے بیٹھی تھی۔

کرامت اس کا سر دبانے لگا،ماہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا،کرامت مسکرایا لیکن وہ نہیں مسکرا سکی۔ارد گرد دیکھ کر اس کا ذہن بیدار ہوا۔

"یہاں۔۔۔کل۔۔۔کل تو میرا نکاح ہونے والا تھا تو یہ۔۔۔"کرامت خاموش رہا۔

"کل کیا ہوا؟کیا میں نے کچھ کیا؟یا لڑکے والوں نے انکار کر دیا؟"اس کے ذہن میں کئی سوال ابھر رہے تھے۔

"تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے نا؟جیسا میں کہوں ویسا کرو،تھوڑی دیر میں تمہارا نکاح ہو گا اور اس نکاح میں صرف میں تمہارے ساتھ ہوں گا اور اس بار کچھ غلط نہیں ہو گا۔"وہ اسے تسلی دے رہا تھا لیکن ماہ پارہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"لیکن یہاں کل کیا ہوا بھائی، گاؤں میں میری بدنامی تو۔۔۔"

"کل تو کچھ نہیں ہوا تھا، پر آنے والے کل میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

کرامت کی آنکھیں سرخ تھیں، وہ رات بھر سویا نہیں تھا۔ آج کی صبح جو ہوتا شاید وہ برداشت نہ کر پاتا۔ خادم علی کو پیسوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا، انہیں پیسے سے پیار تھا۔۔ اور وہ جان گئے تھے پیسے کمانے کا ذریعہ، اب تو وہ پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔

کرامت اسے ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے باہر لے جا رہا تھا اور وہ خاموشی سے جا رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ذہن میں کئی سوال ابھر رہے تھے۔

کرامت اسے جہانگیر کی بتائی ہوئی جگہ پر لے آیا۔ حویلی سے تھوڑے فاصلے پر ایک سنسان سڑک پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا مکان کھڑا تھا۔ یہاں کسی کا آنا جانا نہیں تھا۔ حویلی اور یہ گھر گاؤں کے آخری سرے پر تھے جہاں سے شہر کی سڑک گزرتی تھی۔ اسے گھر بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا جہاں دو تین گول میزیں رکھی گئی تھیں اور میزوں کے گرد کرسیاں تھیں۔

کرامت اب باہر کھڑا جہانگیر کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے خیال میں کسی قسم کا شک نہیں آیا۔ اسے یقین تھا جہانگیر آئے گا۔ اس نے وعدہ کیا تھا وہ ضرور آئے گا۔ جہانگیر وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسے وہاں ابھی پانچ منٹ ہی ہوئے تھے انتظار کرتے ہوئے کہ دور سے جہانگیر قاضی اور دو گواہوں کے ساتھ جیپ میں آ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"تمہیں لگا کہ میں نہیں آؤں گا؟" جہانگیر نے اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

"ایسا ہو سکتا ہے کہ مجھے آپ پر شک ہو؟"

جہانگیر نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ دونوں گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے۔ماہ پارہ نے کرامت اور پھر جہانگیر کی طرف دیکھا۔اس کی گردن انکار میں ہل رہی تھی۔وہ اٹھی اور کرامت کو کہنی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"بھائی میں کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتی مجھے یہاں سے لے کر جائیں۔مجھے یہاں سے لے چلیں۔سب کو اتنی جلدی کیوں ہے میری شادی کی؟"

"جہانگیر اچھا لڑکا ہے ماہ پارہ۔وہ تمہیں خوش رکھے گا اور تمہاری خواہشات بھی پوری کرے گا۔تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔"

ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"وہ مجھ سے بڑے ہیں بھائی اور وہ سردار۔۔۔"

"شش۔۔۔ایک لفظ بھی نہیں۔"اس نے ماہ پارہ کے آنسو پونچھے۔وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ جس سے وہ نکاح کرنے جا رہی تھی وہ تو جہانگیر سے بھی بڑا تھا۔

قاضی صاحب نے کچھ دعاؤں کے بعد ماہ پارہ سے اس کی رضامندی مانگی تھی۔ جہانگیر کی گھبراہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ وہ سپاٹ سے انداز میں کسی بھی جذبات سے عاری بہت سنجیدہ سا بیٹھا تھا۔ وہ یہ سوچ کر ہلکان ہورہا تھا کہ وہ اپنے گھر میں لوگوں کو ان سب کو کیا کہے گا کہ اس نے ایک کم عمر لڑکی سے شادی کرلی ہے۔ وہی جہانگیر جو ان سب کے خلاف تھا، آج وہ خود وہی کام کرنے جارہا تھا۔

دونوں طرف سے نکاح کی رضامندی لی گئی۔ اب ان سے کاغذ پہ سائن لیے جارہے تھے۔ دستخط کرتے وقت ان دونوں کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جہانگیر نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ ان حالات میں نکاح کرے گا اور ماہ پارہ بس ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

نکاح کی رسم ختم ہوچکی تھی۔ جہانگیر کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ خالی نظروں سے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔

"ماہ پارہ آپ کے ساتھ جائے گی۔ وہ بھی ابھی۔"

کرامت نے جیسے یکے بعد دیگرے دھماکے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جہانگیر نے ایک نظر گھبرائی ہوئی ماہ پارہ کی طرف دیکھا اور فوراً اس سے ہٹ کر کرامت کی طرف التجا بھری نظروں سے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو "بس کرے اب اور کس بات کی اسے سزا مل رہی ہے۔"

کرامت اس کے قریب گیا۔ "میں اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔" وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"صبح سویرے میں کیسے۔۔۔سب کو کیسے۔۔۔کیسے سمجھاؤں گا۔کرامت دیکھو سمجھنے کی کوشش کرو میرے لیے بہت مشکل ہو گی۔"جہانگیر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میری خاطر آخری بار بس،اس کے بعد جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہو گا۔"کرامت نے التجا کے انداز میں کہا۔

جہانگیر نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔وہ آخر اس کی بات کیوں سن رہا تھا؟وہ انکار کر سکتا تھا۔

اس کی شادی میں شرکت نہ کرنے سے۔

اس کی شادی میں مداخلت نہ کرنے سے۔

یا اس شادی پر راضی نہ ہو کر؟

لیکن وہ یہ سب کر رہا تھا کیونکہ یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے کرامت۔اس کے علاوہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا۔"اس بار جہانگیر کا لہجہ سخت تھا۔

☆...☆...☆

جہانگیر ماہ پارہ کو لے کر حویلی جانے کے لیے نکل گیا۔

جیپ وہ خود چلا رہا تھا۔ماہ پارہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر باہر کی طرف منہ کر کے بیٹھی تھی۔وہ گاؤں کے حسین مناظر کو دیکھ رہی تھی،شاید اس نے پہلے گاؤں کی خوبصورتی کو اتنے غور سے

نہیں دیکھا تھا۔دوسرے دنوں کے نسبت آج ہوا بہت اچھی چل رہی تھی۔ماہ پارہ پارہ نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔وہ ان ہواؤں کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔ان چند دنوں نے اس کی زندگی بدل دی تھی۔حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد جہانگیر نے جیپ روکی۔

"ہم حویلی پہنچ گئے۔"جہانگیر نے اس کی بند آنکھیں دیکھ کر کہا۔ماہ پارہ کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ وہ شاید سو گئی تھی۔

"ماہ پارہ ہم حویلی پہنچ گئے ہیں۔"اس بار اس کی آواز بلند تھی۔

ماہ پارہ اٹھ کر سیدھی ہوئی۔اس کی نظر حویلی پر پڑیں لیکن اس بار اسے یہ حویلی خوبصورت نہیں لگی تھی۔وہ اس حویلی میں جانے سے اتنی ڈر رہی تھی کہ وہ پیلی پڑ گئی تھی اور ہاتھوں میں واضح لرزش تھی۔

"فکر مت کرو۔اس وقت صرف میرے دادا جان جاگ رہے ہوں گے اور وہ بالکل بھی غصہ نہیں ہوں گے۔وہ

بہت اچھے ہیں۔وہ اس صورتحال کو ضرور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"وہ ماہ پارہ سے زیادہ خود کو سمجھا رہا تھا۔

وہ جیپ سے نیچے اتری تو جہانگیر بھی نیچے اتر گیا۔ دونوں ایک ساتھ گھر کے اندر جا رہے تھے۔ جہانگیر جانتا تھا کہ اس حویلی میں صرف ایک شخص صبح کے وقت بیدار ہو گا اور وہ شخص اس کی بات ضرور سنے گا۔

حسب توقع امان اللہ اس وقت بڑے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں تسبیح تھی اور دوسرا صوفے کی پشت پر پھیلائے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

"السلام علیکم دادا جان۔" جہانگیر نے انہیں مخاطب کیا۔

"وعلیکم السلام، میرے شیر۔" آنکھیں کھولے بغیر سلام کا جواب دیا۔ ان کی مسکراہٹ میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"دادا جان میں نے۔۔۔ وہ میں نکاح۔۔۔"

اس کی بات ادھوری ہی تھی کہ امان اللہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ انہوں نے نظریں پھیر کر جہانگیر کو دیکھا اور پھر کچھ فاصلے پر کھڑی ماہ پارہ کو دیکھا۔ ماہ پارہ گھبرا کر جہانگیر کے پیچھے چھپ گئی۔ امان اللہ سنجیدگی سے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا کہا تم نے؟ پھر سے کہنا کیا کیا ہے تم نے؟" انہوں نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"نکاح کیا ہے میں نے اس سے دادا جان۔ میری بات سنیے گا پہلے۔" جہانگیر نے گھبراتے ہوئے کہا اور ان کے قریب قدموں میں جا کر بیٹھا۔

"کیا کہا پھر سے کہنا تم نے کیا کیا ہے؟" داؤد علوی نے گیٹ پر کھڑے ہو کر سرخ چہرے کے ساتھ پوچھا۔ آج وہ ساری ناراضگی چھوڑ کر پیار و محبت سے ملنے آئے تھے لیکن شاید ان باپ بیٹے کے درمیان کچھ ٹھیک نہیں ہو سکتا تھا۔

جہانگیر نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کی سانس حلق میں اٹک گئی۔ ماہ پارہ

اپنی قدم پیچھے لے رہی تھی۔ جہانگیر کھڑا ہوا اور بمشکل پیچھے مڑا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا وہ ان سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ وہ ان سب میں یہ بھول گیا تھا کہ ماہ پارہ اس کے ساتھ آئی ہے اور وہ اس وقت کتنی گھبرائی ہوئی ہو گی۔

"یہ کیسا شور ہے؟" امینہ سیڑھیاں اترتی ہوئی بولیں۔

"داؤد آپ آ گئے؟ جہانگیر سے ملے؟" امینہ کی نظر ماہ پارہ پر نہیں پڑی تھی۔

"جہانگیر؟ جہانگیر کے بیوی سے بھی مل چکا ہوں۔" نظریں جہانگیر پر مرکوز کیے انہوں نے امینہ کو جواب دیا۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جہانگیر کی بیوی کہاں سے آگئی؟"امینہ سمجھی نہیں۔

"ماں سامیں نے۔۔۔نکاح کیا ہے اس لڑکی سے آج ہی۔"جہانگیر کسی کی طرف دیکھے بغیر بول رہا تھا۔وہ باتوں کو گھما پھرا کر کرنے کا عادی نہیں تھا۔وہ صاف بات کرتا تھا۔

امینہ نے ماہ پارہ کی طرف دیکھا اور پھر جہانگیر کو دیکھا۔وہ سمجھ گئی کہ اس نے کس سے شادی کی ہے۔وہ بجلی کی رفتار سے اس کے پاس پہنچی اور اسے زور سے تھپڑ مارا۔ماہ پارہ نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا۔اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم میرے بیٹے سے نکاح کرنے کی۔کہاں تم جیسی معمولی لڑکی اور کہاں میرا شہزادہ بیٹا۔"وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے چلا چلا کر کہہ رہی تھیں۔

جہانگیر فوراً ماہ پارہ کے پاس گیا اسے پکڑ کر اپنے پیچھے چھپایا۔داؤد علوی جیب میں ہاتھ ڈالے آرام سے کھڑے تھے۔وہ طنزیہ انداز میں یوں ہنسے جیسے چند سال پہلے اسے یہاں سے بھیج کر کچھ بھی نہیں ہوا۔اسے ابھی تک گاؤں والوں کی سوچ بدلنے کا بھوت سوار تھا اور شاید اس بار بدلنے کے چکر میں وہ خود ہی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

"ماں سا، یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ یہ میری بیوی ہے اس کی عزت کرنا آپ سب کا فرض ہے۔اس کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا ہوا ہے اس کے ساتھ عزت سے پیش آنے کی یہی وجہ کافی نہیں ہے کیا؟"وہ ہوش میں نہیں تھا اس لیے اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے امینہ ،اب جو ہوا وہ ہو گیا۔اس کے پیچھے کوئی وجہ ضرور ہو گی،ورنہ وہ ہم سے پوچھے بغیر یہ قدم نہیں اٹھا سکتا۔"امان اللہ ہمیشہ کی طرح آج بھی جہانگیر کا ساتھ دے رہے تھے۔

"بابا بس کریں،آپ ہمیشہ یہی کرتے ہیں،اسی لیے وہ ایسے قدم اٹھاتا ہے۔اسے معلوم ہے کہ کوئی ہے جو اس کا ساتھ دے گا۔"وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہہ رہے تھے۔اسے یہ پسند نہیں تھا کہ امان اللہ ہمیشہ اس کا ساتھ دیں۔

"میں جانتی ہوں اسی نے جہانگیر کو بہکایا ہو گا۔اسی دن سے اس کے دل میں حویلی کی مالکن بننے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔"امینہ کی آنکھوں میں سرخی،بیزاری اور سختی دکھائی دے رہی تھی۔وہ سخت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"بس کریں ماں سا،ان سب میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔"وہ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اس نے ماہ پارہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لے گیا۔جہانگیر کی اس حرکت پر امینہ ساکت کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔وہ بیٹا جس نے کبھی سر اٹھا کر ماں سے بات کرنے کے لیے آواز نہیں اٹھائی آج اس لڑکی کے لیے ان سے اس لہجے میں بات کی۔

داؤدعلوی اپنے باپ کے پاس جا کر کھڑے ہوئے۔"میں نے کہا تھا ناں یہ سدھرنے والا نہیں ہے، کہا تھا اسے واپس نہ بلائے وہاں بیٹھ کر کچھ بن جاتا۔اب یہاں بیٹھ کر بیوی کے اشاروں پر چلنے والا ایک زن مرید بن کر رہ جائے گا۔"وہ بلند آواز میں کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔امینہ بھی ان کے پیچھے وہاں سے چلی گئیں۔

"مجھے نہیں لگتا کہ اس نے کچھ غلط کیا ہے۔"امان اللہ نے خود سے کہا اور پھر مسکرا دیے۔

جہانگیر نے اسے کمرے میں لے جانے کے بعد اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"میں نے اس حویلی میں آنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جیسا وہ کہہ رہی تھیں۔"ماہ پارہ کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا پڑ گیا۔

"اس وقت میں کچھ سننا نہیں چاہتا خدا کے لیے چپ رہنا اور میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" جہانگیر دبا دبا سا چلایا۔

وہ کمرے کے ملحقہ اسٹڈی روم کی طرف بڑھا اور زور سے دروازہ بند کر دیا۔ماہ پارہ نے اپنے آنسو پونچھے اور بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی،اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆...☆...☆

"ماہ پارہ کہاں ہے؟"خادم علی کرامت کا کالر پکڑ کر غصے سے پوچھ رہے تھے۔

"اپنے شوہر کے گھر۔" اس نے بے خوف ہو کر کہا۔

"اور اس کے شوہر کا گھر کہاں ہے؟" انہوں نے کرامت کا کالر کو چھوڑا۔

"حویلی میں ہے۔ میں نے اس کا نکاح جہانگیر سے کروایا ہے۔ میں نے آپ کے منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔" وہ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا مگر کرامت بالکل پر سکون تھا جیسے کچھ فرق ہی نہ پڑ رہا ہو۔

"یہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ حویلی والے اسے بالکل قبول نہیں کریں گے۔ دیکھنا وہ اگلے دن اسی گھر میں واپس آئے گی۔"

"ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں۔ جس طرح آپ لوگ نے مجھے دھوکا دیا اسی طرح اگر میں نے بھی دے دیا تو کونسی بڑی بات ہو گئی۔" وہ اپنے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

انہوں نے ایک سخت نظر سے اسے دیکھا۔ "تم ابھی میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" خادم علی نے اسے باہر کی طرف اشارہ کیا۔

وہ جا چکا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی ندامت یا اداسی نہیں تھی۔ وہ اپنے باپ کا ردعمل جانتا تھا، آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ان کا غصہ، پیسوں سے ان کی محبت پہلے جیسی ہی تھی۔

☆...☆...☆

صبح کے سورج کا اب نام و نشان نہ تھا۔اسٹڈی روم کا دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ایک دراز، دو دراز،اور پھر یکے بعد دیگر دراز کھولنے کی آواز آئی، لیکن ماہ پارہ ابھی تک سو رہی تھی۔ جہانگیر نے الماری کھولی، کپڑے نکالے،الماری کا دروازہ بند کر کے واش روم چلا گیا۔

وہ نہا کر باہر آیا۔وہ اس وقت ٹراؤزر اور آدھی آستینوں والے شرٹ میں ملبوس تھا۔اس نے میز سے پرفیوم کی بوتل اٹھائی اور خود پر اسپرے کیا اور بوتل واپس رکھ کر ماہ پارہ کی طرف مڑا جو سکون سے سو رہی تھی۔اس کے ذہن میں خیال آیا کہ ماہ پارہ تو صبح سے بھوکی ہو گی۔اسے اپنا خیال نہیں آیا تھا۔وہ فوراً کمرے سے نکلا اور سیڑھیاں عبور کر کے کچن کی طرف گیا۔ حسن اور سیف نے اسے جاتے دیکھا۔دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر کچن کی طرف بڑھ گئے۔

"بھائی میں نے سنا ہے کہ ہمارے گھر بھابھی آئی ہیں۔" سیف نے شرارت سے کہا۔

جہانگیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ کھانا گرم کرنے میں مصروف تھا تب اسے یاد آیا کہ اسے پہلے ماہ پارہ کو جگانا چاہیے تھا۔

"کیا تم دونوں میرے کمرے میں جا کر اسے جگا سکتے ہو؟" جہانگیر نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ضرور بھائی ہمیں بھی اپنی بھابھی کو دیکھنے کا حق ہے۔کیوں سیف؟" حسن نے شرارت سے کہا تو جہانگیر نے اسے گھور کر دیکھا تو دونوں کی چلتی زبان کو بریک لگی۔

وہ دونوں اس وقت کمرے میں موجود تھے۔ حسن اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا اور سیف حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اور منہ دونوں کھلے ہوئے تھے۔ وہ بڑی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سیف تم ایسے کیا دیکھ رہے ہو اسے جگاؤ، دیکھو کتنی گہری نیند سو رہی ہے۔"

"بھائی یہ ماہ پارہ ہے۔ وہ اس دن کسی کام سے ہمارے گھر آئی تھی۔ بھائی نے اس سے شادی کی ہے؟" سیف الجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ہے تو عمر میں چھوٹی، تمہاری جتنی ہو گی۔ بھائی بہتر جانتے ہیں، انہوں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہو گا۔ لیکن یہ ہماری بھابھی ہے اور ہمیں اس کی عزت کرنی ہے۔" وہ دوبارہ اس کا نام پکار کر اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سیف کی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ وہ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل کی طرف آیا اور وہاں سے پانی کا جگ اٹھا کر واپس اپنی جگہ آیا اور جلدی سے سارا پانی ماہ پارہ پر پھینکا۔ ماہ پارہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ سیف ہنسا اور وہ ہنستا گیا۔ اس کی ہنسنے پر ماہ پارہ نے اسے آنکھیں دیکھائیں۔

"سیف ابھی میں نے تمہیں سمجھایا یہ ہماری بھابھی ہے جیسے بھائی کی عزت کرتے ہو ویسے اس کی کرو۔" حسن نے اس کے سر تھپڑ پر مارا۔

وہ اب ماہ پارہ سے مخاطب ہوا۔ "بھائی تمہیں نیچے بلا رہے ہیں شاید کھانے کے لیے۔ صبح سے آئی ہو بھوک لگی ہو گی۔"

سیف نے غصے سے منہ پھیر لیا۔ماہ پارہ نے حسن کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

وہ بیڈ سے نیچے اتر کر پاؤں میں سلیپر پہن کر ان کے ساتھ باہر چلی گئی۔ان تینوں کو کچن میں دیکھ کر جہانگیر نے ایک گہری سانس لی اور خود کو پر سکون کیا۔

"حسن کیا میں نے ماہ پارہ کو نیچے لانے کو کہا تھا؟"

"بھائی آپ نے اسے کھانے کے لیے جگانے کا کہا تھا ناں؟"

"ہاں میرے بھائی لیکن نیچے آنے کا نہیں کہا تھا۔ابھی سب کے کھانے کا وقت ہے اس کو دیکھ کر پھر سے مجھ پر بھڑک جائیں گے۔" وہ حسن سے دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا۔

"آپ بھابھی کو لے کر باہر کیوں نہیں جاتے۔وہ جن حالات میں آئی تھی یقیناً ان کے پاس پہننے کو بھی کچھ نہیں ہو گا۔اس طرح آپ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع بھی ۔۔۔ملے گا۔" اس کی تیز رفتار زبان کو جہانگیر کی گھوری نے بریک لگا دی تھی۔

"میرا مطلب تھا کہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔" اس نے فوراً اپنی بات کی تصحیح کی۔

"بات تو ٹھیک کر رہے ہو لیکن کھانا۔۔۔"

"وہ ہم ہیں ناں بھائی آپ فکر کیوں کرتے ہیں؟"

"آؤ ماہ پارہ ہم باہر جارہے ہیں۔" وہ ماہ پارہ کو کہہ کر نکل گیا۔

ماہ پارہ نے چونک کر حسن کی طرف دیکھا۔ حسن نے اسے جانے کا اشارہ کیا وہ کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر آہستہ سے باہر نکل گئی۔ اسے بہت بھوک لگی تھی اور جہانگیر کے ساتھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

راستہ خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ جہانگیر کی نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ ماہ پارہ آج پہلی بار گاؤں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ یہاں کی ہوا کو محسوس کررہی تھی۔ وہ بغیر کسی خوف کے گلیوں میں گھوم رہی تھی۔ جہانگیر نے بس ایک نظر ماہ پارہ کی طرف دیکھا اور اسی وقت ماہ پارہ ہلکا سا مسکرا دی، وہ جہانگیر کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی ورنہ وہ نہ مسکراتی۔ وہ شہر پہنچ چکے تھے۔ جہانگیر نے جیپ روک دی۔ جیپ کے رکنے پر ماہ پارہ کی مسکراہٹ بھی رک گئی۔

"کیا کھانا پسند کرو گی؟" اس نے گردن اس کی طرف موڑ دی۔

"کچھ بھی۔" اس نے شانے اچکائے۔

جہانگیر نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ دونوں جیپ میں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔جہانگیر نے کئی بار اس سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن پوچھ نہ سکا۔ماہ پارہ نے محسوس کیا تھا کہ جہانگیر اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے؟"وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"ہوں؟نہیں۔۔۔ہاں۔۔۔میرا مطلب کچھ پوچھنا تھا۔"اسے نہیں لگتا تھا کہ ماہ پارہ اس سے براہ راست پوچھے گی کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

"تم اُس نکاح پر کیسے راضی ہو گئی تھی؟"

"شہر جانے کے لیے۔"وہ اب اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"کیا مطلب؟"جہانگیر نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"مطلب صاف ہے،مجھے پڑھنے کا شوق ہے اور گاؤں میں لڑکیوں کا کوئی اسکول نہیں ہے اور وہ لڑکا(اس کا اس آدمی کو لڑکا کہنے پر جہانگیر آنکھیں بند کر کے کھولیں)مجھے شہر لے جاتا،میں ڈاکٹر بن جاتی اور۔۔۔"وہ یہ سوچ کر رک گئی کہ شاید اس نے بہت زیادہ بول دیا ہے۔

"اور؟میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں ماہ پارہ۔"

"اور میں ایک قابل ڈاکٹر بن کر گاؤں کی عورتوں کا مفت میں علاج کرتی۔ میں انہیں اس طرح مرنے نہ دیتی۔ لیکن اب شاید میرے خواب ادھورے ہی رہ جائیں گے۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"میری ایک خواہش اور ہے۔" وہ اس کی طرف مڑی۔

"اور وہ کیا ہے؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"میں گاؤں میں ایک اسکول بنانا چاہتی ہوں۔۔ جس میں میری طرح جتنی بھی لڑکیاں پڑھنا چاہتی ہیں وہ آکر مفت میں تعلیم حاصل کر سکیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر لڑکی پڑھ لکھ کر کچھ نا کچھ بنے، نہیں تو کم از کم پڑھی لکھی تو کہلائی جائیں گی۔"

"تم دوسروں کی فکر نہ کرو۔ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ ان کو پڑھا کر کیا کرنا ہے، وہ بھی مفت میں۔" جہانگیر نے جان بوجھ کر اس سے یہ سوال کیا۔

"ایسا نہیں ہے۔ میں اتنی خود غرض نہیں ہوں کہ میں صرف اپنے بارے میں سوچوں۔" وہ جیسے برا مان گئی تھی۔ "اور رہی بات مفت کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یقین ہے پیسوں میں تو کوئی اپنی بیٹی نہیں بھیجنے والا اور میں نہیں چاہتی کہ وہ کم عمری میں شادی جیسی جھنجھٹ میں پھنس جائیں۔"

جہانگیر کو نہ صرف اس کی آنکھیں بہت خوبصورت لگیں بلکہ اس کے باتیں بھی خوبصورت لگی تھی۔ وہ اس کی باتیں سن کر حیران ہوا۔ وہ اسے ابھی تک بچی سمجھ رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی خوبصورت تھی کہ اس سے نکلا ہر لفظ اسے اپنے سحر میں جکڑ لیتا تھا۔ ان دونوں کی سوچ ایک حد تک ملتی جلتی تھی۔ وہ خوش ہوا۔ دل سے خوش ہوا۔ اسے لگا یہ نکاح کر کے اس نے غلط نہیں کیا، یا حسن کا ان کو ساتھ بھیجنا درست تھا۔

وہ مسکرایا۔ "تمہارے سارے خواب میری ذمہ داری ہیں۔ تم بس اپنے بارے میں سوچو باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔"

اس نے اب گاڑی کا رخ بازار کی طرف موڑ دیا۔ وہ خریداری کے لیے اچھی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ ماہ پارہ یہ سب نہیں چاہتی تھی۔ اس نے آج تک ان سب چیزوں کی خواہش نہیں کی تھی۔

وہ دونوں شاپنگ کر رہے تھے۔ ماہ پارہ نے خود چند کپڑے منتخب کیے۔ یہ اس نے پہلی بار اکیلے خریداری کی تھی۔ اس نے جہانگیر کی پسند کے دو کپڑے لیے۔ جہانگیر نے چند کپڑے اور لینے کا اصرار کیا تھا لیکن ماہ پارہ نے اسے سختی سے منع کیا تھا اس لیے اس نے مزید اصرار نہیں کیا۔

"بس میں تھک گئی ہوں، مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"ہم نے جوتے تو لیے ہی نہیں۔" جہانگیر نے اس کی بات سنے بغیر اس کے جوتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں جوتوں کی دکان پر تھے۔دکاندار نے انہیں مختلف قسم کے جوتے دکھائے۔جہانگیر نے تو اسے جو پسند آئے لینے کو کہا لیکن ماہ پارہ نے پھر اسے زیادہ خرچ کرنے سے منع کیا۔جہانگیر نے پھر اس کی بات مان لی۔دکاندار نے جھک کر اس کو جوتے پہنانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ جہانگیر نے اس کا ہاتھ روک دیا۔

"میری بیوی ہے میں خود پہنا سکتا ہوں۔"اس نے دکاندار کے ہاتھ سے جوتے لیتے ہوئے کہا۔

اس نے جھک کر ماہ پارہ کا پاؤں اپنے گھٹنے پر رکھا۔ماہ پارہ اسے منع کرنا چاہتی تھی لیکن اس بار وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ماہ پارہ نے ہچکچاتے ہوئے اپنا پاؤں اس کے گھٹنے پر رکھا۔جہانگیر نے ایک دو جوتے پہنا کر دیکھا، پھر انہیں پیک کروا دیا۔

"اب بتاؤ کیا کھانا ہے؟"وہ دکاندار کو پیسے دے کر اس سے مخاطب ہوا۔

"میں تھک گئی ہوں۔مجھے نیند آرہی ہے۔"تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"تم کتنا سوتی ہو ماہ پارہ۔ہم نے ابھی تک میٹھا بھی نہیں کھایا۔تمہیں نہیں پتا میں میٹھا کھائے بغیر نہیں سوتا۔مجھے نیند نہیں آتی جب تک میں کچھ میٹھا نہ کھاؤں۔"وہ بالکل بچوں کی طرح کہہ رہا تھا۔ماہ پارہ نہ چاہتے ہوئے بھی مان گئی۔

"لیکن میں قلفی جلیبی کھاؤں گی۔"اس نے اپنی پسند بتائی۔

اس نے دور جلیبی کی دکان دیکھی۔"جلیبی کے لیے ہمیں اس طرف جانا پڑے گا، چلو ایک کام کرتے ہیں پہلے قلفی کھالیں پھر جلیبی بھی کھائیں گے۔"

"نہیں دونوں ایک ساتھ کھانا ہے۔ جلیبی پر قلفی لگا کر۔"اس کی پسند پر جہانگیر نے اسے غور سے دیکھا۔

"جلیبی پر کلفی لگا کر؟ تم جانتی ہو کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"اسے تو سوچ کر ہی کچھ ہونے لگا تھا۔

"ہاں، اب میں یہی کھانا چاہتی ہوں۔ اگر نہیں کھلانا چاہتے تو وہ الگ بات ہے۔"وہ خفا ہوئی۔

جہانگیر نے اس کے خفا چہرے پر ایک نظر ڈالی اور ہاتھ کے اشارے سے اسے یہاں رکنے کو کہا اور وہ خود جلیبی کی دکان کی طرف گیا۔اس نے جلیبی صرف ماہ پارہ کے لیے لی، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ قلفی کے ساتھ جلیبی کھائے گا۔وہ اسی تیزی سے اس کے پاس آیا۔

"یہ لو، اسے پکڑو۔"خاکی رنگ کے کاغذ میں لپٹی جلیبیاں اس کی طرف بڑھائی۔

اس نے ماہ پارہ کو جلیبی دینے کے بعد قلفی والے سے دو کلفیاں لیں۔اس نے ایک قلفی اس کی طرف بڑھادی۔وہ ماہ پارہ کی حرکت کو دیکھتے ہوئے قلفی کھا رہا تھا جو بہت دھیان سے جلیبی پر قلفی لگا رہی تھی۔ماہ پارہ نے قلفی جلیبی اس کی طرف بڑھائی تو اس نے فوراً منہ پھیر لیا۔وہ خفا ہوئی لیکن پھر کندھے اچکا کر اکیلے جلیبی کھانے لگی۔

جیسے ہی اس نے قلفی جلیبی کھائی، اس کے چہرے پر ایک الگ خوشی پھیل گئی۔ جہانگیر نے مڑ کر اسے دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھتا رہا۔ وہ قلفی جلیبی نامی چیز کو ایسے لذت سے کھا رہی تھی کہ ایک لمحے کے لیے جہانگیر نے بھی اسے چکھنا چاہا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور پھر سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

☆...☆...☆

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

اس وقت جہانگیر حویلی کی دوسری طرف موجود تھا۔ایک بڑا سالان تھا جہاں وہ صوفہ چئیر پہ بیٹھا ہوا تھا۔اس نے

سیاہ رنگ کی قمیض شلوار پہنی ہوئی تھی جس کی آستینیں کہنیوں تک لپٹی ہوئی تھیں۔اس کے بالکل سامنے گاؤں والے موجود تھے۔گاؤں کے تقریباً سبھی مرد۔جہانگیر امان اللہ اور داؤد علوی کا انتظار کر رہا تھا کہ جب وہ آئیں تو اپنی بات شروع کرے۔

"حسن، دادا جان اور بابا کہاں رہ گئے؟" جہانگیر نے اپنے پیچھے کھڑے حسن سے پوچھا۔

"وہ دیکھیں آ گئے۔" حسن نے انہیں آتے دیکھ کر کہا۔

امان اللہ اور داؤد علوی ان کی طرف آئے اور وہاں موجود دو صوفہ چئیر پر شان سے بیٹھ گئے۔امان اللہ علوی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی بات کہنے کو کہا۔

"میں نے آپ سب کو یہاں بہت ضروری کام سے بلایا ہے۔" اس کا لہجہ رعب دار تھا۔

"کس کام سے چھوٹے سردار؟" وہاں موجود ایک گاؤں کے بزرگ آدمی نے پوچھا۔

"گاؤں میں کچھ تبدیلیاں لانے کے لیے۔"

"بابا، یہ پھر سے کچھ ایسا کرے گا جو مجھے سخت ناگوار گزرے گا۔ اسے روکیں ورنہ آپ کو میرا طریقہ پسند نہیں آئے گا۔" داؤد علوی نے دھیمے مگر سخت لہجے میں ان سے کہا۔

"پہلے اس کی بات سن تو لو۔" انہوں نے غصے سے داؤد کو ٹوکا۔ داؤد نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ دیں۔

"گاؤں میں لڑکیوں کے لیے اسکول بنانا ہے۔ اس گاؤں میں ایک اسکول بنایا جائے گا جہاں صرف گاؤں کی لڑکیاں ہی پڑھ سکیں گی۔ وہ بھی مفت۔" وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سیدھا بات پر آگیا۔

"یہ وقت ہے مذاق کرنے کا چھوٹے سردار؟ ہمیں بہت سارے کام کرنے ہیں۔ ہم ان سب میں نہیں پڑنا چاہتے۔" وہاں موجود شخص نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"جہانگیر یہ ناممکن ہے تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟" داؤد اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بابا کچھ بھی ناممکن نہیں، میں صرف اسکول بنانے کا کہہ رہا ہوں۔ یہ ممکن ہے اگر یہ لوگ چاہیں تو یہ ممکن ہے۔"

"اور تمہارے اس سکول میں کون اپنی بیٹی کو بھیجے گا؟ کیا یہ اسکول بھوتوں کے لیے بنوا رہے ہو؟ کوئی ایک لڑکی کو میرے سامنے آ کر کھڑا کرو تب میں مانوں۔" انہوں نے اسے چیلنج کیا۔

"ماہ پارہ ہو گی اس سکول کی پہلی شاگرد۔" جہانگیر نے فوراً ماہ پارہ کا نام لیا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ، میں نے کہا تھا کہ آج وہ ایک معمولی سی ملازم کی بیٹی کے لیے اسکول بنوا رہا ہے، کل کو یہ حویلی اس کے نام کر دے گا۔" ان کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر غصے سے کہہ رہے تھے۔

"بابا آپ آرام سے بات کریں تو بہتر ہو گا۔ میں یہاں ہر حال اسکول بناؤں گا۔ آپ کے شور مچانے سے میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔" وہ اپنی بات پر قائم تھا۔

"بہتر ہو گا آپ لوگ میری بات سن لیں۔ میں نے یہاں آپ لوگوں کو اجازت لینے کے لیے نہیں بلایا۔ میں اپنا فیصلہ سنا رہا ہوں، جو آپ لوگوں کو ہر حال میں ماننا پڑے گا۔" وہ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بالکل، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں کو پڑھنے بھیجیں یا نہیں۔ اس کا فیصلہ آپ نہیں کر سکتے۔" وہ بزرگ آدمی پھر سے بولے۔

"اگر آپ کی بیٹی تعلیم یافتہ ہو جائے تو کیا ہو جائے گا؟ اگر وہ وکیل، ڈاکٹر یا کچھ بھی بن جائے تو اس سے گاؤں والوں کو ہی فائدہ۔۔۔"

"کیا ہم بیوقوف ہیں کہ لڑکیوں کو پڑھا کر سر پر چڑھا دیں۔" وہ بزرگ آدمی مسلسل اس کی بات کو کاٹ کر کہہ رہے تھے۔ "کل کو یہ لوگ شہر جا کر شہر کی لڑکیوں کی طرح حرکتیں کریں تو تب ہم کیا کریں گے؟ یہاں ہم بیٹیوں کو پڑھا کر سر پر نہیں چڑھاتے۔"

ان کی آواز اتنی بلند تھی کہ گھر کے اندر بیٹھی امینہ نے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔انہیں ماہ پارہ پر غصہ آرہا تھا۔ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ماہ پارہ کو مار مار کر اس حویلی سے باہر پھینک دیں۔اگر ان کا بیٹا گاؤں والوں کی بات سن رہا ہے،ذلیل ہو رہا ہے تو یہ صرف ماہ پارہ کی وجہ سے ہے۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟آپ نے اپنے لڑکوں کو پڑھا کر کونسا تیر مار لیا؟رات کو گاؤں کی گلیوں میں گھومتے ہیں،لڑکیوں پر گندی نظر رکھتے ہیں اور۔۔۔"

"تو آدھی رات کو وہاں لڑکیوں کا کیا کام؟؟وہاں لڑکیاں کیا کرتی ہیں؟وہ لڑکے ہیں،وہ جہاں چاہے جا سکتے ہیں۔ہم انہیں کیوں روکیں؟"وہ اس وقت اپنے بیٹوں کی طرف داری کر رہے تھے جس پر جہانگیر نے زور سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"خدا کے لیے میری بات سن۔۔۔"

اس کی بات کو داؤد نے کاٹ کر کر جھنجلاتے ہوئے کہا۔"بس کرو جہانگیر،بس کرو۔جب یہ گاؤں والے بدلنا نہیں چاہتے تو تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟"

"بابا کیا آپ میری بات کے درمیان مجھے ٹوکنا بند کریں گے؟کیا میں اپنی بات پوری مکمل کر لوں؟"وہ داؤد کی طرف دیکھ کر بولا جس پر داؤد نے بس آنکھیں گھمائیں۔"میری بات کوئی نہیں کاٹے گا،کوئی بھی نہیں۔"اس نے انگلی اٹھا کر سب کو تنبیہہ کی۔

"ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کی تعلیم کو ہاتھ سے نکل جانا سمجھا جاتا ہے۔اگر وہ پڑھتی ہے تو یقیناً ہاتھ سے نکل جائے گی۔دراصل آپ لوگ عورت کی آزادی سے ڈرتے ہیں،اپنے فیصلے خود کرنے سے،اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے سے،اپنے اخراجات خود اٹھانے سے،ان سب سے ڈرتے ہیں۔کیونکہ یہ سب شروع سے ہی مرد کرتے آئے ہیں۔اگر کوئی عورت ایسا ہی کرتی ہے تو آپ لوگوں کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے۔آپ لوگ عورت کی آزادی برداشت نہیں کر سکتے۔اس میں آپ لوگوں کا قصور نہیں ہے،یہ آپ کے بزرگوں کا قصور ہے جنہوں نے شروع سے ہی عورتوں کے بارے میں آپ کے ذہن میں غلط باتیں ڈالی ہیں۔"وہ کہہ کر رکا اور ایک قہر برساتی نظروں سے سب کو دیکھا۔

"تمہاری ان باتوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔یہ تقریر اچھی تھی لیکن اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ہم تمہارے دو لفظوں سے اپنے اصول نہیں بدل سکتے۔"بزرگ آدمی سینے پر ہاتھ لپیٹتے ہوئے اس کا گویا مذاق اڑایا ہو۔

"ہاں،آپ ہمیں مجبور نہیں کر سکتے۔آپ اسکول بنا سکتے ہیں۔آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں،لیکن ہم اپنی بچیوں کو اسکول نہیں بھیجیں گے۔"سب ان کی بات سے متفق تھے۔

اس نے اپنی مٹھیاں بھینچیں،اس سب کی ناانصافی پر غصے میں اس کا جبڑا سخت ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، جیسے آپ لوگ کی مرضی لیکن اسکول تو بن کر رہے گا، چاہے اس میں کوئی پڑھتا ہے یا نہیں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا۔

☆...☆...☆

جہانگیر اسٹڈی روم میں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ اسٹڈی روم اس کے کمرے جتنا بڑا تھا۔ خوبصورت اور کتابوں سے بھری ہوئی۔ اسٹڈی ٹیبل کے بالکل سامنے دیوار پہ دو شیلف نسب تھے۔ دائیں دیوار پہ بھی ایک شیلف اور ایک بائیں دیوار پہ بھی نسب تھا۔ ہر شیلف کے ساتھ ایک گلدان رکھا ہوا تھا۔ اسٹڈی ٹیبل پر دو تین چھوٹے مصنوعی گلدان، چند کتابیں، ایک قلم ہولڈر اور ایک ٹائپ رائٹر بھی رکھا تھا۔ میز کے پیچھے دیوار پر جہانگیر کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ کمرے کے بیچوں بیچ ایک گول قالین بچھا ہوا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ کل کا منظر اس کے ذہن میں چل رہا تھا۔ دروازے پر دو تین بار دستک ہوئی تو جہانگیر نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی سیاہ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ اٹھا اور چند قدم دروازے کی طرف بڑھا، پھر رک کر واپس مڑ کر میز سے کتابیں اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیں۔

وہ واپس دروازے کی طرف آیا، دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تو دیکھا ماہ پارہ وہاں کھڑی تھی۔ جہانگیر نے دروازہ پورا کھول دیا اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ماہ پارہ حیرت سے اس کمرے کو دیکھ رہی تھی۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟" جہانگیر اپنی کرسی پر بیٹھا۔

"میرے پاس کرنے کے لیے اور کچھ نہیں تھا اس لیے میں نے سوچا کہ میں اس کمرے کو دیکھوں۔" وہ ابھی تک کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کتاب۔۔" وہ کہتے ہوئے رک گیا۔ "کیا تمہیں پڑھنا آتا ہے؟"

"ہاں میں پڑھ سکتی ہوں۔" وہ جہانگیر کے مقابل دو کرسیوں میں سے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھی۔

"کیسے؟" جہانگیر کو حیرت ہوئی۔ "میرا مطلب تم اسکول تو گئی نہیں، پھر کیسے پڑھ لیتی ہو؟"

"میری دوست ہریرہ، اس کے ابا اسکول میں پڑھاتے ہیں۔ وہ گھر آکر ہریرہ کو پڑھاتے تھے اور پھر اگلے دن وہ مجھے وہی سبق پڑھاتی تھی۔"

جہانگیر اس سے بہت متاثر ہوا۔ اسے اپنی پڑھائی میں اتنی لگن دیکھ کر خوشی ہوئی۔ اسے یقین تھا کہ وہ کچھ بن جائے گی۔ اگر وہ اپنا وقت اور محنت ماہ پارہ پر لگاتا ہے تو وہ یقینی طور پر اس سرمایہ کاری کو ضائع نہیں ہونے دے گی۔ "بہت خوب۔ کیا تم انگریزی کتابیں پڑھتی ہو؟"

"ہاں، لیکن زیادہ نہیں، میرا مطلب ہے کہ موٹی کتابوں میں لکھی گئی انگریزی تھوڑی مختلف لگتی ہے۔مجھے سادہ

انگریزی پسند ہے۔"وہ کتابوں کو دیکھتے ہوئے معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

جہانگیر نے اسے دیکھا۔اس کی نظریں کتابوں سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔وہ مسکرایا پھر ہنس دیا۔ماہ پارہ نے فوراًاسے دیکھا۔ہنستے ہوئے وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ماہ پارہ کی آنکھیں خوبصورت تھیں تو جہانگیر کی ہنسی خوبصورت تھی۔اگر کوئی اسے مسکراتے ہوئے دیکھتا تو اس کے لیے اس پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہو جاتا۔

"آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟"وہ کھوئے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ماہ پارہ انگریزی ایک ہی ہوتی ہے۔تم نے ضرور کوئی ایسی کتاب پڑھی ہو گی جو تمہارے پڑھنے کے لیے نہیں ہے۔"اس نے اٹھ کر ماہ پارہ کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اگر تم اس شیلف سے کوئی کتاب اٹھا کر پڑھو گی تو تم سمجھ جاؤ گی۔بس یاد رکھنا کہ میں تمہیں صرف اس شیلف کی کتاب کو ہاتھ لگانے کی اجازت دے رہا ہوں۔"

وہ دائیں دیوار پر لگے شیلف کے پاس کھڑا ہوا تھا اور اس سے بہت سنجیدگی سے کہا۔ حالانکہ اسے اپنی کتابیں کسی کو دینا پسند نہیں تھا لیکن ماہ پارہ کی بات الگ تھی۔ وہ دونوں بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے۔ شاید حسن کا اُس شام ان کو ساتھ بھیجنا درست ثابت ہوا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، یہ کتابیں بہت زیادہ ہیں۔ اب میں بیٹھے بیٹھے بور بھی نہیں ہوں گی۔" اس نے شیلف سے ایک کتاب اٹھاتے ہوئے کہا۔

جہانگیر اسے خوش دیکھ کر مسکرا دیا۔ ماہ پارہ کے آنے سے وہ آج کل کچھ زیادہ ہی مسکرانے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک دم سے یہ خیال آیا کہ وہ اتنا کیوں مسکرا رہا ہے؟ اس نے سر جھٹکا اور چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات سجائے واپس اپنی جگہ پہ آیا۔

☆...☆...☆

چھ دن اسی طرح گزر گئے۔ داؤد علوی اور امینہ کے علاوہ گھر میں سب لوگ پہلے کی طرح جہانگیر سے بات کر رہے تھے۔ امینہ جہانگیر سے سخت خفا تھیں۔ بات تک نہیں کرتی تھیں۔ انہیں جہانگیر پر شدید غصّہ، ناراضگی سب تھا۔ اس دن کے بعد جہانگیر اور ماہ پارہ میں کچھ خاص بات نہیں ہوئی۔ وہ بہت سے کاموں میں مصروف تھا، جن میں سب سے اہم گاؤں میں اسکول بنانا تھا۔ وہ اس پراجیکٹ کے لیے دن رات کام کر رہا تھا۔

جہانگیر اس وقت تھکے ہارے ڈیرے سے آ رہا تھا۔ وہ کبھی وہاں نہیں گیا تھا لیکن پچھلے کچھ دنوں سے اس کا وہاں آنا جانا شروع ہو گیا تھا۔ امان اللہ خوش تھے کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ جہانگیر گاؤں میں سب کچھ دیکھے، لیکن داؤد علوی ایسا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جہانگیر وکالت کی پریکٹس کرنے کے لیے واپس لندن چلا جائے، ہمیشہ کے لیے لندن میں ہی رہے۔ ان کا خیال تھا کہ گاؤں میں اب کچھ نہیں بچا ہے اور اگر وہ شہر چلا بھی جائے تو وہاں اس کی وکالت زیادہ کام نہیں آئے گی۔

وہ راستے میں سڑک پہ نظریں جمائے سوچوں میں گم تھا۔ ہوش میں تب آیا جب سامنے اسے ایک لڑکی روتے ہوئے سر جھکائے آس پاس سے بے خبر چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ جہانگیر نے گھبرا کر پوری رفتار سے بریک لگائی۔ وہ غصے سے لال ہوتے چہرے کے ساتھ جیپ سے نیچے اترا۔

"آپ مجھ پر غصہ مت کریے گا۔" جہانگیر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ لڑکی بول پڑی۔

"میں مانتی ہوں میری غلطی تھی، مجھے دیکھ کر چلنا چاہیے تھا۔ میں معذرت چاہتی ہوں۔" اس نے معافی مانگتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے اور آگے بڑھ گئی۔

"کیا میں وجہ جان سکتا ہوں کیا پریشانی ہے؟ جو یہ نہیں دیکھ رہی تھی کہ آگے سے گاڑی آ رہی ہے، لگ جاتی تو؟" لہجہ نہ سخت تھا نہ نرم۔

"لگ جاتی، کاش لگ جاتی۔ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔" وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

"بری بات، ایسے نہیں کہتے۔" جہانگیر نے اسے ٹوکا۔ "زندگی سے یوں مایوس نہیں ہوتے۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو یقیناً اس کا حل بھی ہو گا، اس طرح اللہ سے اپنی موت کی دعائیں مانگنا غلط ہے، گناہ ہے۔ لوگ لمبی عمر کی دعا کرتے ہیں اور ایک تم ہو جو موت آنے کی دعا کر رہی ہو۔" جہانگیر کو اس کی بات بہت بری لگی تھی۔

"تو اور کیا کیا جائے؟ میرے خیال میں لڑکی ہونا بہت بڑا گناہ ہے۔" وہ تلخی سے مسکرائی۔ "لگتا کیا لڑکی ہونا گناہ ہی تو ہے۔ ہماری اپنی کوئی زندگی نہیں، ہم نے ہمیشہ اپنے گھر کے مردوں کے پیچھے چلنا ہے، ہمیشہ ان کا غلام بن کے رہنا ہے۔" وہ سب باتیں تلخی سے کہہ گئی۔

جہانگیر نے گہری سانس لی۔ اس نے جیپ سے ٹیک لگا کر اس سے کہا۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ لیکن تم رو کیوں رہی تھی؟" جہانگیر نے موضوع بدلنا چاہا۔

"اگلے ہفتے گاؤں میں ریسنگ کا مقابلہ ہے۔ میں اس میں حصہ لینا چاہتی تھی اور اپنا نام رجسٹر کروانے بھی گئی تھی لیکن۔۔۔" وہ ایک بار پھر مایوس ہو گئی۔ "انہوں نے مجھے یہ کہہ کر منع کیا کہ میں لڑکی ہوں اور یہ ریس صرف لڑکوں کے لیے ہے۔"

"فکر مت کرو میں کچھ کرتا ہوں۔" وہ جیپ کی طرف بڑھا پھر رک کر واپس مڑ گیا۔ "کل ایک کام کرو، علوی حویلی آؤ۔ سمجھو تمہارا کام ہو جائے گا۔" جہانگیر نے مسکرا کر اسے تسلی دی، جواب میں وہ بھی مسکرا دی۔

☆...☆...☆

ایک بار پھر گاؤں والوں کو بلوایا گیا تھا۔اس وقت تپتی دھوپ میں سب حویلی کے عقب میں موجود تھے۔امان اللہ کسی کام سے ڈیرے گئے ہوئے تھے اور داؤد علوی شہر گئے تھے۔جہانگیر جسے بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی بات کہنے کا موقع ملا۔

وہ اس وقت حسن کے ساتھ، رکھے گئے دو صوفہ چیئر پہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔وہی سرداروں والا انداز۔وہ سرمئی رنگ کے شلوار قمیض میں ملبوس تھا، جس کی آستینیں ہمیشہ کی طرح کہنیوں تک لپٹی ہوئی تھیں۔

"آج کس کام کے لیے ہمیں بلایا گیا ہے؟" اسی بزرگ آدمی نے ایک بار پھر اکتا کر کہا۔

"انہیں دوبارہ کس نے بلایا؟" جہانگیر نے تھوڑا آگے جھک کر حسن سے کہا۔اس نے جواب میں کندھے اچکائے۔

"اگلے ہفتے ریسنگ کا مقابلہ ہے،اس لیے مقابلے کے لیے نام درج کرنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟" جہانگیر نے تیز دھوپ کی وجہ سے آنکھیں سکڑ لیں۔

"میری ذمہ داری ہے، کیوں؟" وہ بزرگ آدمی پھر سے بولے۔

جہانگیر نے پھر آگے جھک کر حسن سے کہا۔"انہیں یہ ذمہ داری کس نے دی؟"جواب میں حسن نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔

جہانگیر نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔"اس میں ایک نام لکھوانا ہے۔"

"کس کا نام لکھوانا ہے؟"

"اس لڑکی کا۔"دور سے اسی لڑکی کو آتا دیکھ کر اس نے کہا۔

"لڑکی؟"وہ بڑبڑائے۔

"کیوں، کیا لڑکیاں دوڑ میں حصہ نہیں لے سکتیں؟"جہانگیر نے سوالیہ ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔نہیں لے سکتیں حصہ۔"وہ بزرگ آدمی نے درشتی سے منع کر دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھے رہیے، ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔"جہانگیر نے شائستگی سے کہا۔

"سردار کے پوتے ہو تبھی ہم تمہیں برداشت کر رہے ہیں، ورنہ جواب دینا ہمیں بھی آتا ہے۔"وہ بزرگ آدمی بلند آواز میں کہہ رہے تھے۔

جہانگیر تھوڑا آگے کو ہوا۔"ایک بات بتائیں یہ تعلیم یہ آزادی یہ خود مختیاری یہ سب مردوں کے لیے ہی کیوں؟ صرف مرد ہی کیوں؟ عورتوں کا بھی اتنا ہی حق ہیں جتنا مردوں کا حق ہیں۔ میں

مساوات پر یقین رکھتا ہوں اور اسی کے بنیاد پر اس لڑکی کا نام اس مقابلے میں لکھا جائے گا۔"

جہانگیر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"کیا ہمیں صرف ایک لڑکی کے لیے اپنے قوانین کو توڑنا چاہیے؟"وہ کچھ دیر سوچنے کہ بعد بولے۔

جہانگیر نے دو تین بار انکار میں سر دائیں سے بائیں گھمایا۔

"ایک نہیں دو۔"اس نے دو انگلیاں دکھائیں۔"ایک میری بیوی ماہ پارہ کا نام ہے اور۔۔۔"

جہانگیر نے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔

"منہا۔۔۔منہار میض۔"وہ چہکتے ہوئے بولی۔

"ہاں تو لسٹ میں ایک ماہ پارہ جہانگیر علوی کا نام لکھیں اور ایک منہار میض کا نام لکھیں۔"

"اور تیسرا رنزہ داؤد علوی۔"رنزہ بھاگتی ہوئی جہانگیر کے پاس آئی۔

جہانگیر مسکرایا۔"ہاں تو تین نام آگئے۔۔ہیں ناں؟"اس نے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی بھائی آگئے۔"

بزرگ آدمی سخت تاثرات کے ساتھ ان سب کو دیکھ رہے تھے۔جہانگیر نے بھی اسی تاثرات کے ساتھ انہیں دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ مجھے اپنا قیمتی وقت دینے کا بہت شکریہ۔"

جہانگیر رنزہ کو گود میں اٹھا کر گھر کے اندر چلا گیا۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے رنزہ کو نیچے اتارا اور ادھر

اُدھر دیکھا۔ لاؤنج خالی تھا۔ وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

وہ امینہ کے کمرے کی طرف گیا وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ پھر تیز تیز قدموں سے وہ اپنے کمرے کی طرف گیا، دروازا کھول کر وہ اندر داخل ہوا، وہاں بھی ماہ پارہ نہیں تھی۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ اسٹڈی روم میں گیا وہاں بھی ماہ پارہ نہیں تھی۔ اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور چاروں طرف نظریں گھما کر وہ وہاں سے نکل گیا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں عبور کر کے نیچے آیا۔

"رنزہ آپ کو پتا ہے ماہ پارہ کہاں ہے؟" اس نے اسے کھلونوں سے کھلتا دیکھ کر پوچھا۔

"وہ کچن میں تھیں۔" جہانگیر کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

وہ بھاگ کر کچن کی طرف گیا۔ وہ اندر جانے ہی والا تھا کہ ماہ پارہ کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا، پھر بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کے پاس گیا۔ وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ماہ پارہ بہت مہنگے اور کامدار لباس میں ملبوس تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں خاندانی

کنگن، گلے میں ہار اور کانوں میں چھوٹی بالیاں پہن رکھی تھیں۔اس کے بال بندھے ہوئے تھے، جس سے دو نکلتی لٹیں اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں۔

وہ اس وقت پیاز کاٹ رہی تھی۔پیاز کاٹنے سے اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔وہ کبھی چھری والے ہاتھ سے دائیں آنکھ صاف کرتی، کبھی بائیں آنکھ اور پھر پیاز کاٹنے لگتی۔

"ماہ پارہ یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟ تمہیں کس نے کہا ہے کہ اتنا بھاری لباس پہنو اور اوپر سے یہ زیور؟" جہانگیر کا لہجہ سخت تھا۔

"آپ کی ماں سانے۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

ماہ پارہ پر اپنا سارا غصہ نکالنے کے لیے امینہ نے اسے یہ سب پہنا دیا اور رات کو کچھ مہمانوں کو بلا کر کھانے کا سارا انتظام ماہ پارہ کو دے دیا۔انہیں اپنی بھڑاس بھی تو نکالنا تھی۔

جہانگیر نے اس کے ہاتھ سے چھری لے کر ایک طرف رکھ دی۔اس کا رخ اپنی طرف کیا، اس کے کانوں سے بالیاں اتاریں، گلے سے ہار ہٹایا اور پھر اس کے ہاتھوں سے کنگن اتار کر سائیڈ پر رکھ دیے۔اس نے جیب سے رومال نکالا اور تھوڑا نیچے جھک کر اس کی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

ماہ پارہ اس کی ہر حرکت کو دیکھ رہی تھی۔اسے جہانگیر الگ لگتا تھا۔وہ گاؤں کے باقی مردوں سے مختلف تھا۔جس طرح جہانگیر اپنی بیوی کا خیال رکھتا تھا گاؤں میں شاید ہی کسی نے اپنی بیوی کا اس

طرح خیال رکھا ہو۔ بچپن سے ہی اس نے اپنے ابا کو ہر چھوٹی بات پر غصہ ہوتے دیکھا تھا لیکن جہانگیر ایسا نہیں تھا۔

"یہ پیاز کیوں کاٹ رہی تھی؟" اس نے رومال واپس جیب میں ڈال لیا۔

"آپ کی ماں سا نے کہا تھا کہ آج رات مہمان آئیں گے اور مجھے سارا کھانا پکانا ہو گا اور ایک اچھی بہو کا فرض ہے کہ وہ ان کی بات سنیں لیکن۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکی نظریں اٹھا کر جہانگیر کو دیکھا۔

"لیکن تمہیں کھانا پکانا نہیں آتا؟" جہانگیر نے اس کی ادھوری بات مکمل کی۔

ماہ پارہ نے شرمندگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جاؤ یہ کپڑے تبدیل کر کے آؤ، جو ہم نے لیے تھے ان میں سے کچھ پہن کر آؤ پھر ساتھ میں کھانا بنائیں گے۔" جہانگیر نے تحکم سے کہا تو وہ خاموشی سے کچن سے نکل گئی۔

جب وہ واپس آئی تو جہانگیر تقریباً سب کچھ کر چکا تھا۔ ماہ پارہ اس کے پاس آئی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" وہ حیرت سے جہانگیر کو دیکھ رہی تھی۔

جہانگیر نے اس کی طرف دیکھا۔ "کھانا بنا رہا ہوں۔"

"کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا، یہ کام تو عورتیں کرتی ہیں۔ آپ پیچھے ہٹیں۔" اس نے جہانگیر کے ہاتھ کو روک کر پیچھے کیا۔

"ماہ پارہ اٹس اوکے۔ تمہیں کھانا پکانا نہیں آتا تو کیا ہوا؟ مجھے تو آتا ہے۔"اس نے پین میں تیل ڈالا۔

"جب میں لندن میں تھا تو میں اکیلا رہتا تھا اور مجھے وہاں کا کھانا زیادہ پسند نہیں تھا، تو میں خود کھانا پکاتا تھا۔"اب اس نے پیاز کو تیل میں ڈال کر چمچ کی مدد سے ہلایا۔"اور یقین کرو، میں نے پہلی بار اتنا لذیذ کھانا پکایا کہ اگر ماں سا ہوتی تو وہ میری تعریف کرتے کرتے تھک جاتیں۔"اس نے فخر سے کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے ابھی تک کسی کے لیے کھانا نہیں پکایا اور کسی کو اس کا علم بھی نہیں؟"وہ حیرت سے جہانگیر کو کھانا پکاتے ہوئے دیکھ رہی تھی یا شاید پہلی بار کسی مرد کو کھانا پکاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تم پہلی لڑکی ہو جس کے لیے میں کھانا بنا رہا ہوں۔"وہ مسکرایا اور دوبارہ کھانا بنانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ماہ پارہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"لیکن آپ کی ماں سا کو اگر۔۔۔۔"

جہانگیر نے اس کی بات کاٹی۔"ماں سا کو کون بتا رہا ہے؟"

ماہ پارہ مسکرائی اور خاموشی سے جہانگیر کو کھانا پکاتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور تھوڑی بہت اس کی مدد بھی کر رہی تھی۔

☆...☆...☆

رات گئے مہمانوں کے جانے کے بعد جہانگیر ماہ پارہ اور سیف کے ساتھ چہل قدمی کے لیے نکلا تھا۔ وہ سر جھکائے جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھ رہا تھا، جبکہ ماہ پارہ اور سیف نوک جھوک جاری تھی۔

"بھائی آئس کریم کھانے چلیں؟" سیف ایک دم سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ جو سوچوں میں گم تھا، چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

"ہم جیپ میں نہیں آئے۔ آئس کریم کھانے کے لیے ہمیں شہر جانا پڑے گا اور اس وقت میں شہر نہیں جا رہا۔" وہ اس کے کندھوں پر بازو پھیلا کر اس کے گالوں کو کھینچتے ہوئے بولا۔

"جہانگیر چلیں ناں۔۔ میرا دل چاہ رہا ہے اب آئس کریم کھانے کا۔" اس نے معصومیت سے التجا کی۔ سیف غور سے جہانگیر کو دیکھ رہا تھا اور جہانگیر کبھی سیف کی طرف اور کبھی ماہ پارہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا بھی آئس کریم کھانے کا دل کیا۔۔ چلو چلتے ہیں پھر۔" وہ محتاط انداز میں بولا۔ وہ کسی کو بھی انکار کر سکتا تھا مگر ماہ پارہ کو نہیں۔ سیف آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن بھائی آپ کو تو شہر نہیں جانا تھا؟" اس نے دانت پیستے ہوئے سوال کیا۔ جس سوال سے جہانگیر بچنے کی کوشش کر رہا تھا سیف نے پوچھ ہی لیا۔

"وہ۔۔۔ تمہیں پتا تو ہے میں میٹھا کھائے بغیر نہیں سوتا۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"اسے چھوڑیں جہانگیر، ہم چلتے ہیں۔" وہ اچانک اس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔

جہانگیر کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ نہ اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا سکتا تھا اور نہ ہی اسے اس طرح پکڑنے دے سکتا تھا۔ سیف سینے پر بازو باندھے آگے بڑھ رہا تھا۔ ماہ پارہ اس کی دلی کیفیت سے بے خبر اس سے باتیں کر رہی تھی اور جہانگیر جو اس کی ایک بات بھی نہیں سن رہا تھا۔ وہ بس اس کا ہاتھ اپنے بازو پر دیکھ رہا تھا۔

جیسے تیسے کر کے یہ لوگ حویلی پہنچ گئے۔ جہانگیر نے سکون کا سانس لیا۔ ماہ پارہ نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔

☆...☆...☆

جہانگیر صوفے پر بیٹھا کوئی کام کر رہا تھا۔میز پر کچھ بکھرے کاغذات،ٹائپ رائٹر اور چائے کا کپ رکھا تھا جس سے گرم دھواں یوں نکل رہا تھا جیسے ابھی ابھی چائے لا کر رکھی گئی ہو۔اس نے عینک پہن رکھی تھی اور اس کی انگلیاں ٹائپ رائٹر میں تیزی سے چل رہی تھیں۔اسے مصروف اور پریشان دیکھ کر امان اللہ اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

"کام کہاں تک پہنچا؟"

"دادا جان سب ہو گیا ہے بس کچھ پیسوں کا بندوبست کرنا ہے۔" جہانگیر نے مایوسی سے کہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہاں کوئی اسے پیسے نہیں دے گا۔داؤد تو بالکل بھی نہیں۔وہ صرف ڈگری لے کر آیا تھا اور اس سے پہلے کوئی آمدنی نہیں تھی اور اسے کام کے لیے شہر جانا پڑے گا۔

"میں پیسے دوں گا۔بتاؤ کتنے پیسوں کی ضرورت ہے؟" امان اللہ نے فوراً پیشکش کیا۔داؤد یہاں سے گزر رہے تھے ان کی بات سن کر رکے۔

"اسے پیسے دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اگر اسے اسکول بنانے کا اتنا ہی شوق ہے تو اسے اپنی کمائی سے اسے بنانا چاہیے۔"

جہانگیر کی تیز چلتی انگلیاں رک گئیں۔جبڑے بھینچ گئے۔آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔وہ اپنے آپ کو کوئی بھی رد عمل ظاہر کرنے سے روکنا چاہتا تھا۔اس نے آنکھوں سے چشمہ ہٹایا اور صوفے کی

پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے بابا کی مداخلت سے تنگ آچکا تھا۔ وہ مزید کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

"کیوں بھئی؟ میرا سب کچھ اسی کا تو ہے۔" انھوں نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آپ کو اس کی فضول خواہشات کے لیے پیسے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اپنی نظریں جہانگیر پر مرکوز کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

جہانگیر مسکرایا۔ اگر وہ مسکراتے ہوئے خوبصورت لگتا تھا تو داؤد کو اتنا ہی برا لگتا تھا، کیونکہ وہ ہمیشہ ان کے سامنے طنزیہ مسکراتا تھا، جس سے داؤد علوی کو اس پر مزید غصّہ آتا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر خود کو تھپتھپا رہا تھا۔ جہانگیر

ان کے جانے کا انتظار کر رہا تھا اور اس وقت تک آنکھیں بند رکھنے کا سوچ رہا تھا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ؟ اب تو میری باتیں اسے مذاق لگتی ہیں۔ یہ سب آپ کے لاڈ پیار کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" وہ سارا الزام امان اللہ پہ ڈال کر غصے سے مٹھیاں بھینچے وہاں سے نکل گئے۔

"بابا چلے گئے؟" جہانگیر نے بند آنکھوں سے پوچھا۔

امان اللہ مسکرائے۔ "ہاں! چلا گیا۔"

جہانگیر نے آنکھیں کھولیں اور سیدھا ہو کر ان کی طرف گھوما۔

"داداجان، مجھے اپنی زمین کے کاغذات چاہیے۔میں وہاں اسکول بنانا چاہتا ہوں۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"میں پیسے دے رہا ہوں پھر۔۔۔"

"داداجان میں خود دیکھ لوں گا آپ فکر نہ کریں۔میں نے ماہ پارہ کی ذمہ داری لی ہے، میں اکیلا ہی اس ذمہ داری کو نبھالوں گا۔" جہانگیر نے مسکرا کر ان کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

"بالکل مجھے اپنے مستقبل کے سردار پر یقین ہے۔"ان کے انداز پر جہانگیر ہنس پڑا۔وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر دستک دینے کے بعد جہانگیر دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر داخل ہوا۔ماہ پارہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے ہاتھ میں کتاب تھی اور وہ اس کتاب کو پڑھنے میں مگن تھی۔ جہانگیر کے دستک دینے سے لے کر اس کا کمرے میں آنے تک اس کو کوئی خبر نہیں ہوئی۔

وہ آیا اس کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا۔وہ اس کے اتنا قریب بیٹھا کہ وہ اس کی سانسیں سن سکتا تھا۔کچھ دیر بعد ماہ پارہ کو پرفیوم کی خوشبو سے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔وہ چونک گئی، کتاب سامنے سے ہٹا کر اس کی طرف گردن موڑ دی۔جہانگیر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نظروں کا تبادلہ ہوا۔سیاہ آنکھیں سنہری آنکھوں سی ملیں۔وہ ٹھہر سا گیا۔یہ دوسری بار تھا جب جہانگیر نے اس کی آنکھوں کو اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ان سنہری آنکھوں میں کیا نہیں تھا؟

اسے اپنے اتنا قریب بیٹھا دیکھ کر ماہ پارہ ہچکچا کر تھوڑا دور ہوئی تو جہانگیر ہوش کی دنیا میں آیا۔ وہ حیران تھا کہ اسے کیا ہو گیا تھا۔ سب کچھ دھندلا تھا حتیٰ کہ اس کا چہرہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ کچھ نظر آرہا تھا تو صرف وہی دو سنہری آنکھیں۔۔۔

"اُف اس کی آنکھیں جادو کرتی ہیں۔" جہانگیر اپنے دل میں صرف یہ کہہ سکا۔

"آپ کچھ کہنے آئے ہیں؟"

"ہاں۔۔۔ وہ آج ہم باہر گھومنے جائیں گے۔"

"کہاں؟" ماہ پارہ نے کتاب بند کر کے بیڈ پر رکھ دی۔

"میلے میں۔ سیف اور رنزہ بھی جا رہے ہیں۔"

"ہم سیف کو نہیں لے کر جائیں گے۔ وہ مجھے تنگ کرتا ہے۔" ماہ پارہ نے منہ بنایا۔

"اس نے تمہیں کب تنگ کیا؟" جہانگیر نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ اس دن میں یہاں آئی تھی جس رات آپ نے ہمیں ان لڑکوں سے بچایا تھا، یہاں بابا نے ہمیں کام سے بھیجا تھا، تب میں خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی، اچانک میرے پیچھے سے کسی نے آپ کا گلدان توڑ دیا تھا۔ وہ میں نہیں تھی، لیکن سیف نے مجھ پر الزام لگا دیا تھا اور اس دن حسن

بھائی اور سیف مجھے جگانے آئے، تب اس نے مجھ پر پانی پھینک کر مجھے جگایا۔" وہ بچوں کی طرح شکایت کر رہی تھی۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

(تو اس رات یہ دونوں میرے گھر سے آرہی تھیں اور ماں سا نے انہیں بغیر کسی گارڈز کے اکیلے بھیج دیا۔)

"میں تیار ہو کر آتی ہوں۔ آپ نیچے میرا انتظار کریں۔"

وہ اٹھ کر الماری کی طرف گئی، الماری کھول کر اس نے جہانگیر کے پسند کیے گئے دو جوڑوں میں سے ایک نکالا اور واشروم چلی گئی۔ جہانگیر وہیں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ماہ پارہ باہر نکل آئی۔ وہ سیاہ رنگ کے قمیض کے ساتھ سیاہ ہی پاجامہ میں ملبوس تھی۔ قمیض پہ سفید رنگ کا کام تھا اور دوپٹہ بھی سفید رنگ کا تھا۔ وہ باہر آئی اور اپنا دوپٹہ کندھے پر ڈال کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"آپ نیچے انتظار کرتے یا کم از کم صوفے پر بیٹھ جاتے۔" وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

جہانگیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ نظریں سامنے دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔ جواب نہ ملنے پر ماہ پارہ نے اپنے بالوں کو برش کرتے ہاتھ روک لیے۔ وہ مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل سے ٹیک لگا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"جہانگیر۔"اس نے دھیمی آواز میں پکارا۔سامنے سے کوئی جواب نہ آیا،وہ اس کے قریب جاکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی،اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلکا سا ہلایا۔"جہانگیر۔"دوبارہ آواز دی۔

"ہاں؟ہاں کہو کیا ہوا؟"اس نے خواب سے نکلتے ہوئے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"جہانگیر میں آپ کو کب سے پکار رہی ہوں،آپ کہاں کھو گئے تھے؟"

ماہ پارہ کے جہانگیر کو بلانے پر ایک بار پھر وہ کسی خواب کے شکنجے میں پھنس گیا۔کسی خوبصورت خواب میں۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھیں مسحور کن تھیں اور اس کی آواز اور بھی خوبصورت اور سحر انگیز تھی۔جب وہ جہانگیر کہتی تھی تو ایسا لگتا تھا کہ جہانگیر کی ساری دنیا رک گئی ہو جیسے آس پاس کی تمام آوازیں آنا بند ہو گئی ہیں اور صرف ماہ پارہ کی آواز ہی سنائی دے رہی ہے۔

"جہانگیر آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔"وہ فکر مندی سے بولی۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں۔ماہ پارہ میں ٹھیک نہیں ہوں۔"وہی کھویا کھویا انداز۔

"پھر رہنے دیں ہم میلے میں نہیں جائیں گے۔"وہ اٹھنے ہی والی تھی کہ جہانگیر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"ہم جارہے ہیں۔ چلو۔" اس کی کلائی چھوڑ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ چاروں اس وقت میلے میں کھڑے تھے۔ وہ پہلی بار کسی میلے میں گئی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔ اس نے ایک بار جہانگیر کے ساتھ میلے میں جانے کی خواہش ظاہر کی تھی، تب کوئی میلا نہیں لگا تھا۔ اب جب اسے معلوم ہوا کہ یہاں بڑا میلہ لگا ہے تو وہ اسے بغیر سوچ سمجھے لے آیا حالانکہ اسے میلوں میں جانا بالکل پسند نہیں تھا۔ جب وہ چھوٹا تھا تو وہ خود نہیں جایا کرتا تھا۔ وہ ہجوم میں گھبراتا تھا لیکن یہ ماہ پارہ کی ایک چھوٹی سی خواہش تھی جسے جہانگیر نے ہر قیمت پر پورا کرنا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی آپ کو سڑکوں پر رنگ برنگے سٹال نظر آئیں گے جو مختلف اشیا اور کھانوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہوا تازہ پکے ہوئے کھانے کی دلکش مہک اور قہقہوں اور چہچہاہٹ کی آوازوں سے معمور تھی۔ بچوں کے چہرے روشن رنگوں اور خالص خوشی کے تاثرات سے رنگے ہوئے تھے۔ وہ بے تابی سے سنسنی خیز سواریوں کے لیے قطار میں کھڑے تھے، ان کی ہنسی میلوں کے میدانوں میں گونج رہی تھی۔

"جہانگیر بھائی مجھے جھولے میں بیٹھنا ہے۔" رنزا نے خوشی سے کہا۔

"اوئے چھپکلی اس جھولے میں بیٹھ کر دیکھاؤ۔" سیف نے ماہ پارہ کو چڑاتے ہوئے کہا۔

"اوئے موٹے یہ کیا میں کسی بھی جھولے میں بیٹھ سکتی ہوں۔" وہ فخر سے بولی۔

"سیف ماہ پارہ تم دونوں نے وعدہ کیا تھا یہاں آکر نہیں لڑو گے۔" جہانگیر نے سختی سے انہیں ٹوکا تو وہ دونوں چپ ہو گئے۔

جیسے جیسے دن شام میں تبدیل ہوا میلوں کے میدان ایک جادوئی منظر میں بدل گئے۔ رنگ برنگی روشنیوں نے سٹالز اور سواریوں کو سجایا، جس سے پورے علاقے میں گرم جوشی پھیل گئی۔

جہانگیر دور سے رنزہ کو گود میں لیے آرہا تھا، اسے دیکھ کر سیف نے کہا۔

"بس بھائی، میں تھک گیا ہوں اب کچھ کھا لیتے ہیں۔" سیف تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ لذیذ کھانوں کی خوشبو سے اسے مزید بھوک لگ رہی تھی۔

"ماہ پارہ کہاں ہے وہ تو تمہارے ساتھ تھی۔" جہانگیر نے ادھر اُدھر دیکھا ماہ پارہ کہیں نہیں تھی۔ اس کا دل دھڑک اٹھا۔ اس نے رنزہ کو نیچے اتارا۔

"وہ۔۔۔بھائی ابھی تو یہیں تھی۔" سیف بھی پریشان ہوا۔

"ابھی یہیں تھی تو کہاں گئی؟" جہانگیر دبا دبا سا چلایا۔

"بھائی مجھے کیا معلوم۔ میں ان فنکاروں کو دیکھنے میں مصروف تھا۔ وہ بھی میرے پاس ہی کھڑی تھی۔" وہ گھبرایا ہوا تھا، جہانگیر لب کاٹے اسے دیکھتا رہا۔

اس نے رنزہ کا ہاتھ سیف کے ہاتھ میں دے دیا۔ "رنزا کا ہاتھ پکڑو اور اس کا خیال رکھنا۔ میں ماہ پارہ کو ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ دوبارہ کسی فنکار کو دیکھنے میں مصروف مت ہونا۔" وہ سیف کو تنبیہ کرتے ہوئے وہاں سے نکلا۔

وہ اسے مسلسل پندرہ منٹ سے ڈھونڈ رہا تھا وہ کہیں نہیں تھی جہانگیر تقریباً آدھا میلا دیکھ چکا تھا۔ اسے اپنی پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ وہ لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ اس کے دل کو کچھ چبھا وہ لب کاٹے پورے میلے میں اپنی نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ وہ کہیں نہیں تھی، کہیں نہیں۔

ایک دم فضا میں چیخوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ دور میلے کے بہت پیچھے والے حصے میں آگ لگی ہوئی تھی، لوگ وہاں سے بھاگ کر میلے کے گیٹ کی طرف آ رہے تھے۔ جہانگیر نفی میں گردن ہلا رہا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ ماہ پارہ کا کچھ پتہ نہیں اور اب یہ آگ؟ اس نے فوراً رنزا اور سیف کے بارے میں سوچا، پیچھے مڑے بغیر اس نے چند قدم پیچھے لیے اور لیتا گیا پھر وہ مڑا اور اس طرف بھاگا۔

کیا اس نے کھو دیا ماہ پارہ کو؟

کیا اس کی لاپرواہی کی وجہ سے یہ سب ہوا؟

یا شاید آج اس کا غرور ٹوٹا تھا۔ اسے شاید خود پر کچھ زیادہ ہی اعتماد تھا۔

جہانگیر بھاگتا ہوا واپس سیف کے پاس آیا۔

"چلو فوراً گاڑی میں بیٹھو۔" اس نے رنزہ کا ہاتھ تھاما۔

"لیکن بھائی ماہ پارہ؟" وہ چلتے چلتے پوچھ رہا تھا۔

"میں نے کہا گاڑی میں بیٹھو۔" جہانگیر اس پر چیخا۔ سیف نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور خاموشی سے جیپ میں بیٹھ گیا۔

وہ گاڑی تیزی سے حویلی کی طرف بڑھا رہا تھا۔ اگر وہ اکیلا ہوتا تو کبھی ماہ پارہ کو اس طرح نہ چھوڑتا۔ اسٹیئرنگ وہیل پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ اس کی نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ مضطرب دیکھائی دے رہا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے اپنے چہرے کا پسینہ صاف کر رہا تھا۔ حویلی آچکی تھی۔ جہانگیر نے بریک لگائی، گاری چرچراتے ہوئے رکی۔ اس نے حویلی کے باہر جیپ روکی تھی۔ اس نے گارڈز کو اشارہ کیا انہیں حویلی کے اندر لے جائے۔ وہ دونوں ابھی جیپ سے اترے ہی تھے کہ جہانگیر نے جیپ واپس تیزی سے میلے کی طرف بڑھائی۔

گارڈز نے پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر سیف کی طرف۔ سیف نے سب بتا دیا۔ ایک گارڈ انہیں حویلی کے اندر چھوڑ گیا اور باقی تمام گارڈز جیپ میں بیٹھ کر جہانگیر کے پیچھے چل پڑے۔

"میں تمہیں کچھ ہونے نہیں دوں گا۔" وہ بڑابڑیا۔ "انہوں نے میری کمزوری پر وار کیا ہے۔ میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ ایک ایک کر کے حساب لوں گا۔" وہ روکا، اس نے اپنی بات پہ غور کیا۔

تو کیا ماہ پارہ اس کی کمزوری بن گئی تھی؟ اور اس کی کمزوری اتنی صاف نظر آ رہی تھی کہ سیدھا اس کی کمزوری پر وار کیا گیا تھا؟

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" اس کا گردن نفی میں ہل رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ "اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ وہیں کہیں ہو گی، ہاں وہیں ہو گی۔" وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس کو قائل کر رہا ہے۔ حسب معمول وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا، اسے ایسا لگا جیسے ساری آکسیجن ختم ہو گئی ہو۔

وہ میلے میں واپس آ چکا تھا۔ آگ ابھی بھی نہیں بجھی تھی۔ میلے کے باہر لوگ نسبت کچھ دیر پہلے کم دیکھائی دے رہے تھے۔ ہر طرف دھواں تھا، سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ اگر وہاں کوئی انسان ہوتا تو اس کے زندہ واپس آنے کے امکانات بہت کم تھے یا شاید تھے ہی نہیں۔ جہانگیر لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ اسی وقت اس کے گارڈز بھی یہاں آ چکے تھے۔ انہوں نے جہانگیر کو دیکھا، جو خالی نظروں سے میلے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اتنے کم وقت میں سب جل گیا تھا۔ وہ بے اختیار نیچے گھٹنوں کے بل بیٹھا۔ اب وہ دھیرے دھیرے سانس لے رہا تھا جیسے اس کی سانس آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہو۔

"کاش میں اسے یہاں نہ لاتا۔ یہ سب میرا قصور ہے، مجھے اسے اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہیے تھا۔ ہر کوئی میری کمزوری پر وار کرتا ہے، پھر بھی میں نے اسے بننے دیا۔" دو آنسو اس کے گال پر گرے، پھر ایک ایک کر کے آنسوؤں کی آبشار بہنے لگی۔

کیا کہانی ختم ہو گئی؟

کیا سب کچھ یہیں تک تھا؟

اس کے خواب، اس کی خواہشیں سب ادھوری رہ گئیں؟

"چھوٹے سردار؟" وہاں کھڑا گارڈ اس کے پاس آیا، جھک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ خاموش رہا۔ بالکل خاموش۔

"شاید یہ لوگ ماہ پارہ کو پہلے ہی اٹھا چکے ہیں اور آگ لگا کر آپ کی توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" وہ امید

سے کہہ رہا تھا۔

جہانگیر کے بھنویں بھینچ گئیں۔ اس نے اپنے سرخ ہوتی آنکھیں کو اٹھا کر اسے دیکھا ایک امید سے ،شاید ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی میں ماہ پارہ کو منظر سے ہٹا کر یہ سازش چلی ہو۔ گارڈ نے اس کی طرف دیکھا اور سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ گارڈ کی مدد سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے

قدم لڑکھڑا گئے لیکن وہ بیک وقت سنبھل گیا۔اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے جائے۔وہ مطمئن نہیں تھا۔وہ اب بھی پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔جیپ کے پاس پہنچ کر وہ رکا اور ایک آخری بار پیچھے مڑ کر دیکھا۔آنکھیں بند کر لیں اور گہری سانس اندر کھینچ کر واپس آنکھیں کھول لیں، جیپ میں بیٹھ گیا۔

☆...☆...☆

جہانگیر حویلی کے اندر موجود تھا۔سر جھکائے مجرم کی طرح۔گھر کے تمام افراد اس کے گرد جمع تھے۔

"مجھے تم سے اتنی لاپرواہی کی امید نہیں تھی جہانگیر تم ایسی حرکت کیسے کر سکتے ہو؟"امان اللہ نے غصے سے کہا اور وہ بس خاموشی سے سن رہا تھا۔

"جب تم ذمہ داری نہیں لے سکتے تو تم نے اس سے شادی کیوں کی؟"داؤد طنزیہ انداز میں بولے۔

"میں نے تو کہا تھا اسے واپس مت بلانا۔اپنی ممتا چھوڑ دیتی تو آج یہ دن دیکھنے کو نہیں ملتا۔وہاں بیٹھے کچھ بن کر آتا۔رہ لیتی کچھ سال اور اس کے بغیر، مر نہیں جاتی۔"انہوں نے جہانگیر کو کچھ نہیں کہا سب امینہ سے کہہ رہے تھے۔

"ایک معمولی سی گاؤں کی لڑکی کے لیے۔۔۔"

"ماں سا!" وہ اتنے وقت میں پہلی بار بولا۔

"وہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے، بیوی ہے وہ میری۔" وہ ہر لفظ چبا چبا کر بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس نے بے یقینی سے اپنی ماں کی طرف دیکھا تھا جو اس کی حالت سمجھنے کے بجائے اس سے بحث کر رہی تھیں۔

جواباً وہ سینے پہ بازو لپیٹے، بڑابڑا کر رہ گئیں۔

"اب تم کیا کرو گے؟" امان اللہ اب کی نرمی سے بولے۔

"انتظار!" مختصر جواب دینے کے بعد وہ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں گیا اور دروازہ زور سے بند کر دیا۔ وہ اس وقت اکیلا رہنا چاہتا تھا۔ بالکل تنہا۔۔۔

☆...☆...☆

صبح آسمان دھیرے دھیرے خود کو نیلے رنگ میں ڈھل رہا تھا۔ فجر کی اذان بلند ہو چکی تھی۔ جہانگیر بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ چھت کو گھور رہا تھا۔ وہ پوری رات نہیں سویا تھا۔ وہ سو ہی نہیں سکا تھا۔ وہ ساری رات کروٹ بدلتا رہا۔ ماہ پارہ کا کچھ پتا نہیں تھا تو وہ کیسے سکون سے سو سکتا تھا۔ عام طور پر وہ مسجد جا کر نماز پڑھتا تھا لیکن آج وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھنا چاہتا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھا اور وضو کرنے واش روم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ وضو کر کے آیا تو اس کے ہاتھ میں ٹاول تھا۔ وہ اپنا چہرا خشک کر رہا تھا۔ آستینوں کو کہنی تک چڑھائی ہوئی تھیں جسے وہ اب نیچے کر رہا تھا۔ الماری سے جائے نماز نکال کر بچھائی۔ اور نیت باندھ کر نماز شروع کر دی کچھ دیر بعد اس نے سلام پھیرا پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ وہ آنکھیں بند کیے دعا مانگ رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ جہانگیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کسی نے کمرے کا دروازہ کھولا، قدموں کی آواز آئی کوئی آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی گود میں ایک کاغذ رکھ دیا۔ جہانگیر کی آنکھ فوراً کھل گئی۔ اس نے دعا مانگنے والا ہاتھ ہٹا کر گود میں پڑے کاغذ کو دیکھا۔ پھر جہانگیر نے سوالیہ نظروں سے اپنے پاس بیٹھے حسن کی طرف دیکھا۔ وہ چپ رہا۔ جہانگیر نے دوبارہ کاغذ کی طرف دیکھا۔

وہ کانپتے ہاتھوں سے کاغذ کھول رہا تھا۔ اس نے پہلی سطر پڑھی، پھر دوسری، اور پھر وہ پڑھتا گیا۔ اس کا دل دھڑک اٹھا۔ جیسے جیسے وہ آگے پڑھ رہا تھا اس کے چہرے کا رنگ بھی بدلتا گیا۔ اس کے جبڑے بھینچ گئے۔ اس کی کنپٹی کی رگیں اُبھر آئیں۔ وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ غصہ اس کے اندر بھڑکتی آگ کی طرح سلگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ حسن بھی اسے دیکھ کر کھڑا ہوا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے شانت کرنا چاہا۔

"بھائی آرام سے کام لیں۔۔ یہ ماہ پارہ کی زندگی کا سوال ہے۔"

"آرام سے ہی کام لوں گا، تم فکر مت کرو۔" وہ اپنے اندر کی بھڑکتی آگ کو باہر آنے نہیں دے رہا تھا۔

اس نے حسن سے کہا کہ وہ دادا جان کو اس کے کمرے میں بھیج دے صرف وہی جانتے ہوں گے ان سب کے پیچھے کون ہو سکتا ہے۔

اس وقت امان اللہ جہانگیر کے ساتھ صوفہ چیئر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"دادا جان، یہ خط۔" جہانگیر نے انہیں خط تھمایا۔ "یہ پڑھیں اور بتائیں یہ کس گاؤں کا ہو سکتا ہے۔"

امان اللہ ایک ایک لفظ کو غور سے پڑھ رہے تھے۔ جہانگیر لب دانتوں تلے دبائے ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"یہ دیکھو۔" انہوں نے صفحہ کی آخری سطر پر انگلی رکھ دی۔ "یہاں صاف لکھا ہے خادم علی کی پھپھو۔۔ یہ دوسرے گاؤں کی سردار کی بیوی ہے اور وجہ بھی دیکھو صاف لکھا ہے۔" جہانگیر نے ان کے ہاتھ سے خط لیا اور اسے دوبارہ غور سے پڑھا۔ وہ اب سمجھ گیا کہ وہ عورت کیا چاہتی ہے۔

"خادم علی کی پھوپھو؟ وہ کب آئی ان سب میں؟" آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

"وہ اس گاؤں کے پیچھے ہے جب سے تم آٹھ سال پہلے یہاں سے چلے گئے ہو۔ اس پورے گاؤں میں تم واحد

شخص ہو جو گاؤں والوں کو بدلنے پر تلے ہوئے ہو۔۔ اور وہ عورت شروع سے جو کچھ ہو رہا ہے اسے بدلنا نہیں چاہتی۔" انہوں نے گہری سانس لیا۔ "اپنے شوہر کی موت کے بعد وہ اکیلی اپنے گاؤں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور وہ گاؤں میں کسی اور کو سردار بنتے دیکھنا برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ بہت خطرناک ہے اس سے الجھنا۔۔۔" انہوں نے گردن نفی میں ہلائی۔

"تو ان سب میں ماہ پارہ کا کیا قصور تھا؟" وہ اب بھی نہیں سمجھا۔

"دیکھو بیٹا!" وہ اب قدرے سنجیدہ ہو گئے۔ "یہ واضح ہے کہ تم نے اسکول بنانے کا کہا۔ ہمارے گاؤں کے کچھ لوگوں نے مخالف گاؤں والوں کو بتایا ہو گا اور شاید یہ ان کے اصولوں کے خلاف ہو گا اور یہ سب کس کی وجہ سے شروع ہوا تھا؟ ماہ پارہ کی وجہ سے، تو بس اسی لیے اسے اٹھالیا اور اب تمہیں دھمکی دے رہی ہے۔ اس کو تم سے مسئلہ ہے اور شاید وہ اس کا بدلہ ماہ پارہ سے لے رہی ہے یا شاید وہ چاہتی ہے کہ تم ان سب سے پیچھے ہٹ جاؤ۔"

"لیکن دادا جان، یہ اسکول۔۔۔"

انہوں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اسکول بنانے کا کام چھوڑ دو۔ کیا یہ ماہ پارہ سے بڑھ کر ہے؟"

"بالکل نہیں۔"اس نے نفی میں سر ہلایا۔"اگر میں یہ کام روک بھی دوں تو کیا وہ ماہ پارہ کو واپس بھیج دیں گی؟"

"تمہارے نکاح میں ہے، ظاہر ہے چھوڑ دے گی۔"امان اللہ مطمئن تھے۔

"میں اس طرح خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔میں خود جا کر اسے لے آؤں گا۔"جب وہ اٹھا تو امان اللہ نے اسے دوبارہ بٹھایا۔

"تمہیں لگتا ہے ان لوگوں نے اپنے گھر میں اسے باعزت رکھا ہوگا۔"ان کی بات سن کر جہانگیر کے بھنویں تن گئی۔چہرے پر ناسمجھی کے تاثرات نمودار ہوئے۔

"ظاہر ہے انہوں اسے کہیں باندھ کر رکھا ہوگا۔تم پیچھے ہٹو،بند کرو اسکول کا کام اور یہ زمین اسے بھی چھوڑ دو،وہ

خود اسے تمہارے گھر پر چھوڑ دے گی۔"انہوں نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا۔

"تو آپ کچھ نہیں کر سکتے؟وہ آپ کے گاؤں سے آپ کی ہی بہو کو اٹھا کر لے گئے اور آپ خاموش رہیں گے؟"

"میں زیادہ سے زیادہ ان سے جا کر لڑ سکتا ہوں پھر دشمنی بڑھے گی اور اس سے ہمارے آنے والے نسلیں برباد ہوں گی۔"انہوں نے شانے اچکائے۔

بات ان کی ٹھیک تھی لیکن جہانگیر کو اب بھی ماہ پارہ کی فکر تھی لیکن وہ انتظار کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

☆...☆...☆

ایک ہفتے بعد

ملحقہ اسٹڈی روم کی لائٹ جل رہی تھی۔ کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی اتنی خاموشی کہ سانس لینے کی آواز تک آتی۔ جہانگیر نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے جیسے ان پر برش پھیرنے کی زحمت ہی نہ کی ہو۔ اس نے اس وقت سیاہ رنگ کی ہاف سلیو شرٹ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ مرجھایا ہوا چہرہ، گویا زمانے بھر کے دکھ سمیٹ لیے ہوں۔

میز پر سب چیزیں بکھری پڑی تھیں، اس کی چائے جس کا اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا، وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی اور ٹائپ رائٹر میں جیسے وہ کچھ لکھتے ہوئے رک گیا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے۔ وہ سارا ہفتہ پریشان رہا تھا۔ وہ کوئی کام ٹھیک سے نہیں کر پا رہا تھا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک بار، دو بار، تین بار۔۔ کوئی جواب نہیں ملا، پھر جیسے اس کے صبر نے جواب دیا۔ اس نے دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا اور جہانگیر

کے سامنے والی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ وہ انتظار کر رہا تھا۔ اس نے میز پر دو بار دستک دی۔ جہانگیر نے آنکھیں کھولیں۔ اسکی آنکھیں

سرخ ہو رہی تھیں۔ گویا وہ برسوں سے سویا ہی نہیں تھا۔ سخت ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے میں جب یہاں ہوتا ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔" انداز دو ٹوک تھا۔

"اور آپ کو بھی پتا ہے یہاں آنے کی اجازت صرف مجھے ہے اور یہ آپ نے ہی دی ہے۔" اس نے جیسے چہرے پر دنیا بھر کی معصومیت سمیٹا ہوا تھا۔

"کیا کہنے آئے ہو؟" اس نے آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔

"میں نے سوچا آپ سے باتیں کر لوں۔" قدرے توقف سے بولا۔ "ماہ پارہ کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟"

جہانگیر نے کچھ نہیں کہا۔ اس پر اداسی کی لہر دوڑ گئی۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ جس سوال سے وہ بچ رہا تھا، خود سے بھی، بلآخر وہ سوال کسی نے پوچھ لیا۔ اس نے ایک لمبی آہ بھری۔

"وہ جادو گرنی ہے حسن۔" ایک لمحے کے لیے رک کر آنکھیں کھولیں۔ "وہ جادو کرتی ہے۔ وہ بہت بری ہے۔ مجھے اتنے کم وقت میں اس کی عادت ہو گئی ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو کچھ بھی ٹھیک نہیں لگتا۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن وہ جادو گرنی کیسے ہوئی؟" قدرے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"اس کی آنکھوں میں کچھ ہے حسن۔ وہ اپنی آنکھوں سے مجھ پر جادو کرتی ہے۔ صرف ایک نظر وہ مجھ پر ڈالتی ہے اور لگتا ہے کہ اس نے مجھے اپنی آنکھوں میں قید کر لیا ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرایا جیسے اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور حسن غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"میں نہ کچھ سوچ پاتا ہوں نہ سمجھ پاتا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی احساس نہیں ہوتا میرے ارد گرد کیا ہو رہا ہے، اور وہ جو کہتی رہتی ہے میں اس کے ہاں میں ہاں ملاتا جاتا ہوں۔ یہ جادو ہی تو ہوا۔" وہ اتنی معصومیت سے بولا کہ حسن

مسکرانے پر مجبور ہو گیا۔ وہ آج اسے سننا چاہتا تھا کیونکہ جہانگیر اپنے دل کی بات کم ہی کرتا تھا۔

"اور اس کی آواز بھی۔" اسے جیسے یاد آیا۔ "وہ جب بھی اپنی خوبصورت آواز سے جہانگیر کہہ کر پکارتی تھی، ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنی آواز سے جادو کر رہی ہے۔" وہ آنکھیں کھول کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "آنکھوں سے کم تھا کہ وہ اب اپنی آواز سے بھی مجھ پر جادو کرنے لگی ہے۔" آخر میں اس نے قدرے مصنوعی خفگی دکھائی۔

"دو ہفتوں سے میں نے اس کے منہ سے اپنا نام نہیں سنا۔یوں لگ رہا ہے میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا۔"

"بھائی کیا آپ اظہار محبت کر رہے ہیں؟"حسن نے شرارت سے پوچھا۔

جہانگیر بغیر برامانے سر نفی میں ہلایا۔"نہیں حسن ہمارا رشتہ محبت سے بھی آگے کا ہے۔"

کچھ پل کمرے میں خاموشی چھاگئی۔جہانگیر میز میں رکھی چائے جو دیکھ رہا تھا اور حسن جہانگیر کو۔

"میں یہاں۔۔۔ایک۔۔۔خبر سنانے آیا ہوں۔"وہ ہچکچایا۔

"بات کو مت گھماؤ۔کھل کر کہو۔"اس نے کہنیاں میز پر رکھیں۔

"زائشہ آئی ہے۔۔۔"جہانگیر نے آگے بولنے کا اشارہ کیا۔"اور بابا چاہتے ہیں کہ ہم ان سے۔۔۔"

"اچھا سمجھ گیا۔"وہ کھڑا ہو گیا۔"آگے کہنے کی ضرورنہیں ہے،اپنا اور میرا وقت ضائع کرنے والے تھے۔"

وہ دونوں ایک ساتھ دروازے تک آئے اور اسٹڈی روم سے نکل کر کمرے کے دروازے تک آئے۔حسن نے تعجب سے جہانگیر کو دیکھا۔

"آپ کیا سمجھے ؟یہی نا کہ ہمیں ان کو آپ کے نکاح کے بارے میں کچھ نہیں بتانا۔" جہانگیر کمرے سے باہر نکل کر ریلنگ پکڑ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"نہیں،یہی کہ ہمیں اسے اطلاع دینی چاہیے۔اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں شادی شدہ ہوں۔" اس نے فوراًانکار کر دیا۔

سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر حسن نے اسے روکا۔اس کی آواز کانپ رہی تھی۔وہ کسی بھی طرح جہانگیر کو روکنا چاہتا تھا۔

"بھائی رک جائیں۔" جہانگیر رک گیا لیکن پلٹا نہیں۔"آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔بابا نے کہا۔۔۔"

جہانگیر سر جھکا کر نیچے دیکھ رہا تھا۔" بابا نے یہی کہا ہے ناں کہ جہانگیر کو اس بات پر قائل کرو؟" حسن نے اثبات میں سر ہلایا۔"اگر میں نہ مانوں تو بابا کیا کریں گے ؟"اب وہ پلٹ گیا۔

اس نے اداسی سے کہا۔"وہ مجھے مصر جانے سے روکیں گے۔"اس سب میں وہ بے قصور تھا لیکن وہ پھر بھی ایک مجرم کی طرح کھڑا تھا۔

"حسن !تمہارا ویزا پاسپورٹ سب تیار ہے۔تم اگلے مہینے جانے والے ہو،انہوں نے تم سے ایسے ہی کہہ دیا ہو گا۔"

حسن نے نفی میں سر ہلایا۔"سب پھاڑ کر جلا دیا۔"

جہانگیر کی آنکھیں بے اعتباری سے پھیل گئیں۔جہانگیر کو لگا کہ اس نے غلط سنا ہے یا شاید وہ مزاق کر رہا ہے۔اس کے بابا جوان کے پڑھائی کے معاملے میں اتنے سنجیدہ نظر آتے تھے،وہ ایسا کیسے کر سکتے تھے؟ وہ حسن کو کہنی سے پکڑ کر کمرے میں لے آیا۔

"پوری بات بتاؤ۔"اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"صرف یہ نہیں،آپ کو۔۔۔زائشہ سے۔۔۔نکاح۔۔۔"

جہانگیر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا،وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کمرے میں ٹہلتا رہا۔وہ بچہ نہیں تھا جو اس سے آگے نہ سمجھ سکتا۔

"اور تمہارا ویزا پاسپورٹ کیسے واپس آئے گا؟"سرد لہجے میں پوچھا۔غصہ اب بھی سوار تھا۔

"وہ سب مجھے نہیں معلوم،بس آپ۔۔۔پلیز۔"اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔

"انہیں اچانک یہ خیال کیوں آیا؟ کل تک ہمارے رشتے کے بارے میں کوئی نہیں سوچ رہا تھا۔یہ سب ایک سازش ہے۔"اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور آنکھیں بند کر کے کھول دیں۔

وہ چونک گیا۔"بھائی ان کے ساتھ آپ کا نکاح بچپن میں طے ہو گیا تھا۔"

جہانگیر کو ان کے درمیان ہونے والی گفتگو یاد آگئی۔اس کا سر نفی میں ہلا۔وہ دوبارہ ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔

"بھائی کیا آپ اسے کچھ دنوں کے لیے نہیں بھول سکتے؟"

"اس کو بھول جاؤں؟یعنی میں مر جاؤں؟"جہانگیر نے بلند آواز میں کہا۔

"پلیز بھائی۔۔۔خدا کے لیے میری بات مان جائیں۔"اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

"ہر کوئی۔۔۔ہر کوئی میری کمزوری پر وار کرتا ہے۔وہ جانتے ہیں کہ میں اپنے لوگوں کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتا ہوں۔سب جان بوجھ کر میرے ساتھ غلط کرتے ہیں۔"وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر ہر لفظ چبا چبا کر رہا تھا۔

وہ بے دلی سے ریلنگ پکڑے نیچے اتر رہا تھا۔دنیا سے بیزار،خود سے بیزار،وہ بس سب کچھ جلدی ختم کر کے واپس اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا۔وہ آخری سیڑھی پر تھا جب اس نے زائشہ کو اپنے قریب آتے دیکھا۔چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمودار ہوئے۔یہاں تک کہ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔وہ اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔

وہ چہکتے ہوئے آگے آئی۔"اسلام و علیکم جہانگیر۔"اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

جہانگیر نے جیب میں ہاتھ ڈالے اور سلام کے جواب میں سر ہلایا۔اس نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ واپس لے لیا۔

"جہانگیر تم ناراض ہو؟"اسے برا لگا کہ جہانگیر اسے بار بار نظر انداز کر رہا تھا۔

جہانگیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"جہانگیر کچھ بولو۔"وہ جھنجھلا گئی۔

"تم ہی بتاؤ میں اس وقت کیا کہوں؟"لہجہ خشک تھا۔

"کیا تم ہمارے رشتے سے خوش نہیں ہو؟"

جہانگیر نے کندھے اچکائے۔"پتا نہیں۔"

اس کے بعد زائشہ وہاں سے چلی گئی۔اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔وہ خوش تھی کہ کم از کم جہانگیر اس سے مل رہا تھا۔وہ واپس جا کر داؤد اور امینہ کے پاس بیٹھ گئی۔جہانگیر بھی اداس چہرے کے ساتھ وہاں آیا۔ذوالقرنین (زائشہ کے والد)اور امان اللہ نے تاریخ طے کر دی تھی۔انہوں نے سادگی سے نکاح کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے بعد سب بڑے دھوم دھام سے کریں گے۔

جہانگیر وہاں بیٹھے تمام لوگوں پر ایک کڑی نظر ڈال رہا تھا۔وہ بالکل خوش نہیں تھا اور نہ ہی خوش ہونے کا اداکاری کر سکتا تھا۔وہ جبڑے بھینچے بے دلی سے وہاں بیٹھا تھا۔

زائشہ اور ذوالقرنین کے جانے کے بعد جہانگیر نے ان سے پوچھا کہ وہ ماہ پارہ کو کیا جواب دے؟ جس پر امینہ سختی سے کہتی ہے کہ اس کے آنے نہ آنے سے کچھ نہیں ہو گا اور ویسے بھی اس نے اس سے شادی صرف ماہ پارہ کی جان بچانے کے لیے کی تھی، وہ اسے بعد میں چھوڑ سکتا ہے۔ اسے ابھی نئ زندگی شروع کرنی ہے وہ بھی زائشہ کے ساتھ۔ امینہ نے ماں ہونے کا فائدہ اٹھایا اور اسے جذباتی طور پر بلیک میل کیا۔ کچھ دن ناراض رہنے کے بعد جہانگیر کو ہاں کہنے پر مجبور ہونا پڑا۔ حسن کے ویزا اور پاسپورٹ کا بھی سوال تھا، وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ماہ پارہ یہاں ہوتی تو منع کر دیتی، وہ کچھ کر لیتی تو یہ شادی نہ ہوتی۔

☆...☆...☆

نکاح کا دن

سوٹ میں ملبوس کھڑا جہانگیر آئینے میں خود کو دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ سب کچھ بیزاریت، بے دلی اور مجبوراً کر رہا تھا۔ ماہ پارہ کی کوئی خبر نہیں تھی اور اس کی غیر موجودگی میں یہ نکاح اسے سب غلط لگ رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کی وجہ سے اپنی ماں کی وجہ سے مجبور تھا۔ وہ بے بس تھا۔ اس کے دل سے بس یہی دعا نکل رہی تھی کہ ماہ پارہ آجائے، بس کہیں سے بھی آئے، وہ آئے ایک بار۔ وہ روک دے اس نکاح کو۔ وہ روک سکتی تھی۔

اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔اس نے خود کو پر سکون کیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔وہ ہینڈل پر ہاتھ رکھنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔وہ حسن تھا۔وہ خوش نظر نہیں آرہا تھا کیونکہ صرف اس کی خود غرضی کی وجہ سے جہانگیر نکاح کرنے کے لیے مجبور ہو گیا تھا۔

"سب نیچے انتظار کر رہے ہیں۔" وہ جہانگیر سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ "اور دادا جان شہر گئے ہیں کسی کام سے تو۔۔۔"

جہانگیر نے سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

حسن جس راستے سے آیا تھا واپس مڑ گیا۔جہانگیر لب بھینچ کر کچھ دیر وہی کھڑا رہا، پھر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔نیچے کا منظر دیکھ کر وہ اور بے دلی سے قدم اٹھا رہا تھا۔ سجاوٹ، عروسی لباس میں ملبوس زائشہ ارد گرد کے مہمان سب کے مسکراتے چہرے یہ سب اسے سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

حویلی کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔زائشہ سفید لباس میں ملبوس تھی۔وہ خوبصورت لگ رہی تھی، بہت خوبصورت، لیکن وہ جہانگیر کو اپنی خوبصورتی سے قائل نہیں کر سکتی تھی۔اسے اس وقت کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی،اس کا سب سے بڑا خواب پورا ہونے والا تھا، آخر کار اس کی شادی جہانگیر سے ہونے والی تھی۔وہ بس یہی سوچ کر خوش تھی۔

نکاح کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ قاضی نکاح کے کلمات پڑھ رہے تھے۔ جہانگیر کا دل دھڑک رہا تھا جیسے اس نے ہاں کہا تو اگلے ہی لمحے اس کا دل بند ہو جائے گا۔ وہ مٹھی بند کیے بیٹھا تھا۔ پچھلے دس دنوں سے نیند نہ آنے کی وجہ سے وہ شدید سر درد میں مبتلا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

ایک بار، دو بار، جب وہ تیسری بار رضامندی کے لیے اپنے لب کھولنے ہی والا تھا کہ ہوا میں دو تین گولیوں کی آواز گونجی۔ وہ برف کے مجسمے کی طرح ساکت رہا۔ حرکت کرنے سے قاصر۔ گھر والے سب اکٹھے ہو گئے۔ گھر والوں، کچھ قریبی مہمانوں کے چہروں پر خوف کا سایہ پھیل گیا۔

حسن جھٹکے سے جہانگیر کو ہوش میں لایا۔

"بھائی باہر گولی۔۔۔ شاید۔۔۔" الفاظ جیسے ختم ہو گئے تھے۔

جہانگیر فوراً اٹھا اور باہر کی طرف بھاگا۔

گیٹ پہ گارڈز موجود نہیں تھے۔ جہانگیر آنکھیں سکیڑ کر گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس لمحے اسے یہ سب سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ خوش تھا۔ اسے یقین تھا ماہ پارہ کو لے آئے ہیں۔ وہ صحیح سلامت ہو گی۔ ہاں یا شاید نہیں۔

وہ گیٹ پر آیا اور گیٹ کھول کر باہر چلا گیا۔ باہر کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ ماہ پارہ بے ہوش اور زخمی ہو کر زمین پر پڑی تھی۔ چاروں طرف دھواں ہی دھواں تھا، جیسے ابھی اسی وقت ماہ پارہ کو جیپ سے اتار کر جیپ کو تیزی سے بھگا دیا ہو۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے

قریب آیا، گھٹنوں کے بل بیٹھا اور اسے اپنی بانہوں میں لے کر واپس حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What’s up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

وہ سب کو نظر انداز کرتے ہوئے جلدی جلدی سیڑھیاں عبور کر رہا تھا۔ حسن اس کے پیچھے لپکا۔ وہ کمرے میں آیا، حسن نے کمرے کا دروازہ کھولا، وہ فوراً اندر گیا اور اسے بیڈ پر لٹا دیا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے تھی اور یہ اسے پر سکون کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے حسن کو گلے لگایا، وہ خوش تھا کیونکہ وہ صحیح وقت

پر آئی تھی۔

نیچے سب شاکڈ تھے۔ اچانک ماہ پارہ کا عین نکاح کے وقت آنا، ان کو عجیب لگا۔ زائشہ ابھی تک ان سیڑھیوں کو دیکھ رہی تھی جہاں سے جہانگیر ابھی اوپر گیا تھا۔ اس کی بانہوں میں ایک لڑکی تھی۔ فکر، ہمدردی، محبت سب کچھ اس لڑکی کے لیے اس کی آنکھوں میں نظر آ رہا تھا۔ اس کا کھلتا چہرا جیسے مرجھا گیا۔ وہ نظریں سیڑھیوں سے ہٹا کر داؤد اور امینہ کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

"وہ کون تھی؟" وہ امینہ سامنے اس امید کے ساتھ آ کر کھڑی ہو گئی کہ امینہ کہے کہ وہ تو ایک عام سی لڑکی ہے اور جہانگیر ہمیشہ کی طرح ہمدردی اور ترس کھا کر اس کی فکر کر رہا تھا۔

امینہ خاموش رہی۔ گردن نفی میں ہل رہی تھی۔ سب کچھ غلط ہو گیا، کاش وہ پانچ منٹ لیٹ ہوتی، کاش!

"بتائیں ناں کون تھی؟" وہ امینہ سے ہٹ کر داؤد کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "ماموں جان، آپ بتایئے کون تھی وہ؟"

داؤدعلوی کا سر جھک گیا۔ وہ شرمندہ نظر آرہے تھے۔ ذوالقرنین اس کے پاس گئے۔

"داؤد، میری بیٹی کیا پوچھ رہی ہے؟ وہ لڑکی کون تھی؟" انہوں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

دونوں ہاتھوں سے ریلنگ پکڑے جہانگیر نے اوپر سے قدرے جھک کر نیچے دیکھا۔ "وہ میری بیوی ہے، جہانگیر داؤدعلوی کی بیوی۔"

زائشہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، جیسے اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا سن رہی ہے۔ وہ چونک کر جہانگیر کی طرف دیکھنے لگی۔

ذوالقرنین نے حیرت سے داؤد کی طرف دیکھا، اس نے صرف جہانگیر کی آواز سنی، اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟ داؤد! اگر وہ پہلے سے شادی شدہ ہے تو تم میری بیٹی کو اتنا بڑا دھوکہ دینے والے تھے۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟" وہ غصے سے چیخے۔

"وہ بچی ہے میں ان کی شادی کو نہیں مانتا۔۔۔"

"تمہارے ماننے نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوگا۔ وہ ہے تو جہانگیر کے نکاح میں، کیا یہ بات بدل جائے گی؟ کیا تم میری بیٹی کو دوسری عورت کا خطاب دینے والے تھے۔" ان کا دل چاہ رہا تھا کہ یہاں سب کچھ جلادے۔

"دیکھیں ناں انکل! بابا نے آپ کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا کیا۔" جہانگیر نے مصنوعی افسوس سے سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔

زائشہ سرخ چہرے کے ساتھ اس تک آئی، اسے کالر سے پکڑ کر اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ ہوتی آنکھوں کو ڈال کر، کڑکتی ہوئی بجلی کی طرح اس پر برس پڑی۔

"تم صرف ایک بار، صرف ایک بار کہتے کہ تمہیں مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں زائشہ ذوالقرنین چوہدری خاموشی سے پیچھے ہٹ جاتی۔ تم نے میری توہین کی، تم نے میری سر عام بے عزتی کی، شادی والے دن تم نے مجھے ٹھکرا دیا۔ میں تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑوں گی جہانگیر داؤد علوی کہیں کا نہیں۔" وہ شیرنی کی طرح دھاڑتی ہوئی بولی۔

جہانگیر نے آہستہ سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹائے اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ بہت پر سکون تھا۔ اب سب کچھ اس کے حساب سے ہو رہا تھا۔

"کیا میں نے تمہیں کبھی کہا ہے کہ مجھے "تم" میں دلچسپی ہے؟ کیا کبھی کوئی امید دلائی کہ میں تمہارا ہاتھ تھاموں گا؟ میں نے تم سے ہمیشہ بے رخی برتی ہمیشہ سخت لہجے میں بات کی مجھے لگا تم مجھے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھو گی لیکن میں غلط تھا۔" اس کے لہجے میں نرمی تھی۔

اس کے اندر غصے کی لہر دوڑ گئی۔ وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے آنسو بہنے کے لیے بے تاب تھے لیکن وہ کبھی کسی مرد کے لیے رونا نہیں چاہے گی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ

جس کو وہ بچپن سے چاہتی تھی، جس کا وہ آٹھ سال سے انتظار کر رہی تھی، پل بھر میں وہ ٹھکرا دے گا۔

وہ مڑی اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اسے یہاں رکنا بے سود لگ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اب نکاح تو کسی صورت نہیں ہو گا۔ ذولقرنین بھی ایک سخت نظر جہانگیر پر ڈال کر وہاں سے نکل گئے۔

☆...☆...☆

وہ کمرے میں آیا، اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر پھینکا، آستینیں کہنی تک موڑی اور پھر بیڈ کی طرف جا کر، نیچے جھک کر ہاتھ کی پشت سے اس کا بخار چیک کیا۔ اسے بہت تیز بخار تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے ٹیلی فون کے پاس جا کر ایک نمبر ڈائل کیا، بیل دوسری طرف جا رہی تھی، کچھ دیر بعد فون کی دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بھابھی حیدر کو فون دیں۔"

"اچھا تو وہ کب آئے گا؟" دوسری طرف حیدر کی غیر موجودگی کا بتایا۔ جہانگیر نے مسز حیدر کو ماہ پارہ کے بخار کے بارے میں بتایا اور وہ آگے سے اسے شہر لے جانے کا کہہ رہی تھی۔

"شکریہ۔" کچھ دیر بات کرنے کے بعد جہانگیر نے فون بند کر دیا۔

وہ مطمئن نظر نہیں آیا۔اس کے ذہن میں ماہ پارہ کو شہر لے جانے کا خیال آیا لیکن فوراً ترک کر دیا۔وہ اسے دوبارہ کھونا نہیں چاہتا، وہ اسے ابھی حویلی سے باہر نہیں لے جا سکتا۔رات کے ایک بج رہے تھے۔جہانگیر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔وہ چھت کو گھور رہا تھا۔ماہ پارہ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔اس کے کان میں آواز پڑی، اس نے نظریں چھت سے ہٹا کر سامنے بیڈ پر لیٹی ماہ پارہ پر مرکوز کر دیں۔وہ بڑبڑا رہی تھی اور شاید ڈر بھی رہی تھی۔جہانگیر اٹھا بیڈ کی طرف گیا۔اسے ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہا تھا۔وہ خوفزدہ تھی اور شاید خوف سے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔جہانگیر نے آہستہ سے ماہ پارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"ماہ پارہ اٹھو اور دیکھو تم حویلی میں ہو۔"

اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں، وہ اب بھی کچھ بڑبڑا رہی تھی لیکن جہانگیر نے جیسے تیسے کر کے اسے دوائی دے دی۔اس نے کھڑکی کے پاس آ کر پردے ہٹائے اور تازہ ہوا لینے کے لیے کھڑکی بھی کھول دی۔وہ ساری رات اس کے پاس بیٹھا رہا۔اس کے لیے بیدار رہا۔اس کا بخار بار بار چیک کیا جا رہا تھا۔جب وہ ڈرتی تو وہ اس کے قریب جاتا اور آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے خوف کو کم کرنے کی کوشش کرتا۔وہ اس کا مکمل خیال رکھ رہا تھا۔نیند کی کمی کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا لیکن اسے اس وقت ماہ پارہ کا خیال رکھنا تھا۔

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ جہانگیر کو سوئے ہوئے بمشکل بیس منٹ ہوئے تھے کہ سورج کی کرنوں سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا ماہ پارہ ابھی تک سو رہی تھی۔ وہ اٹھا، سر پکڑ کر بیڈ کی طرف آیا، جھک کر ہاتھ کی پشت سے بخار چیک کیا۔ اب اس کا بخار اتر چکا تھا۔ اس نے اسے دو تین بار پکارا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ خالی خالی نظروں سے جہانگیر کو دیکھ رہی تھی۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟" وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"میں اب۔۔۔ ٹھیک ہوں۔۔۔ جہانگیر۔" وہ بمشکل بول سکی۔

اور ماہ پارہ کے منہ سے جہانگیر نے اپنا نام سنا تو سکون سے آنکھیں بند کیں۔ گہری سانس لی اور دوبارہ آنکھیں کھولیں تو اس کے چہرے پر ایک خوبصورت مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"میں بھی۔" دھیمی آواز میں کہا۔

"جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ اب تم آرام کرو۔" اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپتھپا دیا اور اٹھ کر پردے کھینچ لیے۔

☆...☆...☆

ڈائننگ روم میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس وقت سب خاموشی سے ناشتہ کر رہے تھے۔

جہانگیر وہاں آیا، کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ سر جھکا کر خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔ داؤد نے مٹھیاں بھینچی، انہوں نے امان اللہ کی طرف دیکھا، امان اللہ نے خاموشی سے ناشتہ کرنے کا اشارہ کیا۔ داؤد نے پلیٹ پر کانٹا پھینک کر نیپکن ہٹایا اور اٹھ کر چلے گئے۔ جہانگیر نے کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموش رہا۔

"انہوں نے اپنی بہن سے وعدہ کیا تھا کہ زائشہ کی شادی جہانگیر سے ہو گی اور تم۔۔۔" امینہ اس کی طرف دیکھے بغیر کہہ رہی تھیں۔

وہ خاموش رہا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہاں سب موجود تھے لیکن حسن نہیں تھا۔ اس نے بمشکل جوس کا گلاس اپنے لبوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں جوس کا پورا گلاس پی لیا۔ وہ اٹھ کر وہاں سے نکل کر لاؤنج میں گیا۔ حسب توقع داؤد بڑے سے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

"مجھے ابھی حسن کا پاسپورٹ اور ویزا چاہیے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

داؤد نے ایک نظر اس پر ڈالی، اخبار میز پر رکھا، ہتھیلیاں باہم پھنسائے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"اگر تم شادی کر لیتے تو میں دے دیتا لیکن شاید اب یہ ممکن نہیں ہے۔ ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی سزا ملنی چاہیے۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ "آپ غلط کر رہے ہیں مجھے ابھی اسی وقت اس کے تمام ڈاکومنٹس چاہییے۔"

"اپنی آواز نیچے رکھو۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں اونچی آواز اپنی باپ کی نہیں سنتا اور تم مجھ سے اس لہجے میں بات کر رہے ہو؟" انہوں نے غصے سے اونچی آواز میں کہا۔

ان کی بلند آواز سن کر امینہ نے سیف اور رنزا کو کمرے میں بھیج دیا اور خود وہاں آ گئیں۔ حسن اپنے کمرے سے نکل کر اوپر سے سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ریلنگ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

"مجھے حسن کے ڈاکومنٹس چاہییے۔" وہ ہر لفظ پر زور دے کر کہہ رہا تھا۔

"تمہیں پڑھانے کے بعد، تم پر اتنا پیسہ اور وقت ضائع کر کے مجھے کیا ملا۔۔؟ اب اس کو بھی وکالت پڑھاؤ تا کہ تمہاری طرح گاؤں والوں کو بدلنے کے چکر میں ایک معمولی سی لڑکی سے شادی کر کے آ جائے؟" وہ اتنی تلخ باتیں کر رہے تھے کہ جہانگیر نے آنکھیں بند کر کے خود کو پر سکون کیا۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے چہرے کے سخت تاثرات نرمی میں بدل گئے۔

"بابا، اس میں حسن کا قصور نہیں تھا۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

"زائشہ کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔" ان کا لہجہ اب بھی وہی تھا۔

"میرے ساتھ جو کرنا ہے کریں، حسن کے ساتھ نہیں۔ بابا پلیز۔" وہ التجا کر رہا تھا۔

"کیا تم ماہ پارہ طلاق دے سکتے ہو؟"

"بابا!" وہ تڑپ کر بولا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"جب تم طلاق کے کاغذات پر دستخط کر کے مجھے دے دو گے تو تمہیں حسن کے ڈاکومنٹس مل جائیں گے۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا اور وہاں سے جانے لگے جہانگیر کا گویا دل کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔

"اور ہاں۔۔۔" پھر کچھ یاد کرتے ہوئے رک کر جہانگیر کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "اس کے بعد تم زائشہ سے بھی نکاح کرو گے۔" وہ واپس مڑ کر چلے گئے۔

جہانگیر حیرت سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ خالی نظروں سے دور تک دیکھتا رہا۔ وہ ماہ پارہ کو کیسے طلاق دے سکتا ہے، اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔

حسن غصے سے اپنے کمرے میں گیا اور دروازہ زور سے بند کر دیا۔ جہانگیر نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ماہ پارہ بھی وہی کھڑی تھی۔ وہ مشکوک نظروں سے جہانگیر کو دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر کو دیکھتے ہی وہ وہاں سے چلی گئی۔ جہانگیر تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ماہ پارہ کھڑکی کے پاس کھڑی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گا ماہ پارہ، میرا یقین کرو۔" وہ دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ "میرا یقین کرو میں۔۔۔"

"آپ کو جس سے نکاح کرنا ہے کرلیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے جہانگیر کی طرف دیکھے بغیر اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "حسن بھائی نے سب کچھ بتا دیا، کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟ میں کسی اور سے شادی کیوں کروں گا؟" وہ جا کر اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"تو کل کیا کر رہے تھے؟ فلم کی شوٹنگ؟" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ وہ ہنوز آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"حسن نے تمہیں ادھوری بات بتا۔۔۔"

"کیا آپ کل نکاح نہیں کرنے والے تھے؟" وہ اس کی طرف مڑی۔ "صرف ہاں یا نہ میں جواب دیں۔" اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر گال پہ پھسلا۔

"ہاں، میں اس سے نکاح کرنے والا تھا، لیکن۔۔۔"

"بس بات ختم۔ میں نے وجہ نہیں پوچھی۔"

وہ جانے لگی تو جہانگیر نے کلائی پکڑ کر اسے روکا۔ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو گئے،اس نے آنکھیں بند کر لیں،ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔وہ اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی لیکن بے بسی ایسی تھی کہ روپڑی تھی اس نے باری باری اپنے ہاتھ سے دونوں گالوں سے بہتے آنسو پونچھے۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" اس نے حکم جاری کیا۔وہ مڑی لیکن اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔صرف آنسو تھے جو بہہ رہے تھے۔

"میری وجہ سے تمہاری آنکھوں میں آنسو آئے یہ مجھے ہر گز برداشت نہیں ماہ پارہ۔تمہارے آنسو انمول ہیں ان کو مجھ پر یوں ضائع نہ کرو۔" نرمی سے کہہ کر وہ آہستہ سے اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کیے اور اسکی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر کیا۔

"اور میری وجہ سے حسن بھائی کا جانا نہیں ہو پا رہا ہے،اس کا کیا؟ کوئی آپ سے ٹھیک سے بات نہیں کر رہا،اس کا کیا؟ مجھے نہ پڑھنا ہے اور نہ ہی اسکول جانا ہے،میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"تم اسکول جاؤ گی تم پڑھو گی بھی۔میں نے تمہارا داخلہ سیف کے اسکول میں کروایا ہے وہ حویلی سے بہت قریب ہے۔اور جہاں تک زائشہ کی بات ہے وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو مسترد

ہونے پر غمزدہ ہوتی ہیں۔ وہ مضبوط اعصاب کی لڑکی ہے، وہ سب کچھ بھول بھی گئی ہو گی۔" وہ اسے یقین دلانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

"کیا آپ نے واقعی میرا داخلہ کروا دیا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ جہانگیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن کیسے، مطلب۔۔۔"

"میں ہوں نا، پھر کیسے، کیوں، کہاں، یہ سب سوچنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے نرمی سے کہا اور پھر وہاں سے

چلا گیا۔

ماہ پارہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سنہری آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ بہت خوش تھی۔ بے حد خوش۔ وہ بھی ڈاکٹر بنے گی۔ لوگوں کا علاج کرے گی۔ اس کا سب سے بڑا خواب پورا ہونے جا رہا تھا، وہ بھی صرف جہانگیر کی وجہ سے۔ اسے بھی ایک شہزادہ مل گیا تھا۔ جس نے اس کے خواب کو اپنا خواب سمجھا۔ جو اس کی خواہشات کے لیے اپنی خواہشات کو بھول جاتا تھا۔ جو اس کے لیے پورے گاؤں والوں سے اپنے خاندان سے سب سے لڑ جاتا تھا۔

وہ اپنے آپ کو ایک ریاست کی شہزادی تصور کر رہی تھی اور اس کا شہزادہ جہانگیر تھا۔ جہانگیر داؤد علوی۔

☆...☆...☆

ایک ہفتہ بعد۔۔۔

ماہ پارہ کمرے میں کھڑی سکول جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی،اس کا داخلہ ٹیسٹ کلیئر ہو گیا تھا اور آج اس کا پہلا دن تھا۔وہ خوش تھی لیکن مایوس بھی۔وہ چاہتی تھی کہ گاؤں میں اسکول بنائے جائیں لیکن یہ اس وقت ممکن نہیں تھا۔اس نے اپنے آپ کو سمجھا دیا تھا۔کرامت کو پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوا،اس دن اس نے آکر جہانگیر کا بہت شکریہ ادا کیا۔جہانگیر نے شہر میں اپنے لیے کام بھی ڈھونڈ لیا۔وہ دونوں حویلی میں رہتے تھے لیکن اب انہیں اپنے اپنے کام سے شہر جانا تھا۔

اس نے اپنے بالوں کی چوٹی بنائی بیگ کندھے پر رکھا جوتے پہنے دروازہ کھولا اور سیڑھیاں اترنے لگی۔امینہ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔اس پہ ایک سخت نظر ڈال کر منہ پھیر لیا۔وہ جیپ میں جا کر بیٹھ گئی۔

دن گزرتا گیا اور ماہ پارہ کا دل اور زیادہ اسکول میں لگنے لگا۔وہ پوری توجہ سے پڑھتی تھی۔وہ ان دنوں جہانگیر سے

کم بات کرنے لگی تھی۔وہ اپنا سارا وقت پڑھائی میں لگاتی تھی اور اپنا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارتی تھی۔اس کا دماغ اتنا تیز تھا کہ وہ سب کچھ جلدی یاد کر لیتی تھی۔وہ سیف کی کلاس میں تھی۔سیف اور ماہ پارہ اب دوست بن چکے تھے۔

چند مہینے گزر گئے، سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔

رفتہ رفتہ امینہ بھی جہانگیر سے ٹھیک سے بات کرنے لگی تھیں اور داؤد کا غصہ بھی کم ہونے لگا تھا۔
جہانگیر پہلے سے زیادہ مصروف ہونے لگا تھا اور یہ بات داؤد کے لیے ٹھیک تھی، کم از کم وہ گاؤں کے معاملات میں ملوث نہیں ہوگا اب۔

☆...☆...☆

اس وقت جہانگیر اسٹڈی روم میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے چہرے کے سامنے کتاب ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا۔ آنکھوں پر عینک لگائے وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ کافی کا مگ اٹھاتا اور اس میں سے گھونٹ بھر کر واپس میز پر رکھ دیتا۔ بال بکھرے ہوئے رف سا حلیہ سیاہ گہری آنکھیں نیند کی کمی کے باعث سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ کسی کیس کے سلسلے میں الجھا ہوا تھا لیکن اس وقت وہ تمام مصروفیات کو ایک طرف رکھتے ہوئے ایک افسانوی کتاب پڑھ رہا تھا۔
ماہ پارہ اور جہانگیر کے درمیان سب سے بڑی مماثلت ان کی کتابوں میں دلچسپی تھی۔ ماہ پارہ اردو کی کتابیں پڑھتی تھی جب کہ جہانگیر انگریزی کی کتابیں پڑھتا تھا لیکن ان دونوں کو کتابوں سے الگ ہی لگاؤ تھا۔

دستک دیے بغیر اس نے دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا۔ وہ چلتی ہوئی جہانگیر کے سامنے والی دو کرسیوں میں سے ایک کرسی کو کھینچ کر بیٹھی میز پر کہنیاں رکھ کر اپنا چہرہ

ہاتھوں کے پیالے میں گرادیا۔ جہانگیر خاموش رہا بظاہر خود کو سنجیدہ دکھا رہا تھا۔ جیسے وہ اس وقت کسی کو مخاطب نہیں کرنا چاہتا ہو۔ وہ غالباً اُس سے ناراض تھا کیونکہ اتنے عرصے میں ماہ پارہ شاذو نادر ہی جہانگیر کو مخاطب کرتی تھی، جیسے وہ اس سے دور رہنا چاہتی ہو۔ جہانگیر نے بھی سوچا تھا کہ اب جب بھی وہ اسے مخاطب کرے گی تو وہ بھی اسے نظرانداز کردے گا۔

ماہ پارہ گلا کھنکھار کر بولی۔ "آپ مجھے نظرانداز کررہے ہیں؟"

آگے سے وہ خاموش رہا۔

"اچھا تو آپ مجھے نظرانداز کررہے ہیں۔" اس نے کہنیاں میز سے ہٹائی پیچھے ہو کر ٹیک لگادی۔

کچھ پل کمرے میں خاموشی چھاگئی۔ جہانگیر نے کتاب نیچے کی وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی سنہری آنکھوں کی پتلیاں چھوٹی کیے غور سے دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر نے گہری سانس لی۔ کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تو ماہ پارہ نے دوبارہ اپنی کہنیاں میز پر رکھ دیں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ گرائے اپنی سنہری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

جہانگیر کچھ پل اسے دیکھتا رہا شاید وہ ان آنکھوں میں اپنے لیے محبت احساسِ پسندیدگی یا شاید کچھ اور دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں جہانگیر کے لیے عزت تھی احترام تھا جسے دیکھ کر جہانگیر مسکرایا۔ ماہ پارہ نے "ہمم" کہہ کر پیچھے ٹیک لگادی۔

"ایسے مت دیکھو مجھے۔" مصنوعی خفگی دیکھا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "اور ویسے بھی تم مجھ سے بات ہی مت کرو۔" وہ اب کتابوں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہا تھا۔ ماہ پارہ اوہ کر کے اٹھی۔

"اور میں نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"کیا کیا؟ اتنے دنوں سے بلکہ نہیں اتنے مہینوں سے تم مجھے نظر انداز کر رہی ہو مجھے تو برا لگے گا۔" اس نے شیلف سے ایک کتاب نکالی اور صفحات پلٹنے لگا۔

"جہانگیر! میں اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔" وہ جا کر اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ جہانگیر اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"اچھا اتنا بھی وقت نہیں تھا کہ شوہر کے ساتھ دو منٹ بات ہی۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔ جو اس نے کہا تھا وہ غلط تھا۔ وہ کیسے شوہر کا لفظ استعمال کر سکتا ہے۔ وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

ماہ پارہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"اگر آپ کو بات کرنی تھی تو کہہ دیتے کہ ماہ پارہ دو منٹ میری بات سن لو لیکن نہیں۔" وہ خفگی سے کہہ کر مڑی، وہ پہلی بار جہانگیر سے اس لہجے میں بات کر رہی تھی۔

جہانگیر کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔ماہ پارہ نے اس کی باتوں پر غور نہیں کیا لیکن جو کچھ اس نے کہا تھا وہ سوچنے لگا کہ وہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے۔اسے واقعی ماہ پارہ سے دور رہنا چاہیے تھا۔ماہ پارہ دروازے کی طرف گئی پھر پیچھے مڑ کر جہانگیر کو دیکھا جو مصروف نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا، شاید وہ واقعی ناراض تھا۔اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور پلٹ کر وہ کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کر لیا۔

جہانگیر نے پیچھے مڑ کر دیکھا، اداسی سے سر جھٹکا اور سوچنے لگا۔وہ کچھ کرنا چاہتا تھا کہ ماہ پارہ اس کی طرف توجہ نہ دے۔وہ اپنی پڑھائی بھی کرے، اس سے دور رہ کر بھی دور نہ رہے لیکن ایسا کیا کرے وہ یہ سوچ کر رہ گیا۔

کمرے میں آ کر وہ ساری لائٹس آف کر کے بیڈ کی طرف چلی گئی۔اس نے اپنی بند آنکھوں پر بازو رکھا، سونے کی کوشش کی لیکن سو نہ سکی۔جہانگیر اس سے ناراض تھا اور اسے پتا بھی نہیں تھا۔کیا وہ اپنی پڑھائی میں اتنی مصروف ہو گئی تھی؟

☆...☆...☆

جہانگیر سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔وہ اس وقت حیدر سے کچھ سنجیدہ گفتگو کر رہا تھا اور حیدر جوس کے گلاس میں سے گھونٹ لیتے ہوئے بس سر ہاں میں ہلا رہا تھا۔

وہ اس وقت حیدر کے گھر میں موجود تھا۔ کرائے کا مکان تھا، حیدر اور اس کی بیوی چند ماہ کے لیے یہاں آئے تھے۔ ان کا گھر لندن میں تھا، وہ وہیں رہتے تھے۔ حیدر کو کچھ دنوں کے بعد واپس لندن جانا تھا، اس لیے جہانگیر کے پاس اس کام کے لیے اتنا وقت نہیں تھا۔

"میں نے اس کا پاسپورٹ بہت پہلے بنایا تھا، لیکن ویزا لگنے کی دیری ہے۔ اس کے سارے ڈاکومنٹس سب تیار ہے، بس وہ بھی راضی ہو جائے۔" وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ماہ پارہ سامنے والے کمرے میں تھی۔ وہ اسے ابھی بتانا نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا وہ ہمارے ساتھ رہے گی ہم اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں گے اور پھر رامین بھی تو ہے اس کا دل لگا رہے گا۔"

"لیکن کیا وہ مانے گی؟" وہ پریشان تھا۔

"ہاں جیسا کہ تم نے کہا کہ وہ اپنی پڑھائی کے معاملے میں بہت سنجیدہ ہے اس لیے شاید وہ راضی ہو جائے۔" حیدر نے کندھے اچکائے۔ "لیکن تم رہ لو گے اس کے بغیر؟" اس نے شرارت سے پوچھ کر گلاس لبوں سے لگایا۔

اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا بس اسے گھورتا رہا۔ کمرے سے ماہ پارہ اور یاسمین نکلتی ہوئی اسی طرف آرہی تھیں۔ جہانگیر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"چلو پھر ہم بھی چلتے ہیں کافی دیر ہو گئی ہے۔" جہانگیر اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ دونوں الوداعی قلمات کے بعد حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ماہ پارہ جہانگیر سے خفا تھی۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے سیٹ کے پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔ جہانگیر سرسری نگاہ اس پر ڈال رہا تھا۔ (ناراض میں

ہوں اور بات یہ مجھ سے نہیں کر رہی۔ ہونہہ!)

لیکن اس نے سوچا کہ کیا وہ ماہ پارہ کے بغیر رہ لے گا؟ یا نہیں۔۔۔

اسے ماہ پارہ سے محبت نہیں ہوئی تھی۔۔

وہ اس کا عادی ہو چکا تھا۔

وہ دونوں حویلی پہنچ چکے تھے ماہ پارہ کپڑے بدل کر بستر پر لیٹنے لگی جب جہانگیر آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"کیا ہم تمام ناراضگیوں کو ایک طرف رکھ کر ایک دوسرے کی بات سن سکتے ہیں؟" ماہ پارہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"کچھ دن بعد۔۔۔حیدر لندن جا رہا ہے۔"اس نے رک کر اسے دیکھا جو ابھی تک سر جھکائے بیٹھی تھی۔"تو میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"وہ پھر رک گیا۔ماہ پارہ نے چونک کر آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اس بار جہانگیر اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسا فیصلہ ؟"اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی جیسے وہ جہانگیر کا فیصلہ سمجھ گئی ہو۔چند ہفتے پہلے جہانگیر نے ایک بار لندن جانے کی پیشکش کی تھی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"تم لندن جا رہی ہو، یہ میرا حکم ہے، میں تم سے اجازت نہیں لے رہا۔ تمہیں جانا ہے تو مطلب جانا ہے۔میں انکار نہیں سنوں گا۔"وہ تیز تیز بول کر رکا، سر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی سنہری آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"آپ۔۔۔ایسا نہیں۔۔۔"اس نے نفی میں گردن ہلایا۔اس کی آواز بھرائی۔"نہیں کر سکتے۔"

"سب کچھ تیار ہے ماہ پارہ پلیز۔تم کیا چاہتی ہو؟ کیا تم نہیں چاہتی تم ڈاکٹر بنو ایک قابل ڈاکٹر۔" اس نے ماہ پارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"کیوں کیا یہاں کوئی ڈاکٹری نہیں پڑھتا؟ میں۔۔۔یہاں سے بھی پڑھ سکتی ہوں۔"اس نے رندھی ہوئی آواز

میں کہا۔

"یہ میرا حتمی فیصلہ تھا میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں تم سے پوچھنے نہیں آیا تھا بلکہ تمہیں بتانے آیا تھا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "جلد سے جلد یہاں سے جانے کی تیاری کرو۔" یہ کہہ کر وہ اسٹڈی روم میں چلا گیا۔

وہ خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

جہانگیر کے جانے کے بعد بھی وہ دس منٹ تک دروازے کو گھور رہی تھی۔ وہ خود کو ایک قابل ڈاکٹر کے طور پر دیکھنا چاہتی تھی لیکن ایسے نہیں لیکن وہ اپنی خوشی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ اسے اور بھی بہت سی چیزوں کے بارے میں سوچنا تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی آگئی لیکن انہیں بہنے نہ دیا۔ وہ کمبل کو اپنے چہرے تک لے آئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆...☆...☆

دس سال بعد

شہر لندن تھا۔

تاریخ یکم دسمبر انیس سو نوے تھی۔

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔

یاسمین کچن میں کھڑی کافی بنارہی تھی، جبکہ کیک، پیسٹری اور رامین اور ماہ پارہ کی پسند کی چیزیں کھانے کی میز پر وقتاً فوقتاً رکھتی جارہی تھی۔

ان کا گھر بڑا نہیں تھا۔ چھوٹا سا گھر تھا لیکن بہت خوبصورت تھا۔ گھر کے اندر جاؤ تو سامنے ہی ایک لاؤنج تھا۔ دو صوفے دائیں طرف رکھے ہوئے تھے اور بائیں جانب کچن تھا۔ کچن اور اور صوفے کے درمیان لاؤنج کے درمیان میں کھانے کی میز رکھی تھی۔ ایک چھوٹا سا لاؤنج تھا۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے سیڑھیاں اوپر جاتیں پھر دائیں طرف۔ جہاں دو کمرے تھے۔ ایک جہاں ماہ پارہ اور رامین رہتی تھیں اور دوسرا حیدر اور یاسمین۔

"رامین! رامین!۔۔ماہ پارہ کو جگادو اسے کہو کہ اسے آج ہسپتال جانا ہے اور اس کا جانا ضروری ہے۔وہ بھی وقت پر۔ایک تو اس لڑکی کو جگانا بہت مشکل کام ہے۔" وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال رہی تھی۔

"ممی میں ان سے ناراض ہوں، اتنا منع کرنے کے باوجود انہوں نے کل مجھے انجیکشن لگایا تھا۔" اس نے خفگی سے منہ بنا کر کہا۔ وہ بازو سینے پر باندھے، ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

پندرہ سالہ رامین اتنی ہی معصوم اور خوبصورت تھی۔ لمبے بال اونچی پونی ٹیل میں قید تھے۔ ٹانگیں میز کے اوپر پر رکھے ایک ہاتھ میں ریموٹ پکڑ کر وہ خفا خفا سی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ کل سے

انجیکشن لگوانے کی وجہ سے وہ ماہ پارہ سے ناراض تھی لیکن وہ اس سے بہت پیار بھی کرتی تھی۔ وہ، ماہ پارہ کے ساتھ بہنوں کی طرح رہتی تھی۔

"ماہ پارہ نے میرے اصرار پر تمہیں انجیکشن لگایا ورنہ وہ کہہ رہی تھی کہ تم ایک ہفتے میں ٹھیک ہو جاؤ گی لیکن میں نے اسے کہا کہ تم جلدی ٹھیک کرے اس لیے یہی آخری آپشن تھا۔" وہ مصروف انداز میں کہہ رہی تھی۔

رامین کی ناراضگی کم نہیں ہوئی لیکن وہ پھر بھی اسے جگانے کے لیے اٹھی۔ وہ اس وقت دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ ایک دو بار دستک دینے کے بعد اندر سے آواز آئی۔

"میں جاگ گئی ہوں، دس منٹ میں نیچے آؤں گی۔"

تو وہ الٹے قدموں سے واپس آئی اور ٹی وی دیکھنے لگی اور یاسمین کو بھی اطلاع دی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بال خشک کر رہی تھی۔ درمیانی بال اب کمر سے نیچے کو آتے۔ وہ اب بہت خوبصورت ہو گئی تھی۔ دس سال پہلے کی ماہ پارہ اور اب کی ماہ پارہ میں بہت فرق تھا۔ وہ میچور ہو چکی تھی۔ اب وہ سنجیدہ ہونے لگی تھی۔ وہ نہ مسکراتی تھی اور نہ زیادہ بات کرتی تھی، بس ہر وقت اپنے کمرے میں بند رہتی تھی، بالکل اکیلی۔ جیسے اسے جہانگیر پر غصہ اتنے سالوں میں اب تک تھا۔ دس سال ہونے والے تھے لیکن ان دس سالوں میں نہ وہ دوبارہ پاکستان گئی اور نہ ہی اس کے کسی خط کا جواب دیا۔

وہ اس وقت سیاہ رنگ کی قمیض کے ساتھ سیاہ ہی پاجامہ میں ملبوس تھی۔ کانوں میں ٹاپس اور گردن میں ننھا سا لاکٹ پہن رکھا تھا۔ وہ فون پر کسی سے بات کرتے ہوئے اپنے لمبے بال کو جوڑے میں باندھ رہی تھی۔ وہیں خوبصورت آواز۔ وہ مضطرب لگ رہی تھی کیونکہ وہ اب تک کا سب سے مشکل آپریشن کرنے جا رہی تھی۔ وہ واقعی ایک بہترین ڈاکٹر بن گئی اور جب بھی اس نے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لفظ سنا تو اس نے جہانگیر کو یاد کیا۔ کاش اس کے منہ سے بھی سن سکتی۔ (ڈاکٹر ماہ پارہ جہانگیر علوی)

آئینے میں خود کو آخری بار دیکھنے کے بعد وہ اٹھی۔ میز سے پرفیوم کی بوتل اٹھا کر خود پر چھڑک کر واپس میز پر رکھ دی۔ بھورے رنگ کی لانگ کوٹ پہن کر، جوتے پہنے پرس کندھے پر ڈالا اور لمبے لمبے ڈگ بھر کر کمرے کے دروازے کی طرف چلی گئی۔ اسے کھول کر وہ سیڑھیاں عبور کر کے کچن میں داخل ہوئی۔ وہ پانی لینے کے لیے فریج کھولنے ہی والی تھی کہ یاسمین نے اسے پانی کا گلاس پیش کیا۔

"شکریہ بھابھی۔" گلاس پکڑ کر وہ ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور پانی کا گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا کر رامین پر ایک سرسری نظر ڈالی۔

"ویسے بھابھی۔" اس نے یاسمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آج رات کھانے پر جانے کا سوچ رہی تھی لیکن۔۔۔" وہ رکی مسکراہٹ دبائے پلٹ کر رامین کو دیکھا۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

"لیکن اکیلے کیا کروں گی جا کر چھوڑیں۔" سر جھٹک کر چمچ سے پیسٹری کھانے لگی۔

رامین فوراً ڈائننگ ٹیبل کے پاس آئی کرسی کھینچ کر ماہ پارہ کے سامنے بیٹھ گئی۔

"میں ویسے فری ہوں اگر آپ مجھے لے جانا چاہتی ہیں تو آپ مجھے لے جا سکتی ہیں۔اکیلے جانا خطرے سے خالی

نہیں ہے۔"وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"لیکن ماہ پارہ آج رات تمہاری فلائٹ ہے کیا تم پاکستان نہیں جا رہی؟"یاسمین نے کافی کے دو مگ میز پر رکھے ماہ پارہ نے بمشکل پیسٹری حلق سے نیچے اتاری۔

"میں نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔"یہ کہہ کر اس نے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگایا اور جلدی سے گھونٹ لیا کیونکہ اسے دیر ہو رہی تھی۔

"تم پچھلے کچھ سالوں سے یہی کر رہی ہو۔بس کرو ماہ پارہ اسے معاف کر دو اب۔وہ تو تمہارا بھلا چاہتا تھا۔"یاسمین فکرمندی سے اسے سمجھانے لگی۔

"پچھلے ایک سال سے اس کا کوئی خط نہیں آیا۔"اس کی آواز بلند ہوئی۔"کیا معلوم انہوں نے دوسری شادی کر لی ہو۔وہ اب میرا انتظار تو نہیں کریں گے۔"اس نے اٹھ کر بیگ کندھے پر ڈالا۔ یاسمین حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کون جانتا ہے جو خط مجھے اتنے سالوں سے مل رہے ہیں وہ ان کے ہیں بھی یا نہیں۔ میں اب ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی اگر میں اب جاؤں بھی تو ان سے طلاق لینے ہی جاؤں گی۔" وہ تلخی سے بولی اور باہر نکل گئی۔

یاسمین نے افسوس سے سر جھٹکا۔ وہ اس سے طلاق لینے کی بات کر رہی تھی۔ وہ جہانگیر جس نے ماہ پارہ کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ کیا وہ واقعی اپنے خوابوں کے سامنے کچھ نہیں دیکھ سکتی تھی؟ یا شاید وہ دونوں ایک دوسرے کے عادی ہو گئے تھے۔ اور عادت محبت سے زیادہ مہلک ہے۔

☆...☆...☆

یہ گاؤں کا منظر ہے۔ جہاں اس وقت گاؤں کی بچیاں اسکول جانے کے لیے تیار تھیں۔ آخر کار جہانگیر کی محنت

رنگ لائی۔ وہ ایک اسکول بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ماہ پارہ کے سارے خواب پورے ہو چکے تھے۔

"کیا تم جانتے ہو یہ اسکول کس کے نام پر ہے؟" ایک لڑکی بالوں کی دو چوٹی بنائے ہوئی معصومیت سے اپنے دوست سے پوچھ رہی تھی۔ دونوں گاؤں کی گلیوں سے گزر کر سکول جا رہی تھیں۔

"کس کے؟" اس نے اتنی ہی معصومیت سے پوچھا۔

"ماہ پارہ باجی کے نام۔ان کی بدولت آج ہم اسکول جارہے ہیں اور یہاں کی گلیوں میں بے خوف گھوم رہے ہیں۔"وہ فخر سے بتا رہی تھی۔

"وہ خود کہاں ہیں؟"

"وہ؟ جہانگیر بھائی کہہ رہے تھے کہ وہ بہت جلد اپنے ملک لوٹ آئیں گی،اس لیے شاید وہ یہاں نہیں رہتی۔"اس نے کندھے اچکائے۔

وہ دونوں کندھوں پر بیگ لٹکائے اسکول کی طرف جارہی تھیں۔چہرے پر مسکراہٹ سجائے خوش ہوتی ہوئی۔اس کے اسکول میں ہر روز ماہ پارہ کے بارے میں باتیں ہوتی تھیں اس کی تعریف کی جاتی تھی اور ماہ پارہ ان سب باتوں سے بے خبر تھی کیونکہ اس نے آج تک جہانگیر کا ایک خط بھی نہیں پڑھا تھا۔

☆...☆...☆

وہ سارے راستے خاموش رہی۔اس نے لب بھینچ لیے اور اسٹیئرنگ وہیل پر اپنی گرفت مضبوط کرلی وہ بس جہانگیر کا سوچ رہی تھی۔

وہ ایک سال سے لاپتہ تھا، وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی تھی۔ اگر وہ خط نہیں پڑھتی تھی تو کم از کم یہ اندازہ تو ہوتا وہ ٹھیک ہے اور وہ اس کو بھولا بھی نہیں۔ گاڑی تیز رفتاری سے ہسپتال کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسکی آنکھوں

میں آنسو بھر آئے لیکن وہ اب رونا بھول گئی تھی وہ پتھر دل ہو چکی تھی۔

پارکنگ میں گاڑی روک کر پیچھے کو ٹیک لگا کر وہ خود کو پر سکون کر رہی تھی۔ چند گہری سانسیں لے کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا، پاؤں نیچے رکھ کر دروازہ بند کر دیا۔

وہ سفید چمچماتے ٹائلوں کے فرش پر قدم بڑھا رہی تھی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے وہ دائیں طرف مڑی اس راہداری سے گزرتے ہوئے پھر بائیں طرف مڑی وہاں ڈاکٹروں کے بہت سے کمرے تھے وہ ایک دو قدم آگے بڑھ کر ایک دروازے پر رکی دروازے کے ناب کو ہلکا سا گھوما کر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

وہ چلتی ہوئی کمرے کے دائیں جانب رکھی ٹیبل تک آئی۔ اس نے اپنا بیگ کندھے سے اتار کر میز پر رکھا اپنا کوٹ نکال کر کرسی کی پشت پر رکھا اور میز سے ایک فائل اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ کمرہ چھوٹا تھا جہاں دائیں طرف ایک میز رکھی تھی جس پر دو تین فائلیں اور ایک قلم ہولڈر رکھا ہوا تھا اور اس کے سامنے سنگل صوفہ اور گول میز تھی۔ اس کے کئی سرٹیفکیٹس ایک دیوار پر چسپاں تھے۔

اس نے فائل بند کی لیب کوٹ پہن کر کمرے کا دروازہ کھولا اور اب آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ اب پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔

شام کا وقت تھا اور ہسپتال میں بھیڑ کم تھی۔ آپریشن کامیاب رہا۔ وہ خوش تھی لیکن مسکرائی نہیں۔ وہ اپنے کمرے میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔ اس کے بال آدھے کیچر میں بندھے ہوئے تھے۔

اسی پل دروازے پر دستک ہوئی اس نے اندر آنے کی اجازت دی۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں لیکن وہ جو بھی تھا کرسی کھینچ کر بیٹھا اور میز پر دوبار دستک دی ماہ پارہ نے آنکھیں کھولیں تو حیدر کو اپنے سامنے بیٹھے دیکھا۔

"حیدر بھائی آپ یہاں؟" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"تم نے آج کی فلائٹ کیوں کینسل کی؟" پیچھے کو ٹیک لگا کر نرم لہجے میں پوچھا۔

"مجھے نہیں جانا، پھر کبھی جاؤں گی۔ میرے سارے کام یہیں ہیں وہاں جا کر کیا کروں گی؟" وہ نظریں نیچی کیے کہہ رہی تھی۔

"تم شاید ایک بات بھول رہی ہو، ماہ پارہ تم ڈاکٹر کس لیے بنی ہو؟"

"مجھے یاد ہے، سب کچھ یاد ہے۔ بس ہمت نہیں ہو رہی وہاں جانے کی۔" وہ اپنے لب دانتوں تلے دبا رہی تھی۔

"تم ماہ پارہ تم ڈاکٹر بن گئی ہو، ایک قابل ڈاکٹر۔۔ تمہارا خواب صرف ایک قابل ڈاکٹر بننا نہیں تھا تمہارا خواب گاؤں کے لوگوں کا مفت میں علاج کرنا تھا۔ میں اس ماہ پارہ کو نہیں جانتا، جو اتنی خود غرض اور ہمیشہ سنجیدہ رہتی ہے۔ تم وہ نہیں ہو جسے میں جانتا تھا۔ جہانگیر کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے تمہیں ایک بہتر مستقبل دینے کے لیے یہاں بھیجا؟" وہ نہ ڈانٹ رہا تھا اور نہ ہی سخت لہجہ استعمال کر رہا تھا۔

"تم اس سے کس بات پر ناراض ہو؟ اتنے سالوں سے وہ شخص تمہیں خط بھیج رہا ہے، تم نے نہ ان خطوط کو پڑھا اور نہ ہی ان کا جواب دیا، کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کس چیز سے گزر رہا ہوگا؟"

"ایک سال سے کوئی خط نہیں آیا بھول۔۔۔۔"

"خط اب بھی آتے ہیں، لیکن میں اب خط تمہیں نہیں دیتا۔" ماہ پارہ نے بے یقینی سے حیدر کی طرف دیکھا۔ "جب تمہیں ان خط کا جواب نہیں دینا تو میں تمہیں وہ خط کیوں دیتا؟" یہ کہہ کر اس نے اس سے ہٹ کر دیوار پر لگے فریم کو دیکھا۔ "تمہیں پتا ہے وہ اب بیرسٹر جہانگیر داؤد ہے، اس نے ان دس سالوں میں بہت ترقی کی ہے لیکن۔۔۔" ماہ پارہ نے بیرسٹر کے لفظ پر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا وہ ٹھیک ہیں؟"اس نے اتنی دھیمی آواز میں پوچھا کہ حیدر بمشکل سن سکا تھا۔

"نہیں وہ اب پاکستان میں نہیں ہے،اور جہاں ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ سرسری سا کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔"اس کے

دونوں گردے خراب ہو گئے ہیں۔اس کا علاج ہو رہا ہے۔وہ صرف اپنی زندگی کے آخری چند لمحات تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔"

ماہ پارہ کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں جیسے اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا سن رہی ہے۔جیسے کسی نے اس کا دل اپنی مٹھی میں لے لیا ہو۔وہ برف کا مجسمہ بن چکی تھی،ملنے سے قاصر تھی۔وہ کچھ دیر خالی خالی نظروں سے حیدر کو دیکھتی رہی۔

"آپ نے۔۔۔پہلے کیوں نہیں بتایا؟"آنسو جو وہ روکے بیٹھی تھی اب اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔

"کل اس کا خط آیا کہ وہ مصر میں ہے وہ چاہتا ہے کہ تم اس سے ایک بار ملو۔وہ تمہیں بہت یاد کرتا ہے۔اسے تمہاری ضرورت ہے۔تم پاکستان جاؤ گی تو وہ بھی جائے گا اور پھر تم اتنی قابل ڈاکٹر ہو کہ اپنے شوہر کا علاج خود کر سکو۔" وہ مسکرا کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔"اسے ایک بار خط لکھو، صرف ایک بار۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر چلا گیا۔

وہ پھر سے پیچھے کو ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیے کچھ سوچ رہی تھی۔

"میں نے ان کو دس سال انتظار کروایا دس سال۔اب جب میں واپس جا رہی ہوں تو مجھے دس منٹ پر بھی بھروسہ نہیں ہے۔کیا میں اتنی خود غرض ہو گئی تھی؟" آنسو اب بھی اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

وہ اٹھی ایک کاغذ نکالا، قلم دان سے قلم اٹھا کر اس کو خط لکھنے لگی۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے لیکن وہ پھر بھی لکھ رہی تھی۔اپنی دل کی تمام باتیں۔

☆...☆...☆

ہسپتال کے کمرے میں بستر پر لیٹا ایک شخص اوپر چھت کو گھور رہا تھا۔مرجھایا ہوا چہرہ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے لیکن وہ پھر بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔بھورے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہ آنکھوں میں امید تھی کسی دن اسے اپنے خطوں کا جواب ملے گا۔

ایک لڑکا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔بیڈ کے ساتھ والی کرسی کھینچ کر وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اسے ایک خط دیا۔جہانگیر نے چہرہ گھما کر حسن کی طرف دیکھا جو مسکراتے ہوئے اسے خط پکڑنے کو کہہ رہا تھا۔

"تو آخر کار دس سال کے طویل انتظار کے بعد آپ کو شاید معافی مل گئی ہو گی۔" مسکراہٹ دبائے وہ خط جہانگیر کے سامنے لہرا رہا تھا۔

جہانگیر نے لہراتے ہوئے خط کو پکڑا اور آئیبرو کے اشارے سے اسے باہر جانے کو کہا۔ حسن کندھے اچکا کر باہر نکل گیا۔ وہ کہنیوں کے بل اٹھا پیچھے کو ٹیک لگا کر کانپتے ہاتھوں سے خط کھول رہا تھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا نا جانے اس نے خط میں کیا لکھا ہو گا۔

بیرسٹر جہانگیر داؤد علوی کے لیے

مجھے نہیں معلوم کہاں سے شروع کروں۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے آپ کی حالت کے بارے میں پوچھنا چاہیے یا پہلے معافی مانگنی چاہیے۔ میں بہت شرمندہ ہوں جہانگیر بہت زیادہ۔ مجھے آپ کی طبیعت کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ میں نے اتنے سالوں میں آپ کا ایک خط بھی نہیں پڑھا کیونکہ مجھے لگا کہ اگر میں نے ایک بھی خط پڑھا تو میں اپنا ضبط کھو بیٹھوں گی۔ مجھے اتنے سالوں میں اس شہر نے خود غرض بنا دیا تھا۔ آج میں ایک قابل اور کامیاب ڈاکٹر ہوں لیکن پھر بھی میں ہار گئی جہانگیر مجھے معاف کر دیں۔ جس شخص نے برے وقت میں میرا اتنا ساتھ دیا آج میں اس کے برے وقت میں ساتھ نہیں ہوں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں پاکستان واپس جا رہی ہوں۔ جہاں سے ہماری کہانی شروع ہوئی تھی۔ جس مقصد کے لیے میں ڈاکٹر بنی تھی۔ میں آج سے اس مقصد کو پورا کرنے جا رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میں اپنے شوہر کا خود علاج کروں۔ ہم زندگی کا

آغاز نئے سرے سے کریں گے۔میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ اس سفر میں میرا ساتھ دیں۔
کیا آپ میرا ساتھ دیں گے ؟مجھے اکیلا چھوڑ کو تو نہیں جائیں گے نا؟

ڈاکٹر ماہ پارہ جہانگیر علوی

جہانگیر لب دانتوں تلے دبائے مسکرا رہا تھا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔وہ رو بھی رہا تھا اور ہنس بھی رہا تھا۔اس کی اتنے سالوں کی محنت رائیگاں نہیں گئی بالآخر اس نے ماہ پارا کو ایک مضبوط،خود مختیار اور ایک قابل ڈاکٹر بنا دیا۔وہ اب واپس جائے گا ماہ پارہ کے لیے ضرور جائے گا۔

اس نے خط کو اپنے سینے سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور خط کے پیچھے چھپے ماہ پارہ کے جذبات کو محسوس کرنے لگا۔لفظ "شوہر" کا سوچ کر وہ اب تک مسکرا رہا تھا۔جس لفظ کی وجہ سے ماہ پارہ کو اس سے دور جانا پڑا تھا وہی لفظ اسے اب سکون دے رہا تھا۔

ان دس سالوں کے انتظار کے بعد وہ اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرے گا۔

وہ اب ٹھیک ہونا چاہتا تھا صرف ماہ پارہ کے لیے۔

ان کی کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی۔

ان کی کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے۔

☆...☆...☆

(حصہ دوم)

کامیابی ایک سفر ہے، ہر ایک کے لیے مختلف ہے،

یہ صرف لمبی سیڑھیاں چڑھنے کے بارے میں نہیں ہے۔

یہ اپنے مقصد کو تلاش کرنے اور خواب کا پیچھا کرنے کے بارے میں ہے،

اور خود میں یقین رکھنا، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

یہ ہمت کرنے کے برابر ہے، جب کچھ بھی غلط ہو جائے،

اور جب تک مصائب آتے ہیں، تب تک قیام رہنا ہے۔

یہ مشکلات کو کھلے دل سے قبول کرنا ہے،

اور کسی بھی طوفان کو سہنا ہے۔

☆...☆...☆

یہ مصر کے سرد راتوں میں سے ایک تھی۔

ہسپتال کے بستر پر لیٹا شخص گہری نیند سو رہا تھا۔ دنیا و جہاں سے بے خبر۔ یہ خط موصول ہونے کے ایک ہفتے بعد ہے۔ کمرے کا درجہ حرارت قدرے بہتر تھا۔ یہ رات کا آخری پہر تھا۔ ایک لڑکی دروازے پر دستک دیے بغیر اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے کے گرد دوپٹہ لپٹا ہوا تھا۔ وہ جامنی رنگ کی قمیض اور پاجامہ میں ملبوس تھی۔ اوپر اس نے ایک لمبا کوٹ پہن رکھا تھا، جسے ہسپتال پہنچنے کے بعد اتار کر اپنے بازو پر گرا دیا گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے پہلی نظر بستر پر لیٹے شخص پر ڈالی تھی۔ ارد گرد مشینیں، بازوؤں میں لگی سوئیاں یہ سب دیکھ کر ماہ پارہ کے دل میں کچھ چبھا تھا۔ کرب سے اس نے آنکھیں بند کیں۔ چند گہرے سانس لیے۔ پھر آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ دس سال کے طویل انتظار کے بعد وہ جہانگیر کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے اتنے قریب ہو کر بھی دور تھا۔

کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نیم تاریک کمرے میں جہانگیر کا مرجھایا ہوا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ لب کاٹے وہ اسے ہمدردی بھری نظروں سے دیکھ

رہی تھی۔اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔وہ ابھی تک بت بنی کھڑی تھی۔اگر وہ جاگ گیا اور اسے دیکھ لیا تو؟ وہ دس سال کے بعد جہانگیر کو دیکھ رہی تھی۔اس دوران اس نے نہ تو جہانگیر سے بات کی اور نہ ہی اس سے ملنے کی کوشش کی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگی۔بیڈ کے پاس ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔وہ آہستگی سے چلتی ہوئی بیڈ کی طرف آئی۔آواز کیے بغیر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ اب اسے قریب سے دیکھ رہی تھی۔یہ وہ شخص تھا جس نے اپنی زندگی کی تمام خوشیاں قربان کر کے ماہ پارہ کے قدموں میں رکھ دی تھیں۔جہانگیر نے خود کو ماہ پارہ کے لیے خاک کر دیا تھا۔ان دس سالوں میں وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ اگر جہانگیر اس کی زندگی میں نہ آتا تو شاید آج وہ یہاں نہ ہوتی۔

ماہ پارہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔اس نے کئی دفعہ اللہ کا شکر ادا کیا تھا،اس کی زندگی میں جہانگیر کو بھیجنے کے لیے۔وہ اس کا محافظ تھا۔اس کا شوہر تھا۔وہ تہے دل سے اپنے رب کا شکریہ ادا کرتی تھی۔لیکن وہ جہانگیر سے ناراض ضرور تھی لیکن اب وہ ناراضگی ختم ہو چکی تھی۔

ماہ پارہ نے نرمی سے جہانگیر کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔بہت احتیاط سے کہ کہیں وہ جاگ نہ جائے۔جہانگیر ٹس سے مس نہ ہوا۔شاید وہ دواؤں کے زیر اثر تھا یا وہ تھکا ہوا تھا۔

وہ ہسپتال کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔بال ہمیشہ کی طرح ماتھے پر بکھرے ہوئے۔آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے۔بڑھی ہوئی داڑھی۔زرد رنگت۔وہ ایسا لگتا تھا برسوں کا بیمار تھکا ہارا ہے۔ماہ پارہ کو

بے ساختہ اس پر ترس آیا۔کیسے جہانگیر نے خود کو ماہ پارہ کے لیے پامال کر دیا تھا۔اس نے ایک ہاتھ سے جہانگیر کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور دوسرے سے اس کے ماتھے پر آئے بال کو ہٹانے لگی۔

اپنے ماتھے پر نرم ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی جہانگیر ہلکا سا مسکرایا۔اس کا مرجھایا ہوا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ماہ پارہ نے حیرت سے جہانگیر کے بدلتے رنگ کو دیکھا۔وہ کیسے ایک دم سے کھل اٹھا تھا۔ وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ پائی۔اس کی آنکھوں سے نکلتے آنسوں نے اس کا چہرہ بھگو دیا۔اس نے سختی سے لب بھینچ لیے۔وہ تو خواب میں ہی ماہ پارہ کے لمس پر ہی کھل اٹھا تھا۔اگر وہ ماہ پارہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا تو نا جانے اس کا کیا رد عمل ہوتا۔

ماہ پارہ نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔آنکھیں کرب سے بند کیں۔سارے آنسوں اندر انڈیل دیے۔ پھر سے گہری سانس لی۔خود کو نارمل کیا۔وہ جہانگیر کو بتائے بغیر اس کے علاج میں اس کے ساتھ ہو گی۔اس کے بعد وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ کیا کرے گی لیکن پہلے اسے جہانگیر کو ہر قیمت، ہر حال میں جہانگیر کو بہتر کرنا تھا۔

وہ جہانگیر کے ہاتھ پر جھک کر لب رکھ کر پیچھے ہوئی۔وہ مسکرائی۔اس کے بالوں کو بگاڑ کر واپس ماتھے پر بکھر دیے کیونکہ وہ اسے ہمیشہ بکھرے ہوئے بالوں میں خوبصورت لگتا تھا۔اپنے ہاتھ کے پشت سے آنسو پونچھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ایک آخری نظر اس پر ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔جہانگیر

سے ملاقات کے بعد وہ خود بھی مطمئن ہو گئی تھی۔اس کے چہرے پر الگ ہی خوشی تھی۔اسے اپنا اگلا کام کرنا تھا۔اسے جلد از جلد جہانگیر کے لیے کوئی ڈونر تلاش کرنا تھا۔

وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی اس نے حسن کو کھڑا دیکھا۔وہ ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا۔جہانگیر کے بر عکس وہ بہتر حلیے میں تھا۔وہ اب بال تھوڑے لمبا رکھتا تھا۔ہینڈسم تو پہلے بھی تھا لیکن اب زیادہ ہینڈسم ہو گیا تھا۔ایک لمحے کے لیے ماہ پارہ کو اپنی سانس روکتی محسوس ہوئی۔اس کی آمد غیر متوقع تھی۔وہ ڈر گئی تھی۔ حسن اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔حسن کی آنکھوں میں غصہ صاف دیکھائی دے رہا تھا۔دس سالوں میں ماہ پارہ کافی بدل گئی تھی۔وہ پیاری تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔

"تو تم۔۔۔آگئی؟" وہ سینے پر بازو باندھے کھڑا تھا۔لیکن اس کی پر تپش نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہا۔۔۔ہاں!" ماہ پارہ نے بمشکل اٹکی ہوئی سانس میں کہا۔وہ حسن کو صرف اس لیے پہچان گئی تھی کیونکہ وہ کافی حد تک جہانگیر کی طرح دیکھتا تھا۔

"تمہیں میرے بھائی کو دس سال تک سزا دینے سے کیا ملا؟اور اب یوں اچانک چلی آئی ہو؟" وہ ایک قدم آگے بڑھا تو ماہ پارہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہوئی۔

"انہوں نے خود ہی مجھے دور بھیجا تھا۔ میں نے کیا کیا ہے، ہاں؟ میں نے کہا تھا کہ مجھے باہر بھیج دیں؟" اس نے دبی آواز میں کہا۔

"ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ تمہیں آگے بڑھتے دیکھنا چاہتے تھے۔ تم شروع سے ہی خود غرض تھی ماہ پارہ۔ تمہیں میرے بھائی کی کوئی پرواہ نہیں۔ چاہے وہ زندہ رہے یا مرے، تمہیں کیا فرق پڑتا ہے اس سے؟ تمہیں تو بس اپنے خواب پورے کرنے تھے۔" ماہ پارہ یہ بات سن سن کر تھک چکی تھی۔ اس نے سلگتی نظروں سے حسن کی طرف دیکھا۔

"حسن بھائی خدا کے لیے مجھے مجرم ٹھہرانا بند کریں۔ جہانگیر کو میں نے سب کی شکایت لگا دینی ہے۔" آخر میں اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔ اس نے بے دردی سے آنکھیں رگڑیں۔

وہ گھبرا کر بولا۔ "ماہ پارہ، میں نے تو بس ایسے ہی کہہ دیا۔ جو کچھ کہا بھول جاؤ، میں نے غلطی سے کہہ دیا۔ پلیز رونا مت۔ ایک کام کرو، میرے ساتھ میرے اپارٹمنٹ چلو۔ جہاں جہانگیر بھائی میرے ساتھ رہ رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ میں یہاں صرف ان کا علاج کرنے آئی ہوں۔ کسی سے کوئی رشتہ داری نبھانے نہیں۔" اس نے اپنے آنسوں پونچھے۔ "اور اگر جہانگیر کو میری آمد کا پتا چلا تو بھول بھی جائیں کہ میں یہاں دوبارہ آؤں گی۔" انگلی اٹھا کر اس نے تنبیہ کیا تو حسن مسکرایا۔

"بتاؤ تمہارا سامان کہاں ہے؟" حسن نے اس کی دھمکی کو خاطر میں لائے بغیر کہا۔

"نیچے ٹیکسی میں رکھا ہے اور ویسے بھی مجھے آپ کے ساتھ جانے کا کوئی شوق نہیں۔ وہاں بھی طعنے دینا بند نہیں کریں گے۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"تم کافی بڑی ہو گئی ہو۔ اب تو مجھے ڈر لگنے لگا ہے تم سے۔ باتیں تو خیر پہلے بھی بڑی بڑی کرتی تھی۔" وہ مسکراہٹ دبائے ایک بار پھر اسے تنگ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"خاموش رہیں۔" اس نے جھلاہٹ سے کہا تھا۔ وہ سرخ پڑ چکی تھی غصے سے۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ کب آئی ہو؟ کہاں رہنا ہے؟ اور کس کے ساتھ آئی ہو؟" اس نے موضوع بدلا۔

"ابھی آئی ہوں۔ سیدھا پہلے جہانگیر کے پاس۔ رہنے کا میں خود دیکھ لوں گی۔" وہ وہاں سے جانے لگی۔ حسن بھی اس کے پیچھے جانے لگا۔

"بھئی میرا گھر ہے ناں۔ وہاں چلو شرافت سے۔" ماہ پارہ نے چلتے ہوئے رک کر ایک نظر اس پر ڈالی۔ "دیکھو میں نے ایک بات مانی ہے تمہاری اب تم بھی مان جاؤ۔" اس نے التجا کی۔

وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ حسن نے اس کی خاموشی کو ہاں میں لیا اور آگے بڑھ گیا۔ کاریڈور سے نکل کر دونوں نیچے پارکنگ میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ حسن نے گاڑی کا دروازہ کھولا، ماہ پارہ اندر بیٹھ گئی، وہ مڑ کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ کر بیٹھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ راستہ خاموشی سے کٹ رہا تھا لیکن ماہ پارہ کے ذہن پر کئی سوالوں کا قبضہ تھا۔ وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

ماہ پارہ نے اس کی طرف رخ کر کے پوچھا۔"حسن بھائی آپ کا پاسپورٹ اور ویزا۔۔۔ مطلب کہ کیسے ملا تھا؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔"لمبی کہانی ہے۔"

"تو میں کونسا ٹرین پکڑنے جا رہی ہوں؟"اس نے آنکھیں گھمائیں۔

گہری سانس لے کر وہ کہنے لگا۔"تمہارے جانے کے بعد زائشہ آئی تھی۔انہوں نے بھائی کی بہت منتیں کیں کہ اب تو تم چلی گئی ہو اب تو وہ اس سے شادی کرے۔انکل بھی آئے تھے دوبارہ رشتہ جوڑنے۔گھر میں کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔"ماہ پارہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"فکر مت کرو، بھائی کا تمہیں پتا تو ہے۔انہوں نے صاف انکار کر دیا۔بابا نے بہت سمجھایا میری دھمکی بھی دی لیکن وہ ٹھہرے ضدی کہا کہ میں نے ماہ پارہ سے وعدہ کیا ہے میں ہر گز یہ قدم نہیں اٹھاؤں گا۔"وہ اپنی دھند میں کہے جا رہا تھا یہ جانے بغیر کہ اس کے پاس میں بیٹھی لڑکی ایک بار پھر آنسو بہا رہی تھی۔

"پھر بابا نے ایک دن زائشہ اور انکل کو کھانے پر بلایا۔کھانے کے بعد وہ دونوں گھنٹہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔"یہ سن کر ماہ پارہ نے سسکی بڑھی۔حسن نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکا اور اس کی طرف مڑا۔"اوئے پوری بات تو سنو اگلی بات سنو گی تو فخر ہو گا کہ تمہیں ایسا شوہر ملا ہے۔"ماہ

پارہ سر جھکائے رو رہی تھی۔ حسن نے اسے دیکھا تو ٹشو باکس سے ایک ٹشو نکال کر اس کے حوالے کیا۔

"آپ کہتے جائیں۔" ٹشو سے ناک پونچھتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔

"رونامت۔" تنبیہ کرتے ہوئے اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کیا۔ "تو سنو۔ پھر جب وہ باہر آئیں تو ان کے چہرے پر اطمینان بھری خوشی تھیں۔ جہانگیر بھائی نے کچھ نہیں کہا، وہ سیدھا کمرے میں گئے تھے۔ بابا تو خوش ہوئے تھے، انہیں لگا بھائی مان گئے۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔ لیکن۔۔۔" وہ اب پر جوش سا کہنے لگا۔ "زائشہ آکر خود کہتی ہیں کہ انہیں جہانگیر سے شادی نہیں کرنی۔ وہ اسے چھوڑ چکی ہے اور تو اور وہ اب اس کے پیچھے بھی نہیں

پڑے گی۔" ماہ پارہ ناک سکوڑ کر ہلکا سا مسکرائی۔

"تو پھر آپ کا پاسپورٹ۔۔۔"

"بابا نے دے دیے تھے ڈاکومنٹس۔ جہانگیر بھائی نے میری ذمہ داری لی۔ پھر مجھے ایک سال کے اندر اندر مصر بھیج دیا۔ وہ تنہا ہو گئے تھے۔ تم اور میں ان کے بہت قریب ہو گئے تھے۔ میں تو شروع سے تھا۔ ان کی طبیعت آئے دن خراب رہتی تھی۔ نہ کسی سے بات کرتے تھے نہ گاؤں کے کسی مسئلے پر پڑتے۔ تمہارے جانے کے بعد نا جانے کتنی لڑکیوں کی چھوٹی عمر میں شادی ہو گئی

لیکن انہوں نے کسی بھی شادی میں مداخلت نہیں کی۔ان کو پتہ تھاوہ کچھ کر بیٹھ جائیں گے۔"ایک پل کو وہ رکا۔گہری سانس لے کر دوبارہ گویا ہوا۔

"میں نے ان کی منتیں کی کہ وہ مصر آئیں لیکن ان کا بس ایک ہی مقصد تھا تمہارے دیگر خواہشات کو پورا کرنا۔بہت بہت محنت کرنی پڑی۔بہت خوار ہوئے تب جا کر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔"

"حسن بھائی۔"ماہ پارہ نے بے اختیار اس کو پکارا۔حسن نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر اپنی نظریں سڑک کی طرف موڑ دیں۔وہ سمجھ گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

"میں نے کہا تھا بھائی سے لیکن۔۔۔"

"آپ انہیں علم میں لائے بغیر یہ کر سکتے ہیں۔"وہ امید سے کہہ رہی تھی۔

حسن جواب میں خاموش رہا۔ماہ پارہ اس کی خاموشی کو سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ ہاں سمجھے یا نہ۔ حسن سنجیدہ ہو گیا تھا۔وہ اس بارے میں سوچنے لگا۔کیا کچھ جہانگیر نے نہیں کیا تھا اس کے لیے؟ کیا وہ آج اپنے بھائی کے لیے ڈونر بھی نہیں بن سکتا؟وہ لب کاٹے کچھ دیر یونہی سوچتا رہا۔ماہ پارہ اب بھی اس کی طرف ایک آس سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے مسئلہ نہیں لیکن یہ معاملہ تم بعد میں خود سنبھال لو گی۔"وہ سنجیدگی سے بولا۔

"نہیں حسن بھائی آپ انکار کر سکتے ہیں۔ میں۔۔۔ میں آپ پر زبردستی نہیں کر سکتی۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ میرا بھائی ہے۔"

ماہ پارہ کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ "ٹھیک ہے جلد از جلد ہمیں سرجری شروع کرنا چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

وہ پورے راستے جہانگیر کی باتیں کرتا گیا اور ماہ پارہ رشک سے سنتی گئی۔ اسے فخر ہونے لگا تھا جہانگیر پر۔

گھر پہنچتے ہی حسن نے اسے پانی پلایا۔ پانی پی کر وہ جہانگیر کے کمرے میں گئی اور سیدھی سو گئی۔ وہ بہت تھک چکی تھی صبح ہونے میں کچھ ہی وقت باقی تھا اور اسے جلدی اٹھ کر جہانگیر کے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔

☆...☆...☆

مصر میں رات گئے جبکہ پاکستان میں صبح کے چھ بج رہے تھے۔ دس سال پہلے اور اب گاؤں کے حالات بہت بہتر ہو چکے تھے۔ لیکن لوگوں کا ایک ہی معمول تھا۔ ان کی صبح فجر سے شروع ہوتی تھی۔ یہاں کی لڑکیاں بہت جوش و خروش سے صبح جاگتی تھیں۔ جہانگیر کے بہت سمجھانے اور

کوششوں کے بعد سبھی نہیں لیکن تقریباً آدھے گاؤں نے اس پر اتفاق کیا تھا۔ وہ خوشی اپنی بیٹیوں کو اسکول بھیجتے تھے۔

جہاں ایک اسکول بنایا گیا تھا وہاں تھوڑے فاصلے پر ایک کلینک جہانگیر نے بنایا تھا۔ خاص طور پر ماہ پارہ کے لیے۔ اس کی بہت سی خواہشات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ گاؤں والوں کا مفت علاج کیا جائے۔ خاص کر خواتین کا۔ جہانگیر نے سکول بنانے کے فوراً بعد ایک چھوٹا سا کلینک بنایا تھا اس کے لیے۔

مروا کی شادی انہوں نے شہر میں ہی طے کی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں خوش تھی۔ وہ یہاں آتی رہتی تھی۔ آج ان کی وفات کو پانچ برس بیت گئے تھے۔ جہانگیر نے جان بوجھ کر یہ خبر ماہ پارہ تک نہیں پہنچنے دی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی پڑھائی چھوڑ کر پہلے موقع پر یہاں آجائے گی۔ کرامت کی شادی ہریرہ سے ہوئی تھی۔ ان کی شادی کو چھ سال ہو چکے تھے۔ دونوں اپنی زندگی میں بہت خوش تھے۔ جب ماہ پارہ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا تو وہ بہت خوش تھی لیکن یہاں آنے کی ہمت نہیں تھی۔

"بابا، کبیر کو دیکھیں ناں، میرا ربڑ بینڈ نہیں دے رہا۔" پانچ سالہ میرب بال پکڑے ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔

"کبیر، ربڑ بینڈ دو مجھے۔" کرامت بھی اس کے پیچھے ادھر سے اُدھر بھاگے جا رہا تھا لیکن تین سالہ کبیر کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

کرامت بھاگتے ہوئے رک گیا۔ وہ تھک گیا تھا۔ میرب نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اس نے میرب کا ہاتھ پکڑا اور اسے کمرے میں لے گیا۔ میرب پیر پٹختی ہوئی اندر کرامت کے ساتھ جا رہی تھی۔ اسے بیڈ پر بیٹھا کر کرامت نے سنگھار میز سے دوسرا ربڑ بینڈ۔ اس کے بالوں کی چوٹیاں بنا کر اس کا رخ اپنے سامنے کیا۔

"میرب اسکول میں بالکل بھی شیطانی نہیں کرنی۔ زیادہ ہوشیار بننے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ بالکل پھوپھو پر جا رہی ہو۔ تمہیں اچھی لڑکیوں کی طرح جانا ہے اور واپس آنا ہے، ٹھیک ہے؟ کسی لڑکی کو تنگ مت کرنا۔" وہ سنجیدگی سے اسے سمجھا رہا تھا اور میرب بے دلی سے سن رہی تھی۔

"اوکے بابا۔" وہ جا کر کتابیں بیگ کے اندر ڈالنے لگی۔ "لیکن آپ میری پھوپھی کے بارے میں ایسا مت کہیں۔ وہ اچھی ہے۔ بہت اچھی۔" وہ خفا ہو گئی تھی۔

"معذرت جو آئندہ آپ کی پھوپھو کے بارے میں کچھ کہا بھی تو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کہہ کر باہر نکل گیا۔

☆...☆...☆

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

کھڑکی سے ہلکی روشنی آرہی تھی۔ کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ماہ پارہ بمشکل تین گھنٹے سوئی تھی کہ دروازے پر

دستک ہوئی۔وہ آنکھیں مسلتی ہوئے بیٹھی۔بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔اس نے کمبل ہٹا کر سلیپر پہنے، بال سمیٹے، سر پر ڈوپٹہ لیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازہ کھلا تو سامنے حسن ٹرے لیے کھڑا تھا۔ماہ پارہ کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت کتنی تھکی ہوئی ہے۔اسے ابھی آرام کرنے کی ضرورت ہے لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔

"گڈ مارننگ مسز جہانگیر۔"اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ماہ پارہ سامنے سے ہٹ گئی تو وہ اندر آیا۔

"گڈ مارننگ۔"اس نے بمشکل جمائی لیتے ہوئے کہا۔یہ بات تو شروع سے سب کو پتا ہے کہ ماہ پارہ کو نیند سے کتنی محبت تھی۔

"ناشتہ کرو جلدی، اس کے بعد ہمیں ہسپتال جانا ہے۔"اس نے ناشتہ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے منہ تو۔۔۔۔"اس نے دوبارہ منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی لی۔"دھونے دیتے۔"

"توبہ ہے ماہ پارہ جلدی کرو کافی ٹھنڈی ہو جائے گی۔"ماہ پارہ نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ وہاں سے چلا گیا۔

اس نے سر سے دوپٹہ ہٹا کر بیڈ پر رکھا اور تھکاوٹ سے واشروم کی طرف بڑھی۔کچھ دیر بعد جب وہ نکلی تو چہرہ تر تھا اور اس کی آستینیں کہنیوں تک لپٹی ہوئی تھیں۔وہ میز کی طرف بڑھی اور ناشتے

کی ٹرے لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔وہ آہستہ آہستہ ناشتہ کر رہی تھی۔اس کی آنکھیں ابھی تک سوئی ہوئی تھیں۔وہ سونا چاہتی تھی لیکن نیند سے زیادہ ضروری ہسپتال جانا تھا۔

حسن پارکنگ ایریا میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔وہ دونوں ہسپتال پہنچ چکے تھے۔ڈاکٹر کے کیبن میں وہ دونوں اہم گفتگو کر رہے تھے کہ ہسپتال کے بیڈ پر لیٹا جہانگیر بیدار ہو چکا تھا۔وہ اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔اسے کچھ مختلف محسوس ہوا۔جیسے ابھی تک کسی کا لمس اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ماہ پارہ کا خیال اس کے ذہن میں آیا مگر اس نے فوراً سر جھٹک دیا۔ماہ پارہ یہاں کیوں آئے گی؟اگر اسے آنا ہوتا تو وہ کب کی آچکی ہوتی۔

ڈاکٹر سے بات کرنے کے بعد حسن اٹھ کر جہانگیر کے کمرے میں آیا۔

"بھائی آپ جاگ رہے ہیں،کیا میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟"

"کل کوئی آیا تھا؟"اس نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"آ۔۔۔نہیں تو۔۔کون آئے گا بھلا؟"اس نے محتاط انداز میں کہا اور اس کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

وہ "اچھا" کہہ کر چپ ہو گیا اور چہرے کا رخ کھڑکی کی طرف موڑ کیا۔ایسے کیسے ہو سکتا ہے ایک ہفتہ ہو گیا اور ماہ پارہ اس سے ملنے ہی نہیں آئی؟

دروازے پر دستک ہوئی اور اگلے ہی لمحے ڈاکٹر اندر داخل ہوئے۔ جہانگیر ابھی تک کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حسن اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔

"تو جہانگیر بلآخر تمہیں ڈونر مل گیا۔" ڈاکٹر مسکراتے ہوئے اسے انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

جہانگیر نے جھٹ سے حسن کی طرف دیکھا اور پھر ڈاکٹر کی طرف۔ حسن لب کاٹے جہانگیر کے رد عمل کا انتظار کرنے لگا۔

"اور کون ہے یہ ڈونر؟" وہ حسن کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھ رہا تھا۔

"ہے کوئی فرشتہ جسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ وہ تم خود دیکھ لینا۔ اچھی بات یہ ہے کہ جلد سے جلد ایک ڈونر مل گیا۔" وہ مسکراتے ہوئے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کہہ رہے تھے۔ "اب بلا تاخیر ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔ کیوں حسن؟"

حسن نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر بھی، اس فرشتے کا کوئی نام تو ہو گا جسے میں اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں؟" اس ساری گفتگو میں جہانگیر حسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مشکوک نظروں سے۔

"یہ ہم نہیں بتا سکتے۔" ڈاکٹر یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔

حسن دوبارہ اپنے سیٹ پر بیٹھ گیا۔وہ جہانگیر کو نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ کبھی چھت کو دیکھتا تو کبھی دیوار کو۔گھبراہٹ ہی وجہ سے وہ اپنا دائیاں پیر ہلانے لگا۔اس کی مسلسل گھوری سے حسن کے ہتھیلیاں نم ہونے لگیں۔

"مجھے ڈونر سے ملنا ہے۔"حسن جہانگیر کی بات پر چونک گیا لیکن چہرے پر کوئی تاثر ظاہر نہ ہونے دیا۔

"جی؟"

"کیا جی؟آسان لفظوں میں کہا تو ہے کہ مجھے ڈونر سے ملنا ہے۔"جواب میں جہانگیر نے غصے سے کہا۔

"جی؟"اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اور کیا کہے،وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔

"اگر اب تم نے ایک اور بار جی کہا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔"وہ غصے سے دھارا تھا۔حسن کا حلق خشک ہو گیا۔اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں پانی پینے لگا۔

"تم ہی ہو ناں وہ ڈونر؟"جہانگیر کی بات پر حسن کا پانی پیتا ہاتھ رکا۔وہ بری طرح کھانسنے لگا۔ جہانگیر بغور سے اسے دیکھتا رہا۔

کھانستے ہوئے اس کے آنکھوں میں پانی بھر گیا۔جہانگیر نے بھی ایک عمر گزاری تھی وہ جانتا تھا حسن جب بھی اس سے جھوٹ بولتا ہے تو وہ بہت گھبرا جاتا ہے۔

جب وہ کھانستے ہوئے رکا تو جہانگیر کی طرف سرخ آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔

"جی؟میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔"وہ چیخا۔"میں بچہ نہیں ہوں جو تم مجھے بے وقوف بناؤ اور میں بن جاؤں گا۔"

"بھائی کیا ہو گیا ہے۔آج اگر میں آپ کے۔۔۔۔"

"منہ بند رکھو اپنا۔"اس نے حسن کی بات کاٹ کر کہا۔"تمہیں جس نے مجبور کیا ہے ذرا اسے بھی سامنے لاؤ۔"

وہ ماہ پارہ کا نام سننا چاہتا تھا۔اسے اب بھی ایک امید تھی کہ شاید وہ آگئی ہو گی،اسی نے حسن کو مجبور کیا ہو گا۔

"حیدر بھائی نے۔"سر جھکا کر جواب دیا۔

جہانگیر نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔دروازہ کھلا تو حیدر سامنے آتے ہوئے دیکھا۔سلام اور خیریت پوچھنے کے بعد حسن کو سیٹ سے اٹھا کر وہ خود جہانگیر کے قریب آکر بیٹھا۔

"بھابھی اور رامین نہیں آئیں؟"

"وہ آگئے ہیں، ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ رامین نے ہسپتال آنے کی بہت ضد کی لیکن میں نے منع کر دیا۔"

"خیر ہے، لے آتے رامین کو۔۔۔اور۔۔۔"

حیدر اس کی بات کو کاٹ کر کہنے لگا۔"اس کی دن رات ہسپتال میں ڈیوٹی ہوتی ہے۔ اس کے پاس ہمارے ساتھ بیٹھنے کا وقت نہیں ہوتا۔ وہ اکثر ہسپتال میں ہی رک جاتی ہے ورنہ ہمارا گھر ہے، وہ وہاں چلی جائے گی۔" وہ مسکراہٹ دبائے بہت بمشکل کہہ رہا تھا۔

"میں حسن کی جان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" جہانگیر نے گہری سانس لیا اور موضوع بدلا۔

"جہانگیر سمجھداری سے کام لو، حسن بچہ نہیں ہے، اگر وہ آج تمہارے کام آرہا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟" وہ اسے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میں اپنی جان بچانے کے لیے اس کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" اس نے برہمی سے کہا۔

"بھائی میں بچہ نہیں ہوں۔"

"میں نے انکار کر دیا، بس۔" یہ کہہ کر اس نے دوبارہ کھڑکی کی طرف رخ کیا۔

"تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" حیدر نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا ہے کہ نہیں ہے۔ کیا فائدہ اس طرح کی زندگی کا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ حسن اور حیدر بدقت مسکرائے۔

وہ دونوں مسلسل اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حیدر نے اسے بہت سمجھایا۔ اس نے جہانگیر کی تلخ باتیں بھی سن لیں لیکن وہ پھر بھی اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک حیدر ہی تھا جو اس کے لیے اپنی تمام مصروفیات چھوڑ سکتا تھا۔ بلآخر ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ بے دلی سے راضی ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اس بات سے بالکل بھی خوش ہے۔

☆...☆...☆

اس وقت پاکستان میں دوپہر کا وقت تھا۔ سرد موسم کے باوجود دن کے وقت بھی گرمی رہتی تھی۔ اس وقت حویلی میں کوئی موجود نہ تھا سوائے امینہ کے۔ امینہ اپنے تینوں بیٹوں کی تصویر دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے آنکھوں میں چشمہ لگایا ہوا تھا۔ وہ محبت بھری نظروں سے تصویر کو دیکھ کر اس پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

اسی وقت داؤد گھر میں داخل ہوئے۔ امینہ کو اس طرح دیکھ کر وہ ان کی جانب بڑھے۔ انہیں اتنے سالوں میں بیٹوں کی جدائی سے یہ اندازہ تو گیا تھا کہ اگر ماں باپ اپنے بچوں کی خوشی میں خوش نہیں ہوئے تو بچے ان سے دور ہو جاتے ہیں۔ گویا انہوں نے ہار مان لی۔

"جہانگیر کا کوئی خط آیا؟" انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ حسن نے پچھلی بار کہا تھا کہ سرجری ہوتے ہی وہ اسکی آمد کے بارے میں خط بھیجے گا۔ شاید اب تک۔۔" وہ مایوسی سے کہتی ہوئی رک گئیں۔

"رنزہ کب آرہی ہے؟" انہوں نے گہری سانس لے کر اگلا سوال کیا۔

"رنزا شام کو آجائے گی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ آئے گی۔" انہوں نے تصویر کو دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

"سیف کی کوئی خبر؟"

"ہاں، ابھی پڑھائی مکمل کی ہے۔ ایک دو دن میں واپس آجائے گا۔"

"یہ گھر اب ویران لگنے لگا ہے۔" داؤد گہری سانس لے کر کہنے لگے۔ "اب میں اپنے بچوں کو خود سے دور ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں ان سب کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ سب ایک ساتھ رہیں۔"

"میرے تینوں بیٹوں کی شادی ہو جائے گی تو پھر دیکھیں گھر میں رونق ہی رونق ہو گا۔" وہ مسکرائیں لیکن داؤد مسکرا نہ سکے۔

حویلی کو چھوڑ کر کچھ فاصلے پر جاؤ تو اسکول میں بیٹھی میرب اپنی ماں کا انتظار کر رہی تھی۔ جب اس کے پاس ایک لڑکی آکر بیٹھی۔

"میرب کیا تمہاری پھوپھو یہاں نہیں رہتیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں وہ باہر پڑھنے گئی ہیں۔"

"اوہ۔۔ آئی سی!" قدرے توقف سے کہا۔ "تو وہ ادھر کیوں نہیں آتیں؟"

"کیونکہ۔۔۔" وہ کہتے ہوئے رکی۔ "کیا تم اپنے کام سے کام نہیں رکھ سکتی؟" میرب نے سختی سے جواب دیا۔ وہ منہ بسورتی ہوئی اٹھی۔ (انہوں بد تمیز)

"سوچنے والی بات ہے پھوپھو کیوں نہیں آتی؟ انہوں نے تو وعدہ کیا تھا ناگاؤں والوں سے خود سے کہ وہ یہاں آئیں گی واپس۔" وہ مایوسی سے سوچ رہی تھی کہ اتنے میں ہریرہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

☆...☆...☆

ہر گزرتے دن ماہ پارہ کے لیے کسی پریشانی سے کم نہیں تھا کیونکہ ہر گزرتا دن اسے سرجری کے قریب لا رہا تھا۔

جہانگیر کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔اسے اپنی فکر نہیں تھی،اسے صرف حسن کی فکر تھی۔اس وقت بھی وہ ہسپتال کے بستر پر لیٹا سوچوں میں گم تھا۔اس کا ایک دکھ یہ ہے کہ ماہ پارہ اس کے مشکل وقت میں وہاں نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ اگر اسے سرجری کے دوران کچھ ہو گیا تو کیا وہ اسے آخری بار نہیں دیکھ سکے گا؟

دروازہ کھلا تو وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آیا۔رامین مسکراتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب آئی۔اس کے ہاتھ میں گلدستہ تھا۔وہ سلام کرتی ہوئی کرسی پر جا کر بیٹھی۔بلیو جینز کے ساتھ اس نے شارٹ فراک پہن رکھی تھی۔گلے کے گرد دوپٹہ مفلر کی طرح لے رکھا تھا۔

"کیسے ہیں آپ جہانگیر بھائی؟"اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے سامنے ہی ہوں۔"اس نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کو ڈر تو نہیں لگ رہا؟"اس کے سوال پر جہانگیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"all the best for your surgery"

اس نے گلدستہ بستر کے پاس رکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ بچے۔"وہ شاید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہنے سے قاصر تھا۔

"جہانگیر بھائی،آپ یہاں بور تو نہیں ہو رہے ہیں؟"وہ سرگوشی نما انداز میں کہہ رہی تھی۔

جواب میں جہانگیر نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔گلاب کے تازہ پھولوں کی خوشبو سے اسے اچھا لگ رہا تھا۔اس سے بے خبر کہ یہ گلدستہ ماہ پارہ نے بھیجا تھا۔

"تمہاری آپی کیسی ہے؟"اس نے گلاب کے پھول کو میز پر رکھا۔

"بالکل ٹھیک ہیں۔"

"ابھی بھی وہیں ہے؟"اس نے سرسری سا پوچھا۔رامین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ بہتر ہو جائیں پھر ہم اکھٹے پاکستان جائیں گے۔"اس نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جوش سے کہا۔

"تم یہاں کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟مطلب۔۔۔"

"جہانگیر بھائی میں نے ایک ہفتے کی چھٹی لی ہے۔اور اگلے مہینے سے ویسے بھی چھٹیاں ہوں گی۔تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔"اس نے کندھے اچکائے۔

جہانگیر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا۔وہاں ڈاکٹر اسے لے جانے کے لیے آئے تھے۔سب ٹیسٹ وغیرہ اس ایک ہفتے میں ہو گیا تھا۔ماہ پارہ مزید دیری نہیں کر سکتی تھی۔

"مسٹر جہانگیر آپ تیار ہے سرجری کے لیے؟"ڈاکٹر کے سوال پر جہانگیر نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆...☆...☆

ایک ماہ بعد

جہانگیر کے علاج کو ایک مہینہ ہو چکا تھا اور ماہ پارہ ایک ماہ سے اس کے پاس تھی لیکن یہ بات جہانگیر کو معلوم نہیں تھی۔ وہ پاکستان میں اس سے ملنا چاہتی تھی اور جہانگیر اس سے ناراض تھا کہ ایک مہینہ گزر گیا لیکن ماہ پارہ اس سے ملنے نہیں آئی۔ وہ ہسپتال کے بیڈ پر بیٹھا تھا۔ حیدر اس وقت اس کے ساتھ تھا۔ درمیان میں وہ کچھ دنوں کے لیے جاتا اور پھر مصر واپس آتا۔ رامین اور یاسمین سرجری کے ایک ہفتے بعد چلی گئی تھیں۔

حیدر تین دن پہلے رامین اور یاسمین کے ساتھ لندن سے اسے پاکستان ڈراپ کرنے آیا تھا۔ اسے پاکستان چھوڑنے کے بعد ہی وہاں سے واپس لنڈن جائے گا۔ رامین سرجری کے بعد پہلی بار جہانگیر سے ملنے آئی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"شکر ہیں آپ ٹھیک ہے ورنہ۔۔۔" اس کی چلتی زبان کو بریک لگی۔ "میں نے آپ کے اور حسن بھائی کے لیے بہت دعائیں کی۔"

جہانگیر نے سر کے خم سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کی نظریں بار بار دروازے پر جا کر رک جاتیں۔

"تم پاکستان جانا چاہو گی؟" جہانگیر نے اس سے سوال کیا۔

"جانا تو چاہتی ہوں لیکن بابا مجھے جانے نہیں دیں گے۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

"اس کی فکر تم مت کرو۔" وہ قدرے توقف سے بولا۔ "اور۔۔۔وہ۔۔۔"

"میں نے کہا تو ہے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ اگر ان کے پاس وقت ہو گا تو وہ آجائیں گی۔" جہانگیر کی بات کو کاٹ کر تحمل سے کہا۔

جہانگیر خاموش ہو گیا۔ اب وہ جلد از جلد اس ہسپتال سے نکل جانا چاہتا تھا۔ یہاں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

ماہ پارہ کل کے فلائٹ سے ہی پاکستان چلی گئی تھی۔ جہانگیر کی فلائٹ آج تھی۔ وہ اس وقت گھر میں موجود تھا۔ اس نے تقریباً پیکنگ کر لی تھی۔ حسن پاکستان جانا نہیں چاہتا تھا اور جہانگیر نے اسے مجبور نہیں کیا۔ حسن نے جہانگیر سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی مرضی سے آئے گا، اس لیے اس نے اصرار نہیں کیا۔

وہ بیڈ پر بیٹھا پیکنگ کر رہا تھا کہ پاس ڈریسنگ ٹیبل پر اس کی نظر پڑ گئی۔ وہاں انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔ وہ بمشکل اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس گیا۔ انگوٹھی کے علاوہ اور بھی چیزیں تھیں جس سے

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کمرے میں کوئی لڑکی ٹھہری ہوئی تھی۔اسی وقت حسن کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ انگوٹھی کس کی ہے؟"جہانگیر نے اسے مشکوک انداز میں پوچھا۔

حسن نے بے اختیار لب کاٹا۔"آآآ۔۔۔بھائی وہ۔۔۔میری۔۔یہ۔۔۔۔"

" گرل فرینڈ؟"آئیبرو آچکا کر پوچھا۔

جواب میں حسن کی آنکھیں بے اعتباری سے پھیل گئیں۔کیا وہ اس قسم کا آدمی تھا جو گرل فرینڈ بنا کر اسے گھر بلائے گا؟وہ بے یقینی سے اپنے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔لیکن اس وقت ہاں کہنا ہی بہتر تھا۔ ماہ پارہ کی وجہ سے وہ بری طرح پھنس گیا تھا۔اس نے اثبات میں سر ہلایا تو جہانگیر نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا۔

"تو پھر میرے کمرے میں رہنے کی اجازت کیوں دی؟"وہ بڑبڑاتا ہوا واپس اپنے کام میں لگ گیا۔

(آپ کی بیوی ٹھہری ہوئی تھی یہاں نہ کہ میری گرل فرینڈ۔ہونہہ۔۔میں ایک لڑکی کو گھر لاؤں گا؟)وہ سر جھٹک کر واشروم چلا گیا۔

"ایک خط تو بھیج ہی سکتی تھی۔شوہر ہوں اس کا۔اتنی بھی کیا ناراضگی؟میں نے اس پر ظلم کے کون سے پہاڑ توڑے جو اتنا غیر جانبدارانہ موقف اختیار کر رہی ہے۔آخر میرا کیا قصور تھا؟"وہ

بڑبڑاتے ہوئے کام کر رہا تھا۔اس کا موڈ پچھلے ایک مہینے سے خراب ہی تھا۔وہ ہر بات پر چڑ جاتا تھا۔ہر بات پر اس کا منہ بن جاتا تھا۔

ماہ پارہ پاکستان پہنچ چکی تھی۔وہ اس وقت شہر کے ایک ہوٹل کی لابی میں کھڑی تھی۔ریسپشنسٹ سے اپنے کمرے کی چابی لے کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔چابی سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی اور بیگ ایک طرف رکھ دیا۔جوتے بھی اتار کر ایک طرف رکھ دیے۔اسے بے حد تھکاوٹ کا احساس ہوا۔وہ فریش ہوئے بغیر سیدھا بیڈ پر چلی گئی۔چہرے تک کمبل اوڑھے وہ کب نیند کی وادیوں میں چلی گئی اسے خبر بھی نہ ہوئی۔

جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو سر میں بے تحاشا درد تھا۔اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔اس نے آدھ کھلی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔وہ مزید سونا چاہتی تھی۔ایک تو اسے اپنا سر بھاری محسوس ہو رہا تھا اور اس کی نیم وا آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔اس نے گھڑی میں وقت دیکھا تو اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔نیند کہاں؟سر درد کیسے تھا؟رات کا آخری پہر تھا۔وہ اتنی دیر تک سوتی رہی؟دو گھنٹے میں تو جہانگیر کو آنا تھا۔وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

وہ بے اختیار چھینکنے لگی۔وہ چھینکتے ہوئے اٹھی۔اپنا بیگ لے کر بیڈ پر رکھ دی۔بیگ کھولا اور اس میں سے مطلوبہ ڈریس نکال کر زپ بند کر دی۔اسے پھر سے بے اختیار چھینک آئی۔وہ واش روم جا کر کپڑے بدل کر باہر نکل آئی۔وہ کالے رنگ کی لمبی قمیض کے ساتھ سیاہ پاجامہ میں ملبوس

تھی۔ بال جوڑے میں بندھے ہوئے تھے۔ رسیور کان سے لگائے وہ اپنے لیے کھانے کو کچھ منگوانے کا سوچ رہی تھی کہ رسیور واپس کریڈل پر رکھا۔ اس وقت اسے خاک کچھ ملنا تھا؟

اس کی چھینکیں نہیں رک رہی تھیں۔ آنکھوں کی سرخی بڑھ رہی تھیں۔ ان میں بھر بھر کے پانی جمع ہو رہا تھا۔ اسے بے حد سردی لگ رہی تھی تو وہ واپس کمبل میں جا کر گھسی۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ سونے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

گہرے نیلے رنگ کا آسمان روشنی میں ڈھل رہا تھا۔ فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ لانگ کوٹ پہن کر وہ کمرے سے باہر نکلی۔ کمرہ لاک کیا۔ چابی کوٹ کے جیب میں ڈال کر وہ نیچے لابی سے گزرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ایئرپورٹ کے راستے میں، اس نے اپنے لئے ایک ماسک لیا۔ اسے شاید یہاں کی مٹی سے الرجی ہو گئی تھی۔ وہ خود ہی اس سوچ میں پڑ گئی کہ جس ملک میں اس کا بچپن گزرا وہاں اسے الرجی کیسے ہو گئی؟

وہ ایئرپورٹ پر کھڑی تھی۔ لوگوں کا زیادہ ہجوم نہیں تھا۔ وہ لب کاٹے بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔ کوٹ کے جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ متلاشی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ رامین دور سے ہاتھ ہلا کر اس کی توجہ مبذول کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس حلیے میں صرف رامین ہی اسے پہچان سکتی تھی وجہ سیاہ کوٹ تھا جو رامین نے اسے خاص تحفے میں دیا تھا۔

اس کی متلاشی نظریں رک گئیں۔اس کی نظریں فقط جہانگیر پر ٹھہر گئی تھیں جو سر جھکائے خاموشی سے ان کے ساتھ چلتا ہوا آرہا تھا۔وہ اداس لگ رہا تھا، شاید اس نے امید ہی چھوڑ دی تھی کہ ماہ پارہ اس سے یہاں کم از کم ایئرپورٹ پر ملنے آسکتی ہے۔اس کے بر عکس ماہ پارہ خوش تھی۔ اس کے لب ماسک کے پیچھے مسکرا رہے تھے۔اس کی سنہری آنکھیں چمک رہی تھیں۔

رامین نے بھاگ کر ماہ پارہ کو گلے لگایا۔ جیسے کل یہاں آنے سے پہلے اس نے وہ ماہ پارہ سے نہیں ملی تھی۔ جہانگیر نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھا اور پھر مقابل بندی کو دیکھا جس سے وہ گلے مل رہی تھی۔اس کے بھنویں تعجب سے بھینچ گئے۔

"یہ رامین کس سے مل رہی ہے؟ کیا یہاں اس کی کوئی دوست تھی؟" وہ حیدر سے سوال کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ ماہ پارہ کو نہ پہچان سکا۔

جواب میں حیدر نے مسکراہٹ دبا کر کندھے اچکائے۔ماہ پارہ تیز سے دھڑکتے دل کے ساتھ قدم جہانگیر ہی طرف بڑھا رہی تھی۔ جہانگیر بے نیازی سے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ جس کو وہ ڈھونڈ رہا تھا وہ بالکل اس کی آنکھوں کے سامنے تھا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا۔اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ان کے پاس آکر رک گئی۔

"اسلام و علیکم۔" سب کو ایک ساتھ سلام دے کر وہ لب کاٹنے لگی۔ نظریں جہانگیر پر ہی مرکوز کیے ہوئے تھیں۔

وہ لاکھوں لوگوں کے ہجوم میں بھی اس کی آواز کو پہچان سکتا تھا۔وہ ٹھہر گیا۔ساکت۔ منجمد۔اس کے ہاتھ ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے۔وہ یک تک اسے سر تا پیر دیکھ رہا تھا۔اس کی آواز ویسے ہی خوبصورت تھی۔آج پھر وہ اس کی آواز کے سحر میں کھو گیا تھا۔اس کی موجودگی نے جہانگیر کو حیران کر دیا۔

آہ،دس سال کے طویل انتظار کے بعد وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔وہ اس احساس کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔جہانگیر ابھی تک صدمے میں تھا۔کیا وہ واقعی اس سے ملنے آئی ہے؟اسے لگا شاید وہ کوئی خواب ہے جو ابھی ٹوٹ جائے گا یا یہ اس کا وہم تھا جو بس ابھی دور ہونے والا تھا۔

حیدر اور یاسمین نے اس کے سلام کا جواب دیا۔رامین بھی مسکرا کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی لیکن کون کس کی سن رہا تھا اور کون کس کو دیکھ رہا تھا۔وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

"ماہ پارہ تم نے چشمہ کیوں پہن رکھا ہے؟"حیدر نے پریشانی سے پوچھا۔

"الرجی!"اس نے شہادت کی انگلی سے عینک نیچے کی۔جواب میں حیدر نے "اوہ" کہا اور چپ ہو گیا۔جہانگیر نے اس کی آنکھیں نہیں دیکھی تھی کیونکہ اس نے مڑ کر حیدر کو دیکھا یا تھا۔

"چلو پھر ہم جاتے ہیں ہوٹل۔تم جہانگیر کو اپنے ساتھ لے چلنا۔رات کو پھر ملیں گے۔"حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی؟میں۔۔۔"

"اوکے اللہ حافظ آپی، پھر ملتے ہیں۔"رامین مسکراہٹ دبائے کہتی ہوئی حیدر اور یاسمین کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

ماہ پارہ کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔چند لمحے ان کے درمیان خاموشی رہی۔وہ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے ایسے ہی کھڑی تھی مگر اس کی نظریں جہانگیر پر مرکوز تھیں۔جہانگیر سر جھکائے کھڑا تھا۔ خاموش اور پریشان۔

اس نے گہری سانس لے کر کہا۔"کیسے ہیں آپ؟"اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

وہ چونکا۔"سامنے کھڑا ہوں، دیکھ لو۔"

"مجھ سے نہیں پوچھیں گے؟"اس نے توقف کے ساتھ دوبارہ پوچھا۔

"سامنے کھڑی ہو، دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ۔۔۔آپ بدل گئے ہیں۔میرا مطلب پہلے سے زیادہ ہینڈسم ہو گئے ہیں۔"اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اور کیا کہے۔اس کا موڈ بھی ٹھیک کرنا تھا۔

"تم بھی بدل گئی ہو۔کافی زیادہ۔میری سوچ سے بھی زیادہ۔"وہ دونوں اپنے ارد گرد لوگوں کے ہجوم کی پرواہ کیے بغیر اپنے آپ میں سموئے ہوئے تھے۔

"کیا میں پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہوں؟" اس نے ایک دم سے پر جوش ہو کر پوچھا۔

"ماسک اتارو گی تو مجھے پتا چلے گا۔" وہ اس کے ماسک سے تنگ آ چکا تھا۔ ایک تو اتنے سالوں بعد اس سے مل رہی تھی اب بندہ چہرہ اور آنکھیں بھی نہ دیکھے؟

اس نے ماتھا پیٹا۔

"سوری!" وہ مسکرائی لیکن اس کی مسکراہٹ کون دیکھ سکتا تھا۔ اس نے شہادت کی انگلی سے ماسک نیچے کیا۔ پھر آنکھوں سے عینک ہٹا دی۔

جہانگیر پلک جھپکنا بھول گیا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں کھڑا ہے۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ گویا اس نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی۔ جہانگیر آج پہلی بار اسے اس طرح دیکھ رہا تھا۔ محبت بھری نظروں سے۔ اس کے نظروں کا مفہوم بدل گیا تھا۔ ایک ثانیہ لگا اور اس ایک ثانیے میں اس کی زندگی بدل گئی۔ آج وہ اسے اپنی منکوحہ کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن رک گئی۔ کیا اسے؟ نہیں، ایک نظر میں نہیں۔ لیکن محبت کے لیے ایک نظر ہی کافی ہے۔

"کیا تمہاری خوبصورتی کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کافی ہوں گے؟" اس کے سحر سے باہر نکلا تو اس نے کہا۔

ماہ پارہ کان کی لو تک سرخ ہو چکی تھی۔ وہ بلش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ کر جہانگیر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ کون کس سے ناراض تھا؟ کیوں تھا؟ اسے سب بھول گیا تھا۔ ان سنہری آنکھوں کے سامنے بھی بھلا اسے کچھ نظر آتا تھا؟ دس سال پہلے جس طرح وہ ان آنکھوں میں کھو جاتا تھا، دس سال کے بعد بھی اس کا یہی حال تھا۔ وہ متحیر سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر کو اس کا یوں بلش کرنا بہت اچھا لگا

تھا۔

"آنکھوں کو کیا ہوا؟" ہوش سنبھالتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"الرجی۔ جب سے آئی ہوں ایسے ہی ہے۔" اس نے چشمہ اور ماسک واپس لگا دیا۔

"یہ اس کا حل نہیں ہے۔ چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" وہ اپنا بیگ پکڑنے ہی والا تھا کہ ماہ پارہ نے اسے روکا۔

"جہانگیر میں خود ڈاکٹر ہوں مجھے معلوم ہے کیا کرنا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے جہانگیر کا بیگ پکڑ چکی تھی۔

"آآ۔۔ہاں۔۔۔میں بھول گیا تھا۔ اب چلیں؟" جہانگیر کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ انکے درمیان سب نارمل ہو گیا تھا لیکن وہ دونوں راستے بھر خاموش رہے۔

☆...☆...☆

صبح کا سورج کا اب نام ونشان نہیں تھا۔ مغرب کی اذان ہو چکی تھی۔ ماہ پارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی آنکھوں میں قطرے ڈال رہی تھی۔ جہانگیر بیڈ پر لیٹا بے خبر سو رہا تھا۔ ماہ پارہ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا قطرہ ڈالنے کے بعد اس نے انٹر کام اٹھا کر کان سے لگایا۔ وہ اب اپنے اور جہانگیر کے لیے کھانے کا آرڈر دے رہی تھی۔ ریسیور کریڈل پر رکھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ بور ہو رہی تھی اس لیے میز سے کتاب اٹھا کر پڑھنے لگی۔

جہانگیر کی آنکھ کھلی تو اسے اپنے سامنے صوفے پر بیٹھا دیکھا۔ ماؤف دماغ کے ساتھ وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ صوفے پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھی تھی۔

"وقت کیا ہو رہا ہے؟" جہانگیر کی آواز پر ماہ پارہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔۔

"آآ۔۔۔آپ نے تو ڈرا ہی دیا۔" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "ساڑھے سات بجے ہیں۔"

جہانگیر نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس نے اٹھ کر بیگ سے کپڑے نکالے اور فریش ہونے کے لیے واش روم

چلا گیا۔ ماہ پارہ منہ کھولے بیٹھی رہی۔ (کیا اب صرف میں ہی بات کروں؟) وہ بڑبڑاتی ہوئی واپس کتاب پڑھنے میں مگن ہو گئی۔

وہ باہر نکلا تو گرے رنگ کے شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس تھا۔گیلے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔چہرے پر بڑھی ہوئی داڑھی اب قدرے کم ہو گئی تھی۔ماہ پارہ نے کتاب نیچے کی اسے بس ایک نظر دیکھا پھر کتاب واپس اپنے چہرے کے سامنے رکھ دی۔جہانگیر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس رک گیا۔وہ بال برش سے پیچھے کو سیٹ کر رہا تھا۔

"تمہاری آنکھیں اب بہتر ہے؟"وہ ہاتھ پر گھڑی پہنتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

ماہ پارہ نے چونک کر کتاب سامنے سے ہٹادی۔"ہاں اب بہتر ہے۔"

"گاؤں کب جانا ہے؟"وہ اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھ رہا تھا۔

"جب آپ چاہیں۔"وہ اٹھ کر بیٹھی اور کتاب میز پر رکھ دی۔

"ابھی نکلتے ہے پھر ایک گھنٹے میں۔"وہ اس کے ساتھ صوفے پر آکر بیٹھا۔بے حد قریب۔

"اب کیسے۔۔۔ہیں آپ؟"

"اب بہتر ہوں۔"وہ دروازے کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی غلطی بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دونوں کھانا کھا چکے تھے۔دونوں کے درمیان ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ کھانے کے بعد ماہ پارہ نے اپنا اور جہانگیر کا سارا سامان پیک کیا۔وہ باقی سامان باندھ رہی تھی جب ان کے کمرے کا دروازہ کھلا۔سامنے رامین مسکراتی ہوئی آرہی تھی۔

"رامین تم اکیلی آئی ہو؟"ماہ پارہ اسے گلے لگا کر الگ ہوئی۔

"میں آپ لوگ کے ساتھ گاؤں جارہی ہوں۔ مما بابا نے اجازت دے دی ہے اور میں ایک ہفتے مزید یہاں رک سکتی ہوں۔"وہ خوشی سے کہہ رہی تھی۔جہانگیر کے ماتھے پر بل پڑے۔

"رامین۔۔۔بچے تم گاؤں کیسے۔۔۔"

"میں کیوں نہیں جاسکتی؟اتنی مشکل سے اجازت ملی ہے۔کیوں جہانگیر بھائی؟"وہ آخر میں جہانگیر سے مخاطب ہوئی اور اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"حیدر بھی آرہا ہے ساتھ؟"

"نہیں بابا نہیں آرہے اور نہ ہی ممی۔بابا کو یہاں کام ہے اور ممی انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔"

"رامین،آپ گاؤں نہیں جاسکتے کیونکہ آپ وہاں کے ماحول سے واقف نہیں ہیں۔"وہ متفکر سے اس سے کہہ رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوگا،آپی پلیز ناں۔"وہ معصومیت سے التجا کرنے لگی۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

ماہ پارہ نے کندھے اچکائے۔"تمہارا سامان؟"

"اوہ نو۔۔ بابا انتظار کر رہے ہیں آپ لوگوں کا۔ جلدی کریں، وہ ہمیں گاؤں چھوڑنے جا رہے ہیں۔" وہ فوراً اٹھی اور ماہ پارہ کے ساتھ پیکنگ میں مدد کرنے لگی۔

جہانگیر اٹھ کر کمرے سے باہر نیچے چلا گیا۔ماہ پارہ اور رامین بھی تقریباً دس منٹ کے بعد وہاں موجود تھیں۔رامین حیدر کے ساتھ فرنٹ پر بیٹھ گئی۔اس نے مسکراہٹ دبائے ماہ پارہ کو دیکھا۔ماہ پارہ نے جواب میں اسے گھورا اور پیچھے جا کر بیٹھی۔جہانگیر بھی اس کے ساتھ جا کر پیچھے بیٹھ گیا۔

"حیدر بھائی بھابھی نہیں آئیں؟"

"نہیں ان کو ذرا یہاں کام تھا تو وہ پھر کبھی آئیں گی۔"

راستہ خاموشی سے کٹنے لگا۔ماہ پارہ یہاں کے راستوں کو دیکھ رہی تھی۔سردی کافی بڑھ چکی تھی۔ٹھنڈی ہوائیں اپنے چہرے پر محسوس کر کے اس نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔جہانگیر بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا۔کبھی گردن کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھ دیتا اور کبھی سر ہاتھوں میں گرا دیتا۔بلآخر اسے جب آرام نہیں ملا تو اس نے اپنا سر ماہ پارہ کے کندھے پر رکھا۔

ماہ پارہ نے کرنٹ کھا کر اس طرف دیکھا۔وہ آنکھیں بند کیے چند لمحے اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا۔ماہ پارہ یک تک اس کا سر اپنے کندھے پر دیکھ رہی تھی۔رامین آگے حیدر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔وہ گاؤں کو دیکھنے میں مگن تھیں۔جہانگیر نے ایک آنکھ کھولی اور اسے دیکھنے کے لیے چہرہ اٹھایا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم کہو تو میں نہیں رکھتا سر۔"اس نے سنجیدگی سے مگر دھیمی آواز میں کہا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" وہ نروس ہو رہی تھی۔

جہانگیر نے اب کی بار اس کی گود میں سر رکھا۔ ماہ پارہ اس کی اس حرکت پر چونک گئی۔ وہ کچھ دیر ساکت بیٹھی رہی۔

"کیا تم اپنے ہاتھوں سے میرا سر دبا کر مجھے آرام بخشو گی؟ مجھے سکون چاہیے جو کہ آدھا مجھے مل چکا ہے۔" وہ دھیمی آواز میں اس طرح کہہ رہا تھا کہ ماہ پارہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکتی تھی۔

جہانگیر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ماہ پارہ نے دھیرے سے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کیونکہ حویلی شہر سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں پہنچنے میں آدھا گھنٹہ لگ جانا تھا۔ وہ اپنے نرم ہاتھوں سے اس کا سر دبا رہی تھی۔ جہانگیر زیر لب مسکرا رہا تھا لیکن اس کی مسکراہٹ کو ماہ پارہ نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بس پریشانی سے ارد گرد دیکھ رہی تھی کہ کوئی اسے نہ دیکھ لے۔ جب ماہ پارہ نے اسے دیکھا تو وہ ٹھہر گئی۔ وہ بالکل معصوم سا بچہ لگ رہا تھا جسے بہت پیار اور توجہ کی ضرورت تھی۔

ماہ پارہ نے جہانگیر کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اس کے بال واپس ماتھے پر بکھیر دیے۔ جہانگیر نے اس کی حرکت پر مسکراہٹ دبائی اور دوبارہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر ماتھے پر بکھرے بال پیچھے کر دیا۔ ماہ پارہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا پھر دوبارہ اس کے بال ماتھے پر بکھیر دیے۔ اس سے پہلے کہ جہانگیر اپنا ہاتھ اپنے بالوں میں لے جاتا ماہ پارہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ جہانگیر کی

آنکھیں ہنوز بند تھیں۔وہ جانتا تھا کہ اگراس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ اس کی آنکھوں میں کھو جائے گا۔

"رہنے دیں نا اچھے لگ رہے ہیں ایسے ہی۔"اس نے مدھم آواز میں سرگوشی کی۔

"کیا میں ایسے زیادہ ہینڈسم لگ رہا ہوں؟"اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں بالکل نہیں لگتے۔"وہ مسکراہٹ دبائے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں ہمیں بھی بتاؤ میں اکیلا بور ہو رہا ہوں۔"حیدر کے پوچھنے پر جہانگیر فوراً اٹھ بیٹھا۔

"آآآ۔۔۔کچھ نہیں۔ہم کب تک پہنچ رہے ہیں؟"

"یہ۔۔۔پہنچ گئے بس۔"حیدر نے گاڑی کو دائیں طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"ماہ پارہ اتنی دھیمی آواز میں بولی کہ جہانگیر بمشکل سن سکا تھا۔

"کس بات کا؟"جہانگیر نے سمجھے بغیر پوچھا۔

"ظاہر ہے آپ کے گھر والوں کا۔"

"جیسے میں پہلے تمہارے ساتھ کھڑا تھا،اب بھی تمہارے ساتھ کھڑا رہوں گا۔"اس نے ماہ پارہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

حیدر انہیں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ جہانگیر نے ایک سیکنڈ کے لیے بھی ماہ پارہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ وہ اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ جس طرح وہ پہلے اس کے ساتھ کھڑا تھا اسی طرح اس کے ساتھ کھڑا رہے گا۔ رامین آگے چل رہی تھی اور یہ دونوں پیچھے۔

"سب سے پہلے دادا جان سے ملیں گے۔ پچھلے بار انہوں نے ہی بچایا تھا نا ہمیں۔" یہ کہنے کی دیر تھی کہ جہانگیر کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اسے امینہ نظر آئی جو صوفے پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی۔ ماہ پارہ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ جہانگیر نے انہیں پکارا۔ ان کی نظر جیسے اس پر پڑی تو وہ اپنی آنسو کو روک نہ سکیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر جہانگیر کی طرف بڑھیں۔ اسے گلے سے لگایا۔ ان سے الگ ہو کر جہانگیر نے ان کا ہاتھ چوما۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟ زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی؟" وہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"ماں سا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ روئیں تو نہیں۔" جہانگیر نے ان کے آنسو پونچھے۔ ماہ پارہ پریشانی میں اپنا نچلا لب کاٹنے لگی۔

"دو مہینوں میں صرف ایک خط بھیجا، کیا کوئی ایسا کرتا ہے؟ اور حسن، وہ نہیں آیا کیا؟" وہ آنکھوں میں آنسو لیے کہہ رہی تھی۔

"ماں ساوہ بھی آجائے گا۔آپ بتائیں کیسی ہیں آپ؟"

"میری چھوڑو، تم بتاؤ۔اپنی خیریت کا خط تو بھیج سکتے تھے۔" ایک اور شکایت۔ان کی نظر ماہ پارہ پر پڑیں۔

"یہ۔۔۔یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟" آنسوں تھم چکے تھے۔لہجے میں سختی تھی۔ماہ پارہ سہم گئی۔رامین نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"یہ لڑکی میری بیوی ہے ماں سا۔" جہانگیر نے دو قدم پیچھے ہٹ کر ماہ پارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ "اسے یہاں واپس آنا ہی تھا۔"

رنزا بھاگتی ہوئی جہانگیر کے قریب آئی اور اسے گلے لگالیا۔جہانگیر نے ماہ پارہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔اس کا ایک

ہاتھ ماہ پارہ کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا رنزہ کے گرد تھا۔جہانگیر کو اس طرح ماہ پارہ کا ہاتھ پکڑے دیکھ کر امینہ کو ایک دم سے غصہ آیا۔ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔رامین گھبرا کر ماہ پارہ کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"ہاتھ چھوڑو اس لڑکی کا جہانگیر۔" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

رنزہ اس سے الگ ہوئی تو پیچھے ماہ پارہ کو دیکھا، جو گھبرائی ہوئی کھڑی تھی۔ رنزہ نے بھی غصے سے اسے دیکھا تھا۔ جہانگیر نے اچھنبے سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"بھائی یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟" رنزہ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ جہانگیر ابھی تک اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

"رنزہ یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟ وہ بھابھی ہے تمہاری۔" اس نے رنزہ کو ٹوکا۔

"اور اس پیاری بھابھی کی وجہ سے ہمارے ساتھ جو ہوا اس کا کیا بھائی؟"

"اس میں ماہ پارہ کا قصور نہیں۔ وہ تو یہاں تھی بھی نہیں۔۔۔"

"یہاں نہیں تھی تبھی تو وہ سب ہوا تھا جہانگیر۔" امینہ نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کوئی مجھے بتائے۔۔۔" ماہ پارہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ امینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"خاموش ہو جاؤ۔ خاموش۔" وہ غرائیں۔ ماہ پارہ ڈر کر پیچھے ہوئی لیکن جہانگیر کی گرفت کی وجہ سے وہ زیادہ پیچھے نہیں جا سکی۔

"ماں سا خدا کے لیے خاموش ہو جائیں۔" جہانگیر نے بے بسی سے کہا۔ "ہم آرام سے بات کر سکتے ہیں۔"

"اس کو نہیں بتاؤ گے اس کے باپ کی۔۔۔"

"ماں سا وہ سب ان کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔" جہانگیر نے ان بات سختی سے کاٹ کر کہا۔ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو گئے۔

"میں بتاتی ہوں کیا ہوا تھا۔" امینہ دو قدم آگے ہوئی تو جہانگیر نے اسے اپنے پیچھے چھپالیا۔ماہ پارہ نے سختی سے جہانگیر کے بازو کو جھکڑ لیا۔

"جس دن تمہارے باپ کو پتا چلا تھا کہ جہانگیر نے تمہیں یہاں سے بھیج دیا ہے اس دن اس نے یہاں آکر ہنگامہ برپا کر دیا۔بقول ان کے جہانگیر کا کوئی حق نہیں بنتا تھا ان کی گھر کی بیٹی کو ان کے اجازت کے بغیر باہر ملک بھیجے۔وہ جہانگیر کے دادا کو پورے گاؤں میں بدنام کرنا چاہتا تھا یہ کہہ کر کہ وہ اپنے بہو کو اس طرح باہر بھیج دیتے ہیں۔" تیز تیز کہتی وہ ہانپ گئیں۔جہانگیر نے اپنی ماں کو روکنے کے لیے کچھ کہنا چاہا تو امینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا اور نفی میں سر ہلایا۔

"جہانگیر کے دادا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔تمہارے لیے میرا بیٹا کتنا خوار ہوا تھا تمہیں معلوم بھی ہے؟" رنزا نے اپنی مٹھی مضبوطی سے جکڑ لی۔"تمہارے اس گھٹیا باپ نے اس کے بعد معلوم ہے کیا کیا تھا؟(جہانگیر نے ضبط سے دانت ہر دانت جمائے تو کنپٹی کی رگیں ابھر آئی)اس نے فیکٹری کو آگ لگائی تھی لیکن بدقسمتی سے وہ خود اس آگ میں جل گیا۔" یہ سننے کی دیر تھی کہ ماہ پارہ کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

اس کی گرفت جہانگیر کے بازو پر ڈھیلی پڑ گئی۔ایک تو جب سے وہ یہاں آئی تھی کمزوری کی وجہ سے اسے چکر آنے لگے تھے۔اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔وہ دھندلی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ایک،دو، تین۔اس کے بعد کون کس پر چیخ رہا تھا، کس نے کیا کہا،وہ کمرے میں کیسے پہنچی،اسے کچھ یاد نہیں تھا۔سارا منظر دھندلاہٹ سے سیاہ ہو چکی تھی۔

اس کی آنکھ کھل گئی لیکن اس کا سر اب بھی چکرا رہا تھا۔آنکھوں کی سرخی اب بھی برقرار تھی۔اس نے ارد گرد نظریں دھرائیں۔وہ اندھیر کمرے میں بستر پر سینے تک کمبل تانے لیٹی ہوئی تھی۔اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔پانی پینے کے لیے وہ اٹھ کر بیٹھی۔شاید یہ رات کا آخری پہر تھا۔اندھیرے کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا

تھا۔وہ اٹھی تو لڑکھڑا کر واپس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اگر اسے اس اندھیرے کمرے میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا تو کوئی تھا جس نے اس کے سامنے پانی پیش کیا تھا یا نہیں شاید وہ اسے پانی پلا رہا تھا۔پانی پلانے کے بعد جہانگیر نے اپنا بڑھایا ہوا ہاتھ پیچھے کر لیا آنسو تھے جو ٹوٹ کر رخسار سے گزر کر اس کے دامن میں ٹپک رہے تھے۔

اس نے سختی سے گھٹنوں پر رکھے دونوں ہاتھوں کو بھینچ رکھی تھی۔وہ لب بھینچ کر اپنے آنسو کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔آنسوؤں کا بہنا بھلا کس کے اختیار میں ہوتا ہے؟ جہانگیر نے اسے روکا نہیں تھا۔اچھا ہے رونے سے دل ہلکا ہو جاتا۔اس نے نرمی سے

ماہ پارہ کا سر اپنی گود میں رکھا۔وہ اس کے بالوں میں اتنی ہی نرمی سے ہاتھ پھیرنے لگا۔اس کے ہر بہتے آنسو سے جہانگیر کو تکلیف ہو رہی تھی۔

"آپ نے۔۔ایک بھی خط میں نہیں بتایا تھا کہ۔۔۔"اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رک گئے۔

"میں مجبور تھا۔مجھے معاف کر دو۔"

ماہ پارہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی،وہ جہانگیر سے ناراض ہونا چاہتی تھی۔اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا پڑ گیا۔وہ روئے جا رہی تھی۔سسکتی جا رہی تھی اور جہانگیر وہ یوں ہی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"تمہارے آنسوؤں سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے ماہ پارہ۔تمہیں روتے دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔مجھ سے غلطی ہو گئی ہے،میں معافی مانگ تو رہا ہوں۔"جب وہ چپ نہیں ہو رہی تھی تو جہانگیر نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

"مجھ سے جھوٹ بولتے وقت کیسا لگ رہا تھا؟"اس نے اس کی گود سے سر اٹھایا اور کرخت آواز میں کہا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"میں نے جھوٹ تو نہیں بولا۔ بس سچ چھپایا تھا۔" اس نے انگوٹھے سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اپنے غلطیوں پر پردہ ڈالنے کا یہ صحیح طریقہ ہے۔" اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ دور ہوئی اور بیڈ کراؤن سے سر ٹکا دیا۔

"جو کچھ بھی ہوا اس کا ایک ہی حل ہے۔ بھول جاؤ سب۔" ماہ پارہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز بلکہ نہیں دو سرپرائز ہیں۔"

"مجھے نہیں چاہیے آپ کا سرپرائز۔" اس نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"اچھا پھر بتاؤ کیا چاہتی ہو؟"

"اب جائیں یہاں سے بس۔" وہ اب تک اس سے ناراض تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ تم اب بھی مجھے حکم دیتی ہو؟" وہ اس کی سنہری آنکھوں میں جھانک کر کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی پن اب قدرے کم تھی۔

"اگر میں حکم دیتی تو مجھے دور نہ بھیجتے آپ۔ میرے کہنے پر ایک بار ملنے آ جاتے۔ آپ تو ایک بار بھی ملنے نہیں آئے۔ نہ ہی ایک بھی خط میں آپ نے کہا کہ واپس آ جاؤ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر لائٹ آن کی۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

اس کے ماتھے پر بل پڑے۔ "تو تم نے اس کا بدلہ اس طرح نکالا؟ میری بیماری کے وقت مجھ سے دور رہ کر؟ تمہیں بھی تو پتا تھا نا میں کتنی تکلیف میں ہوں تب بھی نہیں آئی۔" بلآخر اس نے شکوہ کر لیا۔

رامین دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے سب کچھ سن لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ ماہ پارہ کچھ کہتی رامین بول اٹھی۔ "جہانگیر بھائی آپی سارا وقت آپ کے ساتھ تھیں، ایک منٹ بھی دور نہیں، وہ سرجری کے وقت بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ ان کے بارے میں ایسے غلط مت بولا کریں۔"

جہانگیر کو جھٹکا لگا۔ اس نے بے یقینی سے ماہ پارہ کو دیکھا جو سر جھکائے ہوئے تھی، پھر رامین کو دیکھا۔ جو اس نے سنا

اس پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتا اور پھر بند کر دیتا۔ کمرے میں چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اسے وہ تمام لمحات یاد آ گئے تھے جن میں اس نے ماہ پارہ کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چھڑانے لگیں۔ رامین "اف" کر کے ان دونوں کے درمیان جگہ بنا کر بیٹھی۔

"جہانگیر بھائی اب آپ کچھ کہیں گے؟" ابرو اٹھائے وہ سختی سے پوچھ رہی تھی۔ جیسے اسے برا لگا تھا جہانگیر کا وہ سب کہنا۔

"رہنے دو، انہیں تو بس شکایت کرنا آتا ہے۔ کیا پتا اس بات پر بھی مجھے واپس یہاں سے بھیج دیں۔" وہ طنز کر گئی تھی جس پر جہانگیر نے آنکھیں میچ کر کھولیں۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے ندامت سے کہا۔

ماہ پارہ اس کو سن کر بھی ان سنی کیے رامین کے ساتھ گفتگو میں لگ گئی۔ جہانگیر کا دل چاہا وہ اپنا ماتھا پیٹ لے۔ آخر اس نے شکوہ کیوں کیا؟ اسے ہمیشہ اپنے شکوے بھاری پر جاتا ہے۔ مسلسل نظرانداز ہونے کے بعد اس نے کمرے سے نکلنے میں ہی غنیمت سمجھا۔

"رامین میں صبح ہوتے ہی اپنے گھر جانا پسند کروں گی۔" وہ اونچی آواز میں جہانگیر کو سنانے کے لیے کہہ رہی تھی۔

جہانگیر نے مسکرا کر سر جھٹکا، آگے بڑھ گیا۔ وہ نیچے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اس کی نظر داؤد پر پڑی تو وہ ان کی طرف چل پڑا۔ داؤد اسے دیکھ کر کھڑے ہوئے۔ آنکھوں میں چمک در آئیں اور لبوں پر مسکراہٹ۔ ان کے درمیان بہت پہلے ہی سب ٹھیک ہو گیا تھا۔ انہیں سمجھ آ گیا تھا جتنا ماں باپ اپنے بچوں پر سختی کریں گے بچے اتنے ہی ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی جہانگیر کو وہ کرنے دیا جو وہ چاہتا تھا۔

"اسلام و علیکم بابا، کیسے ہیں آپ؟" جہانگیر نے ان سے گلے مل کر کہا۔

"وعلیکم السلام۔۔میری چھوڑو اپنی بتاؤ کیا حال ہے؟زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی آنے میں؟"

"آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔بالکل ٹھیک ٹھاک۔"وہ ان سے الگ ہوا۔

"اتنا بھی نہیں کیا بابا کو ایک خط بھیجتے۔تمہیں پتا ہے نا مجھے کتنی فکر رہتی ہے تمہاری۔"انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"معذرت چاہتا ہوں۔اب آپ سب بس بھی کریں۔"وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

وہ آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ایک لڑکا بھاگتے ہوئے آکر اس سے لگتا ہے۔جہانگیر منہ کے بل گرتے گرتے بچا تھا۔وہ لڑکا اس کے گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا۔اسے چند لمحے لگے تھے یہ پتا کرنے میں کہ یہ بدتمیز لڑکا کون تھا۔اس کے دونوں ہاتھ کو پکڑ کر چوما اور پھر نرمی سے خود سے الگ کیا۔

"آہ جہانگیر بھائی میں نے آپ کو کتنا مس کیا۔"سیف نے اپنے نہ نظر آنے والے آنسو کو پونچھتے ہوئے اداسی سے کہا۔

جہانگیر مسکرایا۔"مجھے تو تمہاری بالکل یاد نہیں آئی۔"وہ دونوں صوفے پر جا کر بیٹھے۔

"رہنے دیں بھائی۔رہنے دیں۔"ذرا توقف سے کہا۔"ویسے آپ اکیلے آئے ہیں؟"سیف پوری طرح اس سے چپکا ہوا تھا۔

"نہیں دو خاتون میرے ساتھ آئی ہیں۔"

"دو؟ حسین ہیں کیا؟" وہ شرارت سے بولا۔

"بابا دیکھیں کتنا بے شرم ہے یہ۔" جہانگیر منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سیف تنگ نہیں کرو بھائی کو۔" انہوں نے سیف کو ٹوکا۔ "ماہ پارہ اور رامین آئی ہیں۔"

سیف نے حیرت سے جہانگیر کی طرف دیکھا۔

"وہ چھپکلی آگئی ہے؟ یہ کب ہوا؟" اس نے جہانگیر سے ہٹتے ہوئے کہا۔

"سیف بھابھی ہے وہ تمہاری۔" جہانگیر نے اس کے کندھے پر تھپر رسید کر مارا۔

وہ جلدی اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا ذرا بھابھی سے مل کر تو آؤں۔" بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ جہانگیر نے "اُف" کہہ کر گردن پیچھے گرا دیا۔

وہ کمرے کے باہر کھڑا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔ اس نے دروازے پر دستک دی اور کوئی جواب سنے بغیر اندر چلا گیا۔ ماہ پارہ رامین کے ساتھ بیٹھی گفتگو میں مگن تھی۔ وہ تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ پہلی بار جب وہ اس سے ملا تھا، اس نے ایک دبلی پتلی سی لڑکی کو دیکھا تھا اور اسے وہ تمام شرارتیں یاد آگئی تھیں جو اس نے ماہ پارہ کے ساتھ کی تھیں۔ اس نے گلا کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ ماہ پارہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اس کا قد کافی زیادہ بڑھ گیا تھا۔سیاہ پینٹ پر سیاہ ہی شرٹ پہنے وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں شرارت جھلک رہی تھی۔وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے لبوں پر مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ کچھ سال پہلے والا سیف کہی سے نہیں لگ رہا تھا۔وہ کافی حد تک بدل گیا تھا۔ماہ پارہ اپنی سنہری آنکھوں سے پہچانی جاتی تھی ورنہ وہ بھی کافی حد تک بدل چکی تھی۔پہلے کے نسبت زیادہ خوبصورت اور پر کشش۔

(سیف نے لاء میں ڈگری حاصل کی ہوئی تھی۔لاء کی مشق کے لیے وہ زیادہ تر شہر میں رہتا تھا)

"سیف؟رائٹ؟"وہ ایک دم سے اٹھ کر اسے اچھنبے سے دیکھنے لگی۔رامین بس دونوں کے چہرے دیکھے جا رہی تھی۔

"ماہ پارہ؟رائٹ؟"وہ بھی اسی انداز میں بولا۔"ہاں میں سیف۔شکر ہے میں یاد ہوں تمہیں ورنہ مجھے لگتا تھا کہ کچھ لوگ ہمیں بھول گئے ہیں۔"وہ صوفے پر گنگناتا ہوا بیٹھ گیا۔

"تمہیں کوئی پاگل ہی یاد رکھے گا۔"اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"اور وہ پاگل تم ہو۔"وہ بھی کم نہیں تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے تم۔"وہ غصے سے بولی۔

"نہیں۔۔جاؤں۔۔۔گا۔"اس نے لفظوں کو توڑ توڑ کر کہا۔"بتاؤ کیا کرو گی؟"

"میں جہانگیر کو بلاؤں گی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"بلالو بلالو۔ اپنے میاں صاحب کو۔ ہم نہیں ڈرتے ان سے۔" وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ پھر اپنے دونوں پیر میز پر رکھے۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو اسے؟" جہانگیر کی بھاری سنجیدہ آواز سن کر سیف سیدھا ہو کر بیٹھا۔ وہ چھوکٹ پر کھڑا تھا۔

"جائیں جائیں بھائی، آپ ہمیشہ اس کی طرف داری کرتے ہیں۔" وہ ناراض ہو گیا۔

"جہانگیر بھائی ہمیں نیند آرہی ہے۔ آپ دونوں یہاں سے تشریف لے جائیں۔" جہانگیر کو سیف کے پاس جاتے دیکھ کر رامین تیزی سے بولی۔

"ہاں تو تم دونوں جاؤ، یہ میرا کمرہ ہے۔ مجھے تو یہیں رہنا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"جی نہیں جہانگیر، رامین یہاں میرے ساتھ سوئے گی۔ آپ جائیں سیف کے کمرے میں۔"

جہانگیر کو بحث کرنا فضول لگا تو وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔ سیف بھی اٹھ کر باہر جارہا تھا، پھر وہ رک گیا، دو قدم پیچھے ہٹ کر اس کے پاس گیا، اس کے بال کھینچ کر ڈپٹ کر آگے بڑھا۔ ماہ پارہ "آہ" کہہ کر پیچھے مڑی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ سر جھٹک کر بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ رامین اب بھی اس سے مسلسل باتیں کیے جارہی تھی۔

☆...☆...☆

صبح ہوتے ہی سورج نے پورے گاؤں پر ہلکی گرم روشنی ڈال دی۔ گاؤں کی سرحد پر کھڑی حویلی سورج کی روشنی سے جگمگا رہی تھی۔ ماہ پارہ اٹھ گئی تھی۔ وہ تیار تھی۔ اپنے گھر والوں کا سامنا کرنے کے لیے۔ گاؤں والوں کا سامنا کرنے کے لیے۔ وہ سب کچھ کے لیے تیار تھی۔

جہانگیر ابھی واک سے گھر آیا تھا۔ وہ سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا۔ جس کی آستینیں کہنی تک چڑھائی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس کے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ سیدھا کچن میں چلا گیا۔ فریج کھول کر اس نے نیچے جھک کر پانی کی بوتل اٹھائی، ڈھکن کھولا، بوتل منہ سے لگائے پانی پینے لگا۔ پانی پی کر ڈھکن بند کیا۔ بوتل کاؤنٹر پر رکھی۔ گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے وہ کچن سے باہر نکلا اور کسی سے ٹکرا گیا۔

اس نے جہانگیر کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کیا۔

"دیکھ کر چلا کریں۔"

"تم بھی تو دیکھ کر چل سکتی ہو۔"

"میں ٹھہری اندھی۔" اس نے سینے پر بازو باندھے سرد لہجے میں کہا۔

"میں ٹھہرا اندھا۔" اس نے بھی اسی انداز میں کہا اور سینے پر بازو باندھے کھڑا رہا۔

"اب ہٹیں میرے راستے سے۔" اسے کندھے سے پیچھے دھکیل کر وہ کچن میں داخل ہوئی۔

جہانگیر سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ماہ پارہ جیپ میں بیٹھی آنکھیں بند کیے گاؤں کی ٹھنڈی ہواؤں کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس وقت گلابی رنگ کے قمیض اور پاجامہ میں ملبوس تھی۔ اس کے بر عکس جہانگیر سیاہ قمیض شلوار میں ملبوس تھا۔ آنکھوں میں سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا اور آستینیں حسب عادت کہنی تک چڑھائی ہوئی تھی۔

ماہ پارہ اب بھی اس سے ناراض تھی۔ وہ جہانگیر کو مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ جہانگیر نے بھی

اسے مخاطب نہیں کیا۔ دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ کچھ وقت کے بعد جہانگیر نے گاڑی ندی کنارے روک دی۔ گاڑی کو یہاں رکتے دیکھ کر ماہ پارہ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہاں کیوں لائے ہیں مجھے؟" اسے جیپ سے اترتے ہوئے دیکھ کر ماہ پارہ نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بھی جیپ سے نیچے اتر گئی۔ جہانگیر ندی کے پاس جا کر بیٹھا۔ دریا کے کنارے گاؤں ایک دلکش جگہ تھی، جس میں سر سبز و شاداب سبزے اور دریا بہتا تھا۔ دریا

بالکل صاف تھا جو ارد گرد کے درختوں اور پھولوں کے متحرک رنگوں کی عکاسی کر رہا تھا۔ماہ بھی چلتی ہوئی اس کے پاس جا کر بیٹھی۔

ماہ پارہ اپنے گھٹنے کے گرد بازو پھیلائے، اپنا دائیاں گال کو گھٹنے پر ٹکا کر جہانگیر کو دیکھ رہی تھی۔ اسکی سنہری آنکھیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

"آپ ناراض ہیں؟" جہانگیر کو خاموش دیکھ کر کہنے لگی۔

"نہیں۔۔"ایک لفظی جواب تھا۔

"تو پھر بات کیوں نہیں کر رہے ہیں؟"

"کیا تمہیں کبھی محبت ہوئی ہے؟" جھجکتے ہوئے پوچھا۔اس نے ماہ پارہ کی طرف نہیں دیکھا تھا لیکن ماہ پارہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

جواب میں ماہ پارہ نے ہنس کر کہا۔

"مجھے محبت کا مطلب ہی نہیں پتا تو محبت کیسے ہو سکتی ہے۔"

"وہاں تمہارا کوئی دوست تو بنا ہی ہو گا؟"ایک اور سوال۔

"دوست بنی تھی۔"اس نے تصحیح کی۔پھر کچھ دیر خاموشی۔

"آپ کو تو محبت ہو گئی ہو گی۔"اس نے گھٹنوں سے چہرہ اٹھا کر پانی میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہو گئی ہے۔جب سے محبت ہوئی ہے تب سے ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے میرا سکون چھین لیا ہو۔مجھے اس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔"وہ اب اس کی طرف دیکھ کر بولا۔"مجھے نہیں پتا مجھے اس سے محبت کب ہوئی تھی۔"

"محبت کیا ہمارا سکون چھینتی ہے؟"اس نے قدرے الجھن سے پوچھا۔

(وہ فرض کر رہی تھی کہ جہانگیر اس کے آنے سے پہلے کسی لڑکی کا ذکر کر رہا تھا۔)

"نہیں معلوم لیکن مجھے سکون نہیں مل رہا ہے۔جب سے میں نے اسے دیکھا ہے ایسا لگتا ہے کہ اس کے بغیر جینا مشکل ہے۔"وہ اس چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"آپ۔۔۔آپ کو کس سے محبت ہو گئی ہے؟"

(اس کی غلط فہمی فوراً دور ہو گئی تھی)

"ہے ایک خوبصورت پری۔اس کی آنکھیں بھی خوبصورت ہیں اور اس کی آواز بھی۔وہ شروع سے مجھ پر جادو کرتی ہے۔اب بھی کر رہی ہے۔میں تو اکیلے میں اسے جادو گرنی کہتا ہوں۔"وہ روانی سے بول کر لب کاٹنے لگا۔

"پھر تو وہ بہت بری ہو گی کیونکہ وہ جادو کرتی ہے نا۔" وہ اتنی معصومیت سے بولی کہ جہانگیر مسکرا دیا۔

"بہت بری ہے۔ بد تمیز بھی۔ ضدی بھی اور۔۔۔"

"تو پھر اس سے کیوں کرتے ہیں آپ محبت ؟" اس نے جہانگیر کی بات کو کاٹ کر نا گواری سے کہا۔ اسے برا لگا تھا۔

اس نے ٹھوڑی ہتھیلی پر رکھی۔ "محبت پہ میرا اختیار ہی تو نہیں۔ خود ہو گیا۔ اب میں کیا کروں ؟"

(جہانگیر حیران ہوا تھا کہ ماہ پارہ کو اس کا واضح اظہار محبت بھی سمجھ نہیں آیا۔)

"لیکن۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر موضوع کو بدلا۔ "آپ یہ بتائیں کہ میرے جانے کے بعد آپ نے کیا کیا؟ اور ذرا یہ بتائیں یہ زائیشا سے آپ اتنی دیر کمرے میں اکیلے بیٹھ۔۔۔ کر کیا باتیں کر رہے تھے ؟"

"یہ تم سے کس نے کہا؟" وہ شاک کے عالم میں بولا تھا۔

"آآ۔۔۔ آپ میرے سوال کا جواب دیں۔" وہ پانی میں اپنا عکس دیکھتی ہوئی بولی۔ اسے ساری بات سمجھنے میں چند منٹ لگے۔

"ایک تو یہ حسن تمہیں آدھی ادھوری بات بتاتا ہے۔" اس نے ضبط سے کہا۔

"تو آپ بتائیں ناں پوری بات۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں نے اسے صرف اتنا کہا تھا کہ میں اس کا نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھ سے دور رہے تو بہتر ہے۔ مجھے حسن کے لیے ایک گھنٹہ اس کے ساتھ رہنا پڑا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ آگے بڑھے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ میں اس کا کسی قیمت پر بھی نہیں ہو سکتا۔" جہانگیر آسمان کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی۔ پھر اس نے بابا کو بھی سمجھایا اور بابا نے پھر مجھے حسن کے سارے کاغذات دیے، اس کا ویزا پاسپورٹ تیار کرایا اور پھر سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔" وہ جیسے پرانی باتوں کو یاد کر کے اداس ہوا تھا۔

(حسن نے میڈیکل کے شعبے کا انتخاب کیا۔ وہ نیورو سرجن بن گیا۔ داؤد کو حسن کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا، لیکن جہانگیر کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ اس نے وہ انتخاب کیا جو وہ چاہتا تھا۔)

"تو اس کے ساتھ اکیلے کمرے میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ سب چھوڑو ناں۔" وہ جھنجھلا گیا تھا۔ "آگے کا کیا سوچا ہے تم نے؟"

وہ ہاتھ کا پیالہ بنا کر اس میں پانی بھر کر واپس گرا دیتی۔

"ابھی چند مہینے کے لیے تو یہی ہوں گی۔ پھر اس کے بعد واپس لندن جاؤں گی مزید پڑھائی کے لیے۔" اس کی بات سن کر جہانگیر نے اسے تعجب سے دیکھا۔

"میں ذاتی زندگی کی بات کر رہا ہوں۔ ہماری شادی شدہ زندگی کا۔" وہ صاف واضح کہنے کا عادی تھا تو بغیر ہچکچاتے

ہوئے کہا۔

ماہ پارہ اس کی بات کو سمجھ کر پل بھر میں سرخ ہوئی۔اس کا پانی میں پھیرتا ہاتھ رک گیا۔اس کا چہرہ یوں ہی جھکا ہوا تھا۔وہ لب کاٹنے لگی۔اب وہ اسے کیا بتائے؟ وہ ابھی اپنی شادی شدہ زندگی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ازدواجی زندگی اس کی ترجیح نہیں تھی۔وہ اسی سوال سے ہی تو بھاگ رہی تھی۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم آگے بڑھو۔مزید پڑھائی کرنا چاہتی ہو تو کر سکتی ہو۔میں تمہیں اس سے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔مجھے یہ حق ہے بھی نہیں۔۔لیکن تم نے کچھ اور بھی تو سوچا ہوگا؟" وہ ماہ پارہ کو یہ احساس نہیں ہونے دے سکتا تھا کہ اسے اس کے فیصلے پر کوئی اعتراض ہے۔

"ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" وہ کپڑے جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

جہانگیر سمجھ گیا کہ وہ اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی اس لیے وہ خاموش رہا۔وہ جیپ میں بیٹھ گئی۔جہانگیر بھی بیٹھا تھا۔وہ پریشان نظر آرہا تھا۔وہ اس کی خاموشی کا مطلب یہ لے رہا تھا کہ وہ اس کی ترجیحات میں دور دور تک نہیں ہے۔جہانگیر نے تو اسے ہمیشہ اپنی پہلی ترجیح سمجھا۔لیکن ہمیشہ ایسا تو نہیں ہوتا جسے ہم سب سے زیادہ پسند کرتے ہو وہ بھی ہمیں پسند کرنے لگے؟

جہانگیر اسے پہلے نور افزا کے پاس لے گیا۔اس نے پہلے کہیں اور جانے کا ارادہ کیا تھا،چونکہ وہ اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اب وہ اس سے براہ راست مخاطب نہیں ہو سکتا تھا،اس لیے وہ پہلے اسے اپنی ماں سے ملنے لے گیا تاکہ وہ اس کا مزاج ٹھیک کر سکے۔وہ پورے راستے خاموش رہی۔چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات تھے،کچھ ایسا ہی معاملہ جہانگیر کا تھا۔

جہانگیر نے جیپ اس کے گھر کے سامنے روک دی۔وہ اسٹیئرنگ وہیل پر گرفت جمائے خاموش بیٹھا رہا۔ماہ پارہ نے اسے دیکھنے کی بھی غلطی نہیں کی۔وہ جیپ سے اتر کر دروازے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔دو تین دستک کے بعد دروازہ کھل گیا تھا۔سامنے کرامت کھڑا تھا۔ماہ پارہ اتنے سالوں بعد اپنے بھائی کو سامنے دیکھ کر اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی۔کرامت اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ کرامت کے گلے لگی۔کرامت شاک کھڑا رہا۔اس کے گرد بازو بھی حمائل نہیں کیا۔

"بھائی آپ کو معلوم بھی ہے سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا ہے۔"وہ خاموش روتی ہوئی اس سے کہہ رہی تھی۔

"ماہ پارہ؟"اس نے ماہ پارہ کو خود سے الگ کرتے ہوئے تصدیق کرنا چاہا۔

وہ نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی سر ہاں میں ہلانے لگی۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا ردعمل ظاہر کرے۔

"تم۔۔ تم کیسی ہو؟ میں نے بھی تمہیں بہت یاد کیا۔ تم سے یہ نہیں ہوا کہ دس سالوں میں بس ایک بار اپنے بھائی سے ملنے آجاتی؟" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر کہہ رہا تھا۔

"اب تو آگئی ہوں نا۔" ماہ پارہ نے اس کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ رکھے۔

کرامت نے اس کے آنسو پونچھے اور اندر جانے کا راستہ دیا۔ وہ خود بھی اس کے پیچھے جانے ہی لگا تھا کہ جہانگیر نے اسے روکا۔

"اسے بچوں کے بارے میں مت بتانا۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ (یہ ایک اور بات تھی جو جہانگیر نے اسے نہیں بتائی تھی۔)

اس نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا اور جہانگیر کو اندر جانے کا راستہ دیا۔

ماہ پارہ گھر کے اندر داخل ہوئی تو پرانی یادیں جیسے تازہ ہو گئی تھیں۔ اس کی متلاشی نظریں اپنی ماں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا مگر کچن میں کھڑی ہریرہ دیکھی تھی۔ وہ ڈپٹ کر کچن کی طرف گئی۔ ہریرہ روٹیاں بنا رہی تھی۔ وہ اپنے کام میں مگن تھی۔ قدموں کی آہٹ میں اس نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ نا سمجھی

سے آئیبرو بھینچے اور پھر اسے کچھ لمحے ہی لگے تھے سمجھنے میں۔ ماہ پارہ لب کاٹے اسے بس دیکھے جا رہی تھی۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹاگرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

ہریرہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سنجیدہ چہرہ خود بخود خوشی میں بدل گیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس پورے گاؤں میں سنہری آنکھوں والی صرف اس کی دوست ہو سکتی تھی۔ ہاتھ جھاڑ کر وہ اٹھی اور زور سے

اسے خود میں بھینچا۔اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔ماہ پارہ کی انکھیں جب سے آئی تھی نم تھیں۔

جہانگیر صحن میں بیٹھاان دونوں کو دیکھ رہا تھااور کرامت مسکرا کران کے قریب گیا۔

"بد تمیز لڑکی، کہاں غائب ہو گئی تھی؟میں نے تمہیں اتنا یاد کیا۔میری خواہش تھی کہ میری سب سے "خاص" دوست میری شادی کے وقت میرے ساتھ رہے لیکن نہیں تم تب بھی نہیں آئی۔"وہ اس سے الگ ہوئی۔ماہ پارہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

"یہ تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا؟"اس کی آنکھیں زیادہ رونے کی وجہ سے زیادہ سرخ ہونے لگی تھیں۔

اس کے پوچھنے کی دیری تھی کہ جہانگیر فوراًاٹھ کراس کے پاس آپہنچااور اسے کندھے سے پکڑ کر اس کارخ اپنی طرف کیا۔

"دیکھاؤ کیا ہوا ہے؟"وہ فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔"تمہاری آنکھیں تو کچھ زیادہ ہی سرخ ہو رہی ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوا ہے جہانگیر، میں بالکل ٹھیک ہوں۔بس رونے کی وجہ سے ہوا ہو گا۔"اپنے کندھوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹا کر وہ کرامت کی جانب مڑی۔جہانگیر لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

(آخر وہ اتنی لاپرواہ کیوں ہے۔اسے تکلیف میں دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے،وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھتی۔)اس نے گہری سانس خارج کی۔

"ملیں گے نہیں مجھ سے؟"

کرامت مسکرا کر آگے بڑھا۔اسے اپنے سے لگایا۔"بہت یاد کیا میں نے تمہیں بہت۔"

وہ مسکرائی۔"اماں کہاں ہیں؟"اس کی متلاشی نظریں اب بھی اپنی ماں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

جہانگیر واپس جا کر

چارپائی پر بیٹھا۔

"کسی کام سے باہر گئی ہیں۔آتے ہوئے وقت لگے گا۔شاید رات کو آئے۔"وہ ماہ پارہ کے ہاتھ کو پکڑ کر ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ماہ پارہ میں تجھے تو ایک بات بتانا ہی بھول گئی۔"ہریرہ کے کہنے پر جہانگیر نے سر اٹھا کر کرامت کو دیکھا تو وہ اس کے پیچھے فوراً اٹھ کر گیا۔

ماہ پارہ آنکھیں سکیڑ کر نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"کونسی بات؟"

کرامت کچن میں ادھر اُدھر کچھ ڈھونڈتے ہوئے ہریرہ سے سرگوشی نما انداز میں کہا۔"اسے بچوں کے بارے میں مت بتانا، بلکہ کوئی بھی بات مت بتانا۔جہانگیر نے منع کیا ہے۔"ہریرہ سمجھنے والے انداز میں "ہمم" کہا اور چائے کا کپ ٹرے میں رکھ کر صحن میں واپس آگئی۔

"اب بتا بھی دو۔"

"پہلے چائے پی لو۔"ٹرے میں رکھا چائے کا کپ اٹھا کر اسے پکڑایا پھر جہانگیر کے پاس جا کر اسے بھی چائے دی۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ۔۔میں تم سے ایک بات پوچھنا بھول گئی۔یہ بتاؤ تم کب سے یہاں ہو؟"اس نے بہت مہارت سے موضوع بدلا۔

"پرسوں سے۔"اس نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے جواب دیا۔

"اور ملنے آج آئی ہو،ویری نائس۔"

"میں مصروف تھی۔"اس نے کندھے اچکائے۔

ماہ پارہ اور جہانگیر باہر کھڑے الوداعی کلمات کہہ کر جیپ میں جا کر بیٹھ گئے۔جہانگیر کو اس کی فکر ہونے لگی تھی

لیکن ماہ پارہ بے نیازی سے گاؤں کی سرکوں میں گھومنے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔وہ پورے راستے مسکرا رہی تھی۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"وہ مسکرا کر اس سے سوال کر رہی تھی۔وہ کچھ دیر پہلے ہونے والی گفتگو بھول گئی تھی۔

جہانگیر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔اس کے لب بے ساختہ مسکراہٹ میں تبدیل ہوئے۔

"سرپرائز!"

تقریباً دس منٹ کے بعد وہ لوگ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔اس کی سنہری آنکھیں ایک عمارت پر جا ٹھہریں۔وہ جو منظر دیکھ رہی تھی اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔اس کی آنکھیں اور منہ دونوں کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔وہ شاک تھی۔اس نے نظریں عمارت سے ہٹا کر جہانگیر کی طرف دیکھا جو مسکرا کر اسی کو دیکھ رہا تھا۔وہ کچھ سمجھ نہیں پار ہی تھی۔کیا یہ خواب تھا یا حقیقت؟اس نے ایسی کونسی نیکی کی تھی جس کے عوض اللہ نے اسے جہانگیر جیسا ہمسفر دیا۔جس نے اس کے سارے خواب پورے کر دیے تھے۔جہانگیر جیپ سے اترا لیکن وہ یوں ہی بیٹھی رہی تھی۔وہ وہاں میدان میں کھیلتی لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی۔

جہانگیر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے ماہ پارہ نے فوراً پکڑ لیا۔وہ جیپ سے اتر کر جہانگیر کے ساتھ چلنے لگی۔اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو گئے۔اسکول سرسبز و شاداب کھیتوں اور اونچے ڈولتے درختوں کے درمیان بسا ہوا تھا۔یہ بڑی بڑی کھڑکیوں والی سبز اینٹوں کی دلکش عمارت تھی۔داخلی دروازے کو رنگ برنگے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔کھیل کا میدان کشادہ تھا۔جھولوں، سلائیڈز اور باسکٹ بال کورٹ کے ساتھ۔

جہانگیر اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف لے گیا۔اندر چھوٹے چھوٹے میزوں اور کرسیوں سے بھرے صاف ستھرے کلاس روم تھے۔دیواروں کو طلباء کے تیار کردہ تعلیمی پوسٹرز اور آرٹ ورک سے سجایا گیا تھا۔وہ مبہوت سے وہ سب دیکھ رہی تھی۔وہاں صرف لڑکیاں ہی تھیں۔ماہ پارہ نے جہانگیر کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کی۔وہ بھیگی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے جہانگیر کی طرف رشک کی نگاہ سے دیکھا۔اگر وہ اس وقت بچوں کے درمیان نہ ہوتی تو ضرور اسے گلے لگا لیتی۔

"کیسا لگا؟" جہانگیر نے اسے بینچ کے پاس لے جاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا الفاظ یہ بیان کر سکتے ہیں کہ میں ابھی کیسا محسوس کر رہی ہوں؟" اس نے خوشی سے جواب دیا۔

"ابھی ایک اور سرپرائز آنا باقی ہے۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے، بینچ کی پشت پر ایک ہاتھ پھیلا کر اسے کہہ رہا تھا۔

"بتائیں ناں کیا سرپرائز ہے؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

جہانگیر نے نفی میں سر ہلایا۔وہ اس کی کتنی منتیں کرتی رہی لیکن جہانگیر نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ دیر اور انتظار کرے۔وہ بینچ پر گھٹنے ملائے بیٹھی ہوئی تھی۔اس کی آنکھوں کی سرخی اب

قدرے کم تھی۔ سنہری آنکھیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ جہانگیر یوں ہی سکون سے بیٹھا ہوا ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

میرب ٹیچر کے کہنے پر باہر آ گئی تھی۔ وہ عموماً کلاس روم میں لنچ کرتی تھی۔ وہ اپنے اسکول یونیفارم میں بالوں کی دو چوٹیوں کے ساتھ پیاری لگ رہی تھی۔ وہ لنچ باکس ہاتھ میں پکڑے گنگنا رہی تھی جب اس کی نظر بینچ پر بیٹھے جہانگیر کی طرف گئی پھر جہانگیر سے ہٹ کر ماہ پارہ پر گئی۔ پہلے تو اسے جہانگیر کو ایک لڑکی کے ساتھ دیکھ کر عجیب لگا لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو وہ ٹھہر گئی۔

"سنہری آنکھوں والی خوبصورت پری، جسے دیکھ کر ہی سمجھ جاؤ گی کہ یہی تمہاری پھوپھو ہے۔" اسے جہانگیر کی کہی گئی بات یاد آئی تو وہ یہی بات زیر لب دہرا رہی تھی۔ "اس کی آنکھیں جب دھوپ میں چمکتی ہیں تو اور خوبصورت لگتی ہیں۔ اس کی آواز سنو گی تو کسی اور کی آواز سننے کا دل ہی نہیں چاہے گا۔ تمہارا دل چاہے گا کہ بس ماہ پارہ بولتی رہے اور تم سنتی رہو۔ وہ جب تمہارا نام لے گی تو ایسا لگے گا اس نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ وہ لفظوں اور آنکھوں سے جادو کرتی ہے اس سے بچ کر رہنا۔" وہ جہانگیر کی کہی بات حفظ کر چکی تھی۔ اسے سب یاد تھا اور وہ واقعی میں اس کی آنکھوں میں کھو گئی تھی۔

جہانگیر نے اسے دیکھا تو ہاتھ کے اشارے سے یہاں آنے کا کہا۔ ماہ پارہ نے اس چھوٹی لڑکی کو مسکراتے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا۔ میرب بینچ تک آئی اور لنچ باکس جہانگیر کو تھما دیا۔ ماہ پارہ

اٹھ کراس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔وہ اس سے پہلے میرب کے گال کھینچتی، میرب نے اس کے گردن کے گرد بازو حمائل کیے۔وہ یوں ہی ماہ پارہ کے گلے لگی رہی۔ماہ پارہ پہلے تو متحیر ہوئی پھر اس کے گرد بازو حمائل کیے۔

پانچ منٹ وہ یوں ہی ماہ پارہ سے لگی رہی، پھر ہلکا سا دور ہوئی۔اس کا بازو ابھی تک اس کے گردن کے گرد تھا۔میرب نے اس کے گال کو چوما۔وہ متحیر بھری نظروں سے میرب کو دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر یہ سب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"اسلام و علیکم پھوپھو۔کیسی ہیں آپ؟ بلآخر آپ نے واپس آکر جہانگیر انکل پر رحم کر ہی دیا، لیکن آپ نے بڑی دیر لگا دیں۔"وہ ماہ پارہ کے چہرے کو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں تھامے کہہ رہی تھی۔جہانگیر نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔(اف یہ لڑکی)۔

ماہ پارہ کے آئیبر و نہ سمجھی سے بھینچ گئے۔اس نے جہانگیر کو دیکھا پھر میرب کو۔

"وعلیکم اسلام۔۔لیکن میں سمجھی نہیں۔"

"اف، آپ کو پھوپھو کہہ رہی ہوں اب بھی نہیں سمجھی آپ؟"اس نے ماتھا پیٹ کر کہا۔

"پھوپھو؟ میں؟"ماہ پارہ کے پوچھنے پر میرب نے زور سے سر دو سے تین بار ہاں میں ہلایا۔

اس نے ملامتی نظروں سے جہانگیر کو دیکھا۔ان میں غصہ بھی تھا۔

"لیکن مجھے تو کسی نے اس بارے میں نہیں بتایا۔آج میں آپ کی مما سے بھی ملی اس نے بھی نہیں بتایا۔"اس نے

اداسی سے کہا۔

"آپ کو یہ بھی پتا نہیں ہو گا میرا ایک دو سال کا چھوٹا شرارتی بد تمیز بھائی بھی ہے۔"

ماہ پارہ نے نفی میں سر ہلایا۔وہ رونے لگی تھی۔ایک دو آنسوں ٹوٹ کر اس کے گال پر بہے تھے۔

"تمہارے جہانگیر انکل بہت بہت برے ہیں۔وہ مجھے کچھ بھی نہیں بتاتے۔بہت برے ہیں وہ۔"
اس کے اس طرح کہنے پر جہانگیر سیدھا ہو کر بیٹھا۔(لو ہو گئی دوبارہ ناراض۔)

"اوہ پھو پھوڈونٹ کرائے۔"میرب نے اس کے گالوں پر بہتے آنسو اپنے ہاتھ سے پونچھے۔

"اور بھی کچھ باقی ہو گا، وہ بھی بتادو۔"وہ اٹھ کر اسے گود میں لے کر بینچ پر بیٹھ گئی۔اس نے جہانگیر کو ملامت سے دیکھا۔

"ایک آخری سرپرائز باقی ہے لیکن وہ آج نہیں کل دیکھاؤں گا۔"جہانگیر نے اس سے کہا۔

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی۔"اس نے سرد مہری سے کہا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے آپ سے اتنی باتیں چھپائی۔" اس نے سرگوشی کی تو ماہ پارہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ وہ میرب سے باتیں کرنے لگی اور جہانگیر اسے مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا۔

میرب سے باتیں کرنے کے بعد اس نے میرب کو اس کے گھر چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہریرہ سے ناراض بھی ہوئی تھی۔ وہ واپسی پر کبیر سے بھی مل چکی تھی۔ نور افزا اخلاف توقع جلدی آگئی تھیں۔ ماہ پارہ کو دیکھ کر وہ روتی ہوئی اس سے ملی تھیں۔ ماہ پارہ نے ان سے ڈھیر ساری باتیں کیں۔ وہ دس سال میں کہاں رہی ہے؟ کیسے رہی ہے؟ کس طرح حیدر اور یاسمین نے اس کا خیال رکھا۔ وہ کس طرح ڈاکٹر بنی۔ کس کس کو یاد کیا۔ اس نے شروع سے آخر تک سب بتادیا تھا۔

واپسی کا سوچ کر وہ دونوں گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ رامین گھر میں اکیلی تھی۔ وہ وہاں کسی کو نہیں جانتی تھی اس

لیے انہیں جلدی جانا پڑا۔

☆...☆...☆

حویلی ویسے ہی ویران تھی۔ دو بیٹوں کے موجودگی کے باوجود ایسا لگتا یہاں صرف بوڑھے ماں باپ رہتے ہیں۔ گاؤں کی تمام ذمہ داری داؤد علوی نے لے لی تھی۔ وہ اس وقت ڈیرے میں

تھے۔امینہ لاونج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔وہ اداس لگ رہی تھیں۔اتنے میں سیف نیچے سیڑھیاں اتر کر آ رہا تھا۔امینہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سیف تک آئیں۔

"سیف بیٹا، میں سوچ رہی تھی کہ ہم کیوں نا کل گھر پر چھوٹا سا دعوت رکھے؟" وہ آنکھوں میں امید لیے بولی تھیں۔

سیف نے انہیں کندھوں سے پکڑا۔

"ممی جیسا آپ چاہے ویسا کریں۔جو آپ کو بہتر لگے۔"

"لیکن جہانگیر؟"

"وہ آجائیں گے ممی، آپ فکر کیوں کرتی ہیں؟" وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا صوفے تک آیا۔

"وہ تو ماہ پارہ کو بھی لے آئے گا۔" انہوں ناگواری سے کہا۔

"ممی آپ کو اس سے آخر مسئلہ کیا ہے؟"

"وہ یا تو میرے بیٹے کا پیچھے چھوڑ دے یا اس کے ساتھ اپنا رشتہ آگے بڑھائے۔میرا بیٹا اس کے پیچھے برباد ہو رہا ہے۔" ان کے آواز میں درد تھا۔

ماہ پارہ جہانگیر کے ساتھ گھر میں داخل ہوتی ہوئی یہ بات سن چکی تھی۔اس نے جہانگیر کی طرف دیکھا تو وہ اسے

آنکھوں سے ہی تسلی دینے لگا۔پھر سے سب گوم پھر کر ماہ پارہ پر آ گئے تھے۔ماہ پارہ کی وجہ سے جہانگیر کی زندگی برباد ہو گئی ہے، یہ سن سن کر وہ تھک چکی تھی۔

"ممی رہنے دیں ناں، وہ جس طرح رہ رہے ہیں کم از کم خوش تو ہے نا۔" سیف نے صوفے کے پشت سے ٹیک لگا کر گردن پیچھے کو گراتے ہوئے کہا۔

"ماں سا، سیف ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے، میرے اور ماہ پارہ کے درمیان آپ کو ایسا کیا ٹھیک نہیں لگ رہا؟" وہ ماہ پارہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کے سامنے کھڑا ہوا۔

"اچھا تو پھر یہ دو دن آرام سے گھر پر کیوں نہیں بیٹھ جاتی۔اس گھر کی بہو ہے تو بہو بن کر دیکھائے۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس آئیں۔

"وہ اپنا کام۔۔۔"

"نہ نہ۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر نہ میں اشارہ کیا اور ایک قدم آگے کو بڑھیں۔"میں یہ سب نہیں سننا چاہتی۔کل کچھ خاص مہمان آ رہے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ سب انتظامات تمہاری بیوی دیکھے۔لوگوں کو بھی پتا چلے بڑا بھائی شادی شدہ ہے تبھی ہم دوسرے کی بات پکی کر رہے ہیں۔"

"ہیں؟ بات پکی؟ کس کی؟ اور یہ آپ ابھی بتا رہی ہیں ایک دن پہلے؟" گویا جہانگیر پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

"ممی بھائی کی بات پکی کل؟ پہلے تو بتا دیتی آپ۔ میری مصروفیات ہوتی ہیں۔" سیف نے بھی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"میں نے اس سے بہت پہلے اس حوالے سے بات کر لی تھی۔ وہ کل آ رہا ہے اور اس نے حامی بھی بھر لی ہے۔" اس سے پہلے جہانگیر کچھ کہتا انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی دی تھی۔ "اور یہ سارا انتظام گھر کی بڑی بہو

دیکھ لے تو بہتر ہو گا۔"

"لیکن ماں سا اتنی جلدی یہ سب۔ لڑکی کون ہے۔۔۔ اور بات پکی یہ سب کیا؟" وہ متحیر نظر آ رہا تھا۔

"یہ سب پوچھنے سے بہتر ہے تم اپنی بیوی سے وہ کرنے کا کہو جو میں نے کہا ہے۔" ایک اچٹتی نظر ماہ پارہ پر ڈالے کہا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے کوئی مسئلہ نہیں۔ وہ یہ سب کر لے گی۔" جہانگیر نے ماہ پارہ کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے فوراً مان لیا۔ ماہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ یہ سب نہیں کر سکتی تھی۔

وہ سلگتی ہوئی نظروں سے ماہ پارہ کو دیکھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سیف نے ہاتھ اٹھا کر گرائے پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ وہ اب کیا ہی کہتا۔ ماہ پارہ نے جہانگیر کو گھور کر دیکھا۔ ہاتھ

چھوڑ وا کر وہ بھی اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ جہانگیر نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا اور اس کے پیچھے چلا گیا۔ وہ ماہ پارہ کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ ایک تو وہ بیچارا پہلے ہی ماں اور بیوی کے درمیان بری طرح پھنس چکا تھا۔

ماہ پارہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے ہی لگی تھی کہ جہانگیر نے اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچا۔ وہ اسے سیف کے کمرے میں لے کر گیا جہاں کل رات سے وہ ٹھہرا ہوا تھا۔

"میری بات سنو گی خاموشی سے؟" اسے کمرے میں لا کر اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنی ماں سا کو انکار بھی کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپ چاہتے ہیں کہ ہر کوئی میرا مذاق اڑائے کہ دیکھو جہانگیر کی بیوی کو کچھ نہیں آتا۔" اس نے کرخت ہوئی آواز کے ساتھ غصے سے کہا۔

وہ ایک قدم اگے بڑھا۔ "میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری بیوی کا کوئی مذاق اڑائے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"تو پھر جب کل میں کچھ بنا کر ہی نہیں کھلاؤں گی تو تب۔۔۔۔"

"شش۔۔ کوئی کچھ نہیں کہے گا کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں کل بھی تمہارے ساتھ تھا، آج بھی ہوں

اور ہمیشہ رہوں گا۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں بالکل بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مخمور سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"تو میں کل کیسے۔۔۔"

وہ ایک بار پھر اس کی بات کاٹ کر کہنے لگا۔ "میں نے کہا نا میں ہوں تو پھر؟"

ماہ پارہ کی نم آنکھیں مسکرائی۔ "شکریہ جہانگیر۔" یہ کہتی ہوئی وہ اس کے گردن کے گرد بازو حمائل کر چکی تھی۔ جہانگیر شاک ہوا۔ "شروع سے لے کر اب تک آپ نے میرے لیے جو کیا ہے وہ شاید ہی کوئی میرے لیے کرتا یا شاید نہیں۔ جو آپ نے میرے لیے کیا ہے وہ کوئی کر بھی نہیں سکتا تھا۔ میں بہت خوش نصیب ہو کہ مجھے آپ جیسا ہمسفر ملا۔ میں بہت خوش نصیب ہوں۔" وہ آنکھیں بند کیے مدھم سرگوشی میں کہے جا رہی تھی اور جہانگیر ہکا بکا یہ سب دیکھ رہا اور سن رہا تھا۔

"تمہارے لیے کچھ بھی۔" وہ بغیر ماہ پارہ کے گرد بازو حمائل کیے بس اتنا ہی کہہ سکا۔

وہ مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔ مسکراہٹ ہنوز اس کے لبوں پر تھی۔ جہانگیر نے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگایا چند ثانیہ یونہی لگائے رکھا اور پھر بغیر کچھ کہے پیچھے ہٹ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔ ماہ پارہ بھی وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆...☆...☆

آسمان پر ہلکا نیلا رنگ چڑھ چکا تھا۔ پرندے چہچہاتے ہوئے یہاں وہاں گھوم رہے تھے۔ ایسے میں اس حویلی کے ایک کمرے کی طرف جاؤ تو ماہ پارہ جائے نماز کو تہہ لگا کر اس کی جگہ پر رکھ رہی تھی۔ رامین بھی اٹھ گئی تھی۔ وہ اس وقت گارڈن میں موجود پودوں کو دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر واک پر چلا گیا تھا۔

ماہ پارہ نیچے سیڑھیاں اتر کر آ رہی تھی۔ اسے آج کوئی ملازمہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ دنگ رہ گئی۔ وہ باہر آئی اور دیکھا کہ وہاں ڈرائیور کے علاوہ کوئی نہیں تھا جو داؤد کی گاڑی صاف کر رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اسی سے ہی جا کر پوچھ لے آج گھر میں ہوئی دیکھائی کیوں نہیں دے رہا تھا۔

"آج کوئی ملازمہ نہیں دیکھ رہی۔ کیوں؟" ماہ پارہ نے اس کے پاس آکر پوچھا۔ اس کا گاڑی صاف کرتا ہاتھ رکا۔

"بی بی جی آج بڑی بی بی جی نے تمام ملازمین کو نہ آنے کو کہا ہے۔" اس نے قدرے ٹھٹکتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا آپ کو پتا ہے کیوں کیا ایسا؟" اگرچہ وہ جانتی تھی کہ امینہ نے ایسا کیوں کیا، پھر بھی اس نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

"نہیں بی بی جی ہم کو کچھ نہیں پتا میں بھی بس ابھی جانے لگا ہوں۔" وہ کہہ کر واپس اپنے کام پر لگ گیا گویا مزید کچھ نہ پوچھے وہ مصروف ہے۔

وہ مایوس ہو گئی تھی، تو کیا اب اسے تو زیڈ سارا کام اسے کرنا تھا؟ اسی وقت جہانگیر حویلی کے بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ وہ سرمئی ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا۔ ہاتھ میں بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈال کر اس نے ماہ پارہ کا پریشان چہرہ دیکھا اور اس کی طرف بڑھا۔

"پریشان لگ رہی ہو؟" اس کے پوچھنے پر ماہ پارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"آنٹی نے سارے ملازمین کو چھٹی دے دی۔ اب سب کام مجھے کرنا ہو گا۔"

"جب میں کہتا ہوں میں تمہارے ساتھ ہوں تو کیوں فکر کرتی ہو؟" اس کے چہرے پر ہنوز پریشانی دیکھ کر اس نے تسلی دینا چاہا۔

دور سے رامین مسکراتی ہوئی ان کے پاس آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دو گلاب تھے۔ وہ بلیو جینز اور شارٹ

فراک میں ملبوس تھی۔ ماتھے پر کٹے بال اور لبوں پر مسکراہٹ اسے مزید پرکشش دکھاتی تھی۔

جہانگیر اور ماہ پارہ اسے اس طرف آتے دیکھ کر مسکرائے۔

"یہ پھول میرے پھول کے لیے۔" اس نے مسکرا کر ماہ پارہ کو گلاب دیا۔ "اور یہ آپ کے لیے جہانگیر بھائی۔"

"شکریہ میری جان۔" ماہ پارہ نے اس کے گال کو چھوتے ہوئے کہا۔

"کیا میں بھی یہ پھول اپنی پھول کو دے سکتا ہوں؟ تم ناراض تو نہیں ہو گی؟" جہانگیر کے اس طرح رامین کے سامنے پوچھنے پر ماہ پارہ ہاتھ میں پکڑے گلاب کی طرح سرخ پڑ گئی۔ (ایسی باتیں بچی کے سامنے کون کہتا ہے؟)

رامین مسکراہٹ دبائے نفی میں سر ہلانے لگی۔ جہانگیر مسکرایا اور گلاب کا پھول ماہ پارہ کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھی۔ ماہ پارہ نے ہاتھ بڑھا کر اس سے گلاب لے لیا۔

"رامین ناشتہ کرو گی؟" جہانگیر نے اس سے نظریں ہٹا کر پوچھا۔

اس نے ہاں میں سر ہلایا تو وہ اسے اور ماہ پارہ کو لے کر اندر چلا گیا۔

وہ لوگ ناشتہ ختم کر چکے تھے۔ رامین نے اٹھ کر برتن کچن میں رکھے۔ ماہ پارہ کلینک جا چکی تھی۔ اسے وہاں سب کچھ سیٹ کرنا تھا۔ جہانگیر لاونج میں آکر صوفے پر بیٹھا۔ رامین بھی وہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ چشمہ آنکھوں پر لگائے کتاب ہاتھ میں پکڑ کر، کتاب پڑھنے لگا۔ داؤد اور امینہ اپنے کمرے سے نکل کر ناشتے کے ٹیبل کی طرف بڑھے۔ امینہ رک کر جہانگیر کی طرف آئیں۔ ان دونوں سے

ناشتے کا پوچھا تو ان دونوں نے انکار کر دیا کہ وہ کر چکے ہے۔ وہ بھی اپنے اور داؤد کے لیے ناشتہ بنانے لگی۔

سیف اور رنزہ زیادہ تر شہر میں رہتے تھے۔ سیف کو اپنے کام کی وجہ سے اور رنزہ اپنے کالج کی وجہ سے وہاں رہتی تھی۔ یہاں آنا جانا اس کے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔ وہ دونوں اس وقت بھی شہر میں موجود تھے۔ داؤد ناشتہ کر کے ڈیرے چلے گئے۔ امینہ نے جہانگیر سے کہہ دیا کہ وہ اپنی دوست کی عیادت کے لیے جا رہی ہیں۔ رامین بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسے اس طرح بیٹھے بیٹھے آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا۔ اس نے کتاب میز پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اتنے میں زاایشا چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر جہانگیر نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ یہاں آیا کرتی تھی لیکن اس وقت اسے کسی کی غیر موجودگی میں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ چلتی ہوئی جا کر صوفے پر بیٹھی۔ جہانگیر پیچھے نہیں مڑا۔ وہ بس سر جھکائے غصے سے کھڑا رہا۔

"کیسے ہو جہانگیر۔ میں تمہاری خیریت دریافت کرنے آئی ہوں۔" ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"گھر پر کوئی نہیں ہے تمہیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" اس نے پلٹ کر اسے ناگواری سے دیکھا۔

"میں تو تمہاری خیریت پوچھنے آئی تھی نہ کہ گھر والوں کی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟"

"سنا ہے تماری بیوی آئی ہے؟" وہ مسکراہٹ دبائے کہہ رہی تھی۔

"ہاں آگئی ہے۔اس سے دس فٹ دور رہنا۔ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" جہانگیر اسے تنبیہ انداز میں کہا۔

"کیا ہو گیا ہے جہانگیر؟ بیوی کے آنے کے بعد تمہارے تو تیور ہی بدل گئے۔"

"فلحال یہاں سے چلی جاؤ، بعد میں آجانا۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا جیسے اسے فوراً جانے کو کہہ رہا ہو۔

"چائے ناشتے کا نہیں پوچھو گے؟" وہ بھی ڈھیٹ بن کی بیٹھی رہی۔

"میں نے کہا یہاں سے نکل جاؤ زایشا۔" اس نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی اس نے ماہ پارہ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔زایشا کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔وہ

اٹھ کر چلتی ہوئی جہانگیر کے قریب گئی اور اس کے گلے میں بازو ڈال دیا۔جہانگیر کو کچھ سمجھ نہ آیا۔یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ اس نے فوراً اسے کندھوں سے پکڑ کر دور دھکیل دیا۔ماہ پارہ یہ سب

دیکھ چکی تھی۔اس کی آنکھوں میں اشتعال ابھرا لیکن وہ خاموش رہی۔جہانگیر اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔اس کی پیٹھ ماہ پارہ کی طرف تھی۔

"تمہارے ساتھ وقت گزار کر مجھے بہت اچھا لگا جہانگیر۔سی یو سون۔"اس نے مسکراتے ہوئے کہہ کر ماہ پارہ پر ایک نظر ڈالی اور باہر نکل گئی۔

جہانگیر نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو ٹھہر گیا۔(تو اس نے جان بوجھ کر ماہ پارہ کو دیکھ کر یہ سب کیا؟)وہ شاک کھڑا رہا۔اب وہ کن الفاظوں میں اسے سمجھائے کہ اس کی غلطی نہیں تھی۔ماہ پارہ کے چہرے سے ایسا لگ تو نہیں رہا تھا کہ وہ ناراض ہے لیکن پھر بھی جہانگیر کو اپنی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا۔

"وہ خود آئی تھی۔اس نے۔۔میں نے اس کو کہا کہ وہ۔۔۔"وہ بری طرح گھبرایا گیا تھا۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کن الفاظوں میں اسے یقین دلائے۔

ماہ پارہ نے دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا اور سر نفی میں ہلا کر وہ سیڑھیاں چھڑنے لگی۔جہانگیر اسے جاتے ہوئے دکھ رہا تھا پھر فوراًاس کے پیچھے بھاگا۔وہ کمرے میں جا کر الماری کے سامنے کھڑی ہو گئی۔الماری کا دروازہ کھولا۔جہانگیر آہستہ آہستہ اس کے پیچھے آکر کھڑا ہوا۔

"میری بات تحمل سے سنو گی؟"

"نہیں۔" فوراً انکار۔ وہ مایوس ہوا۔ سر جھک گیا۔ ماہ پارہ کپڑوں والا ہینگر باہر نکال کر پلٹی ہی تھی کہ جہانگیر سے ٹکرا گئی۔ وہ اس کے بے حد قریب کھڑا تھا۔

"پیچھے تو ہٹیں۔" منہ بنا کر وہ اسے پیچھے دھکیل کر ہینگر سے کپڑوں کو آزاد کرنے لگی۔ "مجھے پتا ہے آپ کی غلطی نہیں ہے تو آپ کیوں خود کو شرمندہ کروانا چاہتے ہیں؟"

"تو پھر مجھ سے منہ پھیر کر کیوں آئی؟" ماہ پارہ کی بھنویں اس کی بات پر اکٹھی ہو گئیں۔ بیڈ پر ہینگر رکھ کر کپڑے اپنے بازو میں ڈالے وہ جا کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کیونکہ "آپ" کو مجھ پر یقین نہیں تھا۔ میں آپ کو ایسی دِکھتی ہوں؟ "آپ" پر شک کروں گی؟"

یہ کہہ کر وہ واش روم کی طرف بڑھنے ہی والی تھی کہ جہانگیر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ دو قدم کا فاصلہ مٹا کر اسے خود سے لگایا۔ اس نے اپنی ٹھوڑی اس کے کندھے پر رکھ کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے۔ ماہ پارہ کا سانس گویا اٹک گئی۔ وہ کان کی لو تک سرخ پڑ چکی تھی۔ اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔

جہانگیر گہری سانس لے کر کہنے لگا۔ "میں ڈر گیا تھا، اگر تم مجھ پر شک کرتی اور مجھے چھوڑنے کا کہتی تو؟"

اس کی اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

"کم از کم کسی لڑکی کے حوالے سے میں آپ پر شک نہیں کر سکتی۔"

وہ مسکرایا۔"واقعی؟"

"بالکل! کیونکہ آپ کی عمر بڑھ گئی ہے میرے علاوہ ویسے بھی کسی نے منہ نہیں لگانا۔زیادہ سے زیادہ لڑکیاں آپ کو دیکھیں گی فلرٹ کریں گی لیکن اس سے آگے نہیں بڑھیں گی۔"وہ جو مسکرا رہا تھا اس کی بات سن کر مسکراہٹ سمیٹ گئی۔آنکھوں میں خفگی در آیا۔

"میری عمراب اتنی بھی زیادہ نہیں۔"اس نے ابرو بھینچ کر کہا تھا۔ماہ پارہ کو لگا تھا کہ وہ اسے چھوڑ دے گا لیکن وہ ہنوز اسے خود سے لگائے رکھا تھا۔

"اچھا چھوڑیں تو مجھے۔"اس نے مزاحمت کرنے کو شش کی لیکن بے کار، جہانگیر کی گرفت مضبوط تھی۔

"پکا چھوڑ دوں؟میرے قریب آنا پسند نہیں؟"اس نے اتنی سنجیدگی سے پوچھا تھا کہ ماہ پارہ ایک پل کو ٹھٹک گئی۔

"میرا۔۔وہ۔۔۔۔"اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ آخر کہے بھی تو کیا۔

اس کے کندھے پر سے ٹھوڑی ہٹا کر اس نے آہستہ سے اس کا ہاتھ چھوڑا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

ماہ پارہ نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ جیسے اسے برا نہیں لگا تھا۔ ماہ پارہ سوچ میں پڑ گئی۔ آخر کوئی شخص ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اتنا اچھا کیوں تھا؟

اس بار ماہ پارہ نے دو قدم کا فاصلہ مٹایا اور اس کے قریب گئی۔ اس نے اپنی سنہری آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور اس کا دائیاں ہاتھ اٹھا کر اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی۔ جہانگیر ایک بار پھر ان سنہری آنکھوں میں کھو گیا۔ ایک بار پھر ایسا لگا جیسے ماہ پارہ نے اس پر جادو کر دیا ہو۔ جیسے وہ اپنی آنکھوں سے جہانگیر کو ہپناٹائز کر رہی ہو۔

"میں کہیں نہیں جا رہی۔ میں یہیں ہوں۔ آپ کے پاس۔ ہمیشہ۔" وہ بہت اعتماد سے ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہی تھی۔ جہانگیر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

چند لمحے وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھو گئے۔ اچانک اسٹڈی روم کا دروازہ کھلا۔ ماہ پارہ اور جہانگیر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ رامین کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ وہ سر جھکائے کتاب کو دیکھتی ہوئی کمرے میں آئی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تو وہ گھبرا گئی۔ شاید وہ غلط وقت پر آئی تھی۔

رامین نے کتاب پر گرفت مضبوط کی۔ "آ آ آ۔۔ میں۔۔۔۔"

"میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" اپنا ہاتھ چھڑوا کر ماہ پارہ واشروم چلی گئی۔

☆...☆...☆

جب تک وہ فریش ہوتی جہانگیر کچن میں چلا گیا۔اس نے ماہ پارہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی مدد کرے گا۔وہ آدھا کام خود کرنے اور باقی کو ماہ پارہ پر چھوڑنے کا سوچ رہا تھا، لیکن وہ صرف یہ سوچ سکتا تھا۔ماہ پارہ بھی فریش ہو کر نیچے آگئی تھی۔ گھٹنو تک آتے قمیض کے ساتھ اس نے ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہن رکھا تھا۔بالوں کو جورے میں باندھ

کر وہ نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔

رامین جہانگیر کو مزے سے کھانا پکاتے دیکھ رہی تھی۔وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں بھی کر رہے تھے۔ماہ پارہ چوکھٹ پر آکر کھڑی ہو گئی۔وہ منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک اور منظر چلنے لگا۔جہاں وہ یوں ہی کچن کے سلیپ سے ٹیک لگا کر سینے پر بازو باندھے جہانگیر کو کھانا پکاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔وہ مسکرائی۔اس کی سنہری آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔

"آپی آپ وہاں کیا کھڑی ہیں،ادھر آئیں اور دیکھیں جہانگیر بھائی کھانا پکاتے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔" اسے دروازے پر ہی کھڑا پا کر رامین نے کہا۔

جہانگیر مسکرایا۔"میں نے تمہارا سارا کام کر لیا ہے،بس کھانا پکانا باقی ہے،وہ تم شام کو کر لینا۔" وہ کپڑے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

"مگر مجھے۔۔کھانا پکانا ہی تو نہیں آتا۔" اس نے تھوک نگلا۔

"کیا؟ تمہیں کھانا پکانا نہیں آتا؟" وہ چونک گیا۔ "کیا تم نے وہاں جا کر بھی کھانا بنانا نہیں سیکھا؟"

"کیا آپ نے وہاں مجھے آ۔۔۔ کھانا بنانے کے لیے بھیجا تھا یا پڑھائی کے لیے؟" اس نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔" اسکے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ "لیکن تم کھانا بنانا بھی تو سیکھ سکتی تھی۔" اب کی بار اسکا لہجہ دھیما تھا۔

وہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"رامین سے پوچھ لیں یاسمین بھابی مجھے کچن میں قدم رکھنے بھی نہیں دیتی تھیں، کہاں میں کھانا بناتی۔" اس نے سر جھٹکا۔ وہ ناراض ہوئی تھی۔

"تو اب یہ مجھے کرنا ہوگا؟" اس نے سینے پر بازو باندھے تھکے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"جی بالکل۔" اس نے بھی سینے پر بازو باندھے۔ "یہ کل کون کہہ رہا تھا کہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں؟"

رامین لب بھینچے ان کی نوک جھوک دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"چلو رامین، ہم بازار جاتے ہیں۔ رات کو پہننے کے لیے مجھے خوبصورت لباس بھی تو خریدنا ہے۔"

وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے رامین سے مخاطب ہوئی۔

"صفائی کرتی ہوئی جانا آج ملازمہ نہیں آئی۔ وہ تو آتا ہی ہوگا نا؟" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ ماہ پارہ نے اسے کہنی سے پکڑ کر واپس اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔

"کدھر؟" آئیبرو آچکا کر پوچھا۔

"ضروری کام سے فیکٹری جانا ہے۔ شام میں آکر کرلوں گا۔"

"صفائی کون کرے گا؟ آپ نے ہی کہا تھا نا میرے ہوتے ہوئے کس بات کی فکر۔" ماہ پارہ نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے لہجے سے بالکل ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔

"ماہ پارہ وہ تو تم بھی کر سکتی ہو ناں اتنا۔۔۔"

"آپ نے سنا نہیں میں بازار جا رہی ہوں۔" اس کی بات کو درمیان میں ہی کاٹ کر لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"پر۔۔ ٹھیک ہے، اوکے جاؤ تم۔ میں سب کر لوں گا۔" اس نے ہار مانتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

رامین کو اپنی مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔ یک دم سے وہ زور سے ہنسی۔ جہانگیر اور ماہ پارہ نے بدقت اسے دیکھا۔

"رامین تم ہنس رہی ہو؟" جہانگیر کو جھٹکا لگا۔

"جہانگیر بھائی آپ کتنا ڈرتے ہیں اپنی بیوی سے۔ بابا تو ایسا بالکل نہ کریں مما کے لیے۔"

ماہ پارہ جھینپ گئی۔ "رامین زیادہ باتیں نہ کرو چلو میرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑتی ہوئی باہر چلی گئی۔ جہانگیر سر تھام کر رہ گیا۔

وقت گزرتا گیا۔ صبح سے دوپہر ہو گئی تھی۔ وہ دونوں شاپنگ کر کے واپس آ گئی تھیں۔ ہاتھ میں شاپنگ بیگز پکڑے وہ دونوں جا کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ماہ پارہ نے سر صوفے کے پشت پر گرایا اور پیر لمبے کیے میز پر رکھ کر آنکھیں بند کر گئی تھیں۔ رامین کا بھی کچھ یہی حال تھا۔

دفعتاً انہیں گاڑی کی آواز آئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"رامین بچے فوراً جاؤ یہ میرے کمرے میں رکھ کر آؤ۔" وہ پریشانی سے اسے سارے بیگز پکڑا کر اوپر بھیج دیتی ہے۔

امینہ چلتی ہوئی صوفے تک آئیں۔ ڈرائیور کو سارے بیگز میز پر رکھنے کو کہہ کر وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ماہ پارہ نے انہیں سلام دیا تو انہوں نے جواب میں سر کو خم کیا۔ انہوں نے پورے گھر میں نظریں دوڑائیں۔ انہیں سجاوٹ کافی اچھا لگا۔ وہ اس سے کافی متاثر ہوئیں لیکن ظاہر ہونے نہیں دیا۔ (انہیں کیا پتا یہ سب ان کے لاڈلے بیٹے نے کیا ہے۔)

"آج رات کچھ خاص مہمان آرہے ہیں۔اس لیے میں ایک دو جوڑے لے آئی ہوں وہ پہننااور میرے کمرے میں آکر کچھ زیور ہے وہ لے کر جانا۔شام میں یاد سے پہنناتا کہ جہانگیر کی بیوی لگو۔ اتنی سادگی سے ان کے سامنے جاؤگی تو کسی کو بھی نہیں لگے گا تم اس گھر کی بہو ہو۔"نخوت سے کہہ کر وہ اس کو ایک بیگ پکڑا چکی تھی۔ماہ پارہ نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ بیگز پکڑ لیے۔

"آج میں تمہیں جہانگیر کی بیوی کے طور پر متعارف کراوناچاہتی ہوں، مہمانوں سے اچھے سے پیش آنے کی

کوشش کرنا۔زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ رہو تا کہ لوگوں کو بھی لگے جہانگیر کی بیوی ہو۔"آخر میں انہوں نے گہری سانس لے کر سامان اٹھائے کمرے میں چلی گئیں۔

"ایک تو سب مجھے مجرم ٹھہرانا کب بند کریں گے۔"وہ سر جھٹک کر کمرے کی طرف بڑھی۔

☆...☆...☆

دوپہر سے شام ہوگئی تھی۔اس وقت پوری حویلی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔پورا گھر ایک دم جگمگا رہا تھا۔ماہ پارہ ایک گھنٹے کے لیے سوگئی تھی۔وہ بہت تھکن محسوس کررہی تھی۔(حالانکہ جہانگیر کو ہوناچاہیے تھا)۔جہانگیر فیکٹری سے آچکا تھا۔وہ آرام کیے بغیر سیدھا کچن میں چلا گیا۔جب گھر میں مہمان کو آناہوتا ہے تو امینہ کمرے سے نہیں نکلتی تھیں۔وہ بس تیار ہونے میں لگی رہتی تھیں۔

اس وقت وہ نیم اندھیرے کمرے میں لیٹی سو رہی تھی۔ رامین دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"آپی اٹھ جائیں، مہمان آتے ہی ہوں گے۔ آپ تو تیار بھی نہیں ہوئیں۔" وہ ماہ پارہ کے پاس بیٹھ کر اسے جگانے لگی۔

"کیا وقت ہو رہا ہے؟" وہ خوابیدہ لہجے میں بولی۔

"چھ تو بج گئے۔ بیچارے جہانگیر بھائی بھی اکیلے سب دیکھ رہے ہیں۔ یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔ جائیں ان کی مدد کریں۔" وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کر پردے ہٹاتی ہوئی بولی۔

ماہ پارہ اٹھ کر بیٹھی۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ "تم جاؤ میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔"

رامین جا چکی تھی۔ ماہ پارہ پانچ منٹ کے بعد کچن کے سلیپ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ بار بار جمائی روکتی۔ جہانگیر خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ بہت مہارت سے کھانا بناتا تھا۔

"تمہیں اگر نیند آ رہی ہے تو کافی بنا دوں تمہارے لیے؟" اس نے ایک نظر ماہ پارہ کو دیکھ کر کہا۔

"نہیں، آپ پہلے ہی میرے لیے اتنا کر چکے ہیں، اب مزید آپ کو کیا پریشان کرنا۔" وہ ندامت سے گویا ہوئی۔

جہانگیر کے ہاتھ رکے۔ آنکھوں میں خفگی در آیا۔ ہاتھ کپڑے سے صاف کرتے ہوئے وہ اس کے قریب گیا۔ بہت قریب۔ ماہ پارہ اسے قریب آتے دیکھ کر بے اختیار پیچھے ہوئی کہ اس کی کمر

سلپ سے جا لگی۔ جہانگیر نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں رکھے۔ وہ اپنی سیاہ آنکھوں سے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ ایک بار پھر اس میں کھو جانا چاہتا ہو۔ ماہ پارہ کی پلکیں لرزنے لگیں۔ اس کی آنکھوں میں اب نیند کے آثار نہیں تھے۔ اس نے نظریں نہیں جھکائیں۔ وہ یوں ہی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔

"پریشان تو تم نے پہلے ہی کر دیا تھا لیکن میں مزید تمہارے لیے پریشان ہونا چاہتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مخمور سے دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"جہانگیر کیا کر رہے ہیں آپ۔ پیچھے ہٹیں۔" اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا جسے جہانگیر آسانی سے محسوس کر سکتا تھا۔

"کیا کر رہا ہوں؟" وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"مہمان آتے ہی ہوں گے مجھے تیار بھی ہونا ہے اور دیکھیں اب مجھے نیند بھی نہیں آ رہی۔" وہ اسے اپنے ہاتھوں سے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہ مسکراہٹ دبائے پیچھے ہٹا۔ کافی نہ سہی اسی طرح وہ اس کی نیند اڑا چکا تھا۔ اس کی نیند اڑانا بھی ضروری تھا ورنہ وہ یونہی نیم وا آنکھوں سے مہمانوں سے مل رہی ہوتی۔ وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ اب اسے بھی تیار ہونا تھا۔ امینہ نے دو ملازموں کو شام کے وقت بلایا تھا تا کہ وہ کھانے کا انتظام دیکھیں۔

سیف اور رنزہ بھی گھر آ چکے تھے۔ حسن کو آنے میں ابھی اچھا خاصا وقت تھا۔

ماہ پارہ سر پر تولیہ باندھے واش روم سے باہر آئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے قریب پہنچ کر اس نے تولیے سے اپنے بالوں کو آزاد کیا۔ دراز سے ڈرائر نکال کر وہ اپنے بالوں کو سکھانے لگی۔ اسی دوران دروازے میں دستک ہوئی۔ اجازت ملنے پر سیف اندر چلا آیا۔

"جہانگیر کہاں ہے؟" اس نے مشین بند کر کے پیچھے ہٹ کر پوچھا۔

"وہ نہا رہے ہیں۔" سیف نے دراز کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ "بھائی کا وہ مہنگا والا پرفیوم کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" کندھے اچکاتے ہوئے وہ میز پر رکھے بیگ کی طرف بڑھی۔

"مل گیا۔" پرفیوم کی بوتل اٹھاتے ہوئے اس نے خوشی سے کہا۔

ماہ پارہ کپڑے لے کر واش روم چلی گئی۔ پرفیوم کا کیپ ہٹاتے ہوئے سیف نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ گردن پر دو سے تین بار سپرے کریں اور آنکھیں بند کر کے سانس اندر کو کھینچا۔ وہ بغور پرفیوم کا نام دیکھنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ یہ بوتل چوری کر کے لے جائے۔ واش روم کھلنے کی آواز پر اس نے آخری بار اپنی کلائی پر اسپرے کیا اور دوسری کلائی سے رگڑا۔

"تم ابھی تک یہی ہو؟" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ کر رکتی ہوئی اسے پڑے ہٹایا۔

"جب تمہارے شوہر میرا کمرہ، باتھ روم اور سامان استعمال کر سکتے ہیں تو میں یہاں کیوں نہیں آ سکتا؟" وہ پرفیوم کی بوتل واپس دراز میں رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"فضول انسان۔" وہ بڑبڑائی اور اپنے بالوں میں برش چلانے لگی۔

سیف آخری بار اپنا عکس شیشے میں دیکھ کر جانے ہی لگا تھا کہ ماہ پارہ کی نظر اس کے بالوں پر پڑی۔ اس کے پیچھے کے کچھ بال سفید ہو رہے تھے۔

"سیف لگتا ہے تمہاری عمر ہو گئی ہے۔" وہ مسکراہٹ دبائے بولی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" اس نے رک کر پلٹتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"یقین نہیں آتا تو خود دیکھ لو، تمہارے پیچھے کے بال سفید ہو رہے ہیں۔" اس نے اپنے بالوں کو جوڑے میں باندھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو کیا ہوا۔ کم از کم تمہارے شوہر کی طرح میرے بال پورے سفید تو نہیں ہیں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ جانتا تھا اسے تپانے کے لیے اتنا کافی ہے۔ ماہ پارہ ہکا بکا رہ گئی۔

یہاں سیف کمرے نکلا اور اسی وقت جہانگیر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اسے مسکراتے ہوئے ایک نظر ماہ پارہ کو دیکھ کر سر کو تولیے سے رگڑتے ہوئے آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ رک گیا۔ وہ اس وقت

مہرون رنگ کی قمیض اور پاجامہ میں ملبوس تھی۔ قمیض پر سنہرے رنگ کی کڑھائی تھی۔ وہ اس لباس میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

ماہ پارہ یوں ہی شیشے کے سامنے شاک کھڑی تھی۔ جہانگیر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ لیکن ماہ پارہ کا شاک چہرے دیکھتے ہی وہ تولیہ بیڈ پر پھینک کر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ ماہ پارہ شیشے میں اپنے پیچھے کھڑے جہانگیر کو دیکھ کر چونک گئی۔ جہانگیر شیشے میں اپنا اور اس کا عکس دیکھ کر بے ساختہ مسکرایا۔ گہری پر کشش مسکراہٹ۔

وہ اس وقت بھورے رنگ کی قمیض شلوار میں ملبوس تھا۔ خلاف عادت اس نے آستینیں کہنی تک نہیں چڑھائی ہوئی تھی۔ کھلے کف، ماتھے پر بکھرے بال، اس کے حلیے سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بہت تھک گیا ہے۔ مہمانوں کے سامنے جانے والا حلیہ تو ہر گز نہیں لگ رہا تھا۔

"جہانگیر پیچھے ہٹیں۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے اگر اب آپ پھر۔۔" تیز تیز کہتی ہوئی وہ ایک دم رکی۔ نظریں چرا کر وہ دراز سے زیور نکالنے لگی۔

"اگر میں پھر کیا؟" وہ پیچھے ہٹ کر صوفے کے پاس جا کر گرنے کے انداز میں بیٹھا۔

"خاموش رہیں پلیز۔"

"جو حکم آپ کا۔" وہ مسکرا کر کہتے ہوئے صوفے کے پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کر لیں۔

ماہ پارہ امینہ کے دیے ہوئے زیورات پہننے لگی۔سب کچھ پہننے کے بعد آخر میں وہ کنگن پہن رہی تھی کہ جہانگیر نے آنکھیں کھول دیں۔وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ماہ پارہ کنگن پہن کر مڑی تو جہانگیر کے ماتھے پر بل پڑے۔وہ اسے اچھنبے سے دیکھنے لگا۔یہ بات تو شروع سے طے تھی کہ جہانگیر کو اس کا بھاری لباس پہننا اور اپنے آپ کو زیورات سے آراستہ کرنا پسند نہیں تھا۔اس کا لباس اگرچہ بھاری نہیں تھا لیکن زیورات بھاری لگ رہے تھے۔

"یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟ادھر آؤ۔"اس نے ماہ پارہ کو اپنے پاس صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آنٹی نے کہا کہ پہنوں تاکہ میں آپ کی بیوی لگ سکوں۔"وہ آہستگی سے قدم اٹھاتی اس کے پاس بیٹھ گئی۔

جہانگیر نے کچھ نہیں کہا وہ ماہ پارہ کی طرف مڑا۔اس نے اس کے کانوں سے بالیاں اتاریں،اس کے گلے سے ایک ہار اتارنے کے بعد اس نے دوسرا ہار بھی اتار دیا اور آخر میں اس کے ہاتھوں میں پہنے ہوئے کنگن اتارے۔ماہ پارہ خاموشی سے اس کی تمام حرکتیں دیکھ رہی تھی۔وہ اس کے اتنا قریب بیٹھا تھا کہ وہ اس کی خوشبو بھی محسوس کر سکتی تھی۔آنکھیں بند کر کے اس نے گہری سانس اندر کو کھینچا۔آنکھیں کھولیں تو جہانگیر کو دیکھا جو سارے زیور سامنے میز پر رکھ رہا تھا۔

"آئندہ نہ دیکھوں تمہیں یہ سب پہنتے ہوئے۔"وہ واپس صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"جہانگیر میرا خود کا بھی دل چاہتا ہے یہ سب پہننے کا۔"

"لیکن میں منع کر رہا ہوں ناں۔"

"آپ بھی دوسرے شوہروں کی طرح حکم دے رہے ہیں؟" شکوہ کناں انداز میں کہا۔

جہانگیر نے آنکھیں بند کیں۔ "ہم جیسا تم سمجھو۔" اب وہ اسے کیسے بتاتا کہ وہ سادگی میں کتنی خوبصورت لگتی

ہے۔

ماہ پارہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "جائیں، میں آپ سے بات نہیں کرتی۔" وہ ابھی کھڑی ہوئی تھی کہ جہانگیر نے اسے کلائی سے پکڑ کر واپس بیٹھایا۔

"ویسے بھی کہاں کرتی ہو بات؟" آئیبرو اچکا کر کہا۔

"آپ تیار ہو جائیں۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے آپ نے۔" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ زیورات اٹھانے لگی۔

"مجھ میں ہمت بالکل نہیں ہے، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔"

اس کی بات سن کر ماہ پارہ نے زیورات دراز میں رکھے اور واپس مڑ گئی۔

"بالکل نہیں، آپ ایسے نہیں جا سکتے، آپ جانتے بھی ہے اس وقت آپ کتنے۔۔۔" وہ پھر سے غلطی کر بیٹھی تھی۔ بے اختیار لب دانتوں تلے دبا کر آنکھیں میچ لیں۔

"کتنے کیا؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہی کہ کتنے برے لگ رہے ہیں آپ۔" وہ اسے قریب آتا دیکھ کر پیچھے قدم لے رہی تھی۔

"اچھا واقعی میں؟" وہ جیسے محفوظ ہوا تھا۔

"ہمیں نیچے جانا چاہیے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے گھبراتے ہوئے کہا۔

اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔

جہانگیر نے اپنا بایاں ہاتھ دیوار پر رکھا اور دائیں ہاتھ سے اس کے چہرے پر آئے لٹ کو ہاتھ بڑھا کر اس کے کان کے پیچھے کیا۔اس کے ہاتھ کے لمس نے ماہ پارہ کے دل کی دھڑکن تیز کر دی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟ بتایا نہیں؟" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"برے۔۔لگ رہے۔۔۔ہیں۔" وہ اٹکتی ہوئی گویا ہوئی۔

"اچھا تو کچھ ایسا کرو کہ میں بہت ہینڈ سم لگنے لگوں۔" وہ مسکراہٹ دبائے دور ہوا۔

یہاں سے فوراً نکل جانے کے لیے ماہ پارہ نے حامی بھر دی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ اوپر کیے کف باندھنے لگی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ آستینوں کو کہنی تک چڑھاتا ہے۔اس نے ایک بار بھی جہانگیر کی طرف نظریں اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ جہانگیر مخمور سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ ہاتھ کی کنگھی سے اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو واپس پیچھے سیٹ کرنے لگی۔ جہانگیر نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

اگلے ہی لمحے وہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔آج کی دعوت میں لڑکیاں بھی موجود ہوں گی،وہ اسے خوبصورت دیکھانے کے بجائے جان بوجھ کر ایسا دیکھانا چاہتی تھی جس سے وہ پر کشش نہ لگے۔

بالوں سے اسے سیف کی بات یاد آئی۔

"آپ کونسا کلر لگاتے ہیں بالوں میں ؟"

"کلر ؟ کیا مطلب ؟"اس نے الجھ کر پوچھا۔

"وہ سیف کہہ رہا تھا کہ آپ کے بال سفید ہیں تو۔۔۔"وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔

جہانگیر ہنسا۔وہ جانتا تھا سیف اس کے بالوں سے چڑ جاتا تھا۔وجہ جہانگیر کا ابھی تک ایک بھی بال سفید نہ ہونا تھا۔

ماہ پارہ نے اسے نا سمجھی سے دیکھا۔(اس میں اتنا ہنسنے والی کیا بات تھی ؟)اس نے بیڈ کے پاس جا کر سائیڈ ٹیبل پر پڑی اپنی گھڑی اٹھایا۔

"وہ تم سے مذاق کر رہا تھا۔ضرور تم نے اس کے بالوں کو کچھ کہہ دیا ہو گا۔"وہ گھڑی پہنتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بدتمیز نہ ہو تو۔" اس نے سر جھٹکا۔ "میں جا رہی نیچے، آپ بھی آجائیں اب۔" وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

☆...☆...☆

حویلی مہمانوں سے بھرنے لگی تھی۔ ماہ پارہ خوش دلی سب کا سے استقبال کر رہی تھی۔ زائیشا کے آتے ہی اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔ ذوالقرنین بھی اس کے ساتھ آرہے تھے۔ ماہ پارہ نے مؤدب سے انہیں سلام کیا۔ وہ سر کے خم سے سلام کا جواب دے کر آگے بڑھے۔ رنزہ اپنی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔

سیف اور جہانگیر مہمان کمرے میں مردوں کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ امینہ نے آدھے سے زیادہ مہمانوں سے ماہ پارہ کا تعارف کروانا شروع کر دیا تھا۔ کچھ اس کی اتنے سالوں سے غیر حاضری کے بارے میں پوچھ رہی تھیں تو کچھ اس کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ وہ اس وقت صوفے پر بیٹھی تھی سب سے ہٹ کر لیکن اس کے پاس بیٹھی ایک ادھیڑ عمر خاتون اس سے سرگوشی انداز میں مخاطب تھیں۔

"جی آنٹی بس ایک ہفتہ ہوا ہے مجھے یہاں آئے۔"

"عمر کیا ہے تمہاری؟" انہوں نے جوس کا گلاس لبوں سے ہٹا کر پوچھا۔ مہنگا سوٹ۔ زیورات سے بھرپور، وہ کسی رئیس خاندان سے لگ رہی تھیں۔

"جی پچیس۔" اس نے قدرے گھبراتے ہوئے جواب دیا۔

"کتنے سال ہو گئے تمہاری شادی کو؟" اگلا مشکل سوال۔ ماپارہ کو اپنا گلا خشک محسوس ہوا۔

"جی۔۔دس۔۔۔دس سال ہونے والے ہیں۔" نظریں جھکا گئی تھیں۔ اسے جہانگیر کی غیر موجودگی شدت سے محسوس ہونے لگی۔ وہ ہوتا تو سب سنبھال لیتا۔

"اور بچے؟" ان کے اگلے سوال پر ماہ پارہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔ وہ ان خاتون کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی، جیسے ان کی گفتگو صرف ان تک ہی رہنی تھی۔

"نہیں۔۔ابھی بچے۔۔۔" وہ مزید نروس ہو گئی تھی۔ ناجانے وہ آگے سے کیا کہہ دیں۔

خاتون کے چہرے پر تعجب ابھرا۔ جوس کا گلاس میز پر رکھ کر انہوں نے ماہ پارہ کا ہاتھ پکڑا۔

"مایوس نہیں ہوتے۔ آج نہیں تو کل بچے ہو جائیں گے۔" وہ اس کا ہاتھ تھپتھپا کر اسے تسلی دے رہی تھیں۔

"جی۔۔جی۔" وہ قدرے جزبز سی ہوئی۔

اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ جہانگیر کہیں سے آئے اور اسے ان لوگوں کے سوالات سے دور لے جائے۔ بہت دور۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ ان سوالوں کے جواب دے کر تھک چکی تھی۔

"آنٹی ایک ہی دفع میں اعلان کیوں نہیں کر دیتی۔" وہ خفگی سے دھیمی آواز میں بڑبڑائی۔

اسی لمحے جہانگیر مہمان کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ماہ پارہ نے اسے نہیں دیکھا تھا لیکن جہانگیر کی نظر پہلے اس پر پڑی۔اس نے اسے تھوڑا پریشان دیکھا۔اس نے آنکھیں سکیڑ کر متفکر نظروں سے اسے دیکھا۔رامین جہانگیر کے پاس سے گزرنے ہی والی تھی کہ جہانگیر نے اسے روکا۔

"رامین،ماہ پارہ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہے؟"

"آپ کی بیوی کو یہاں کی عورتوں نے سوال پوچھ پوچھ کر ان کی جان نکال دی ہے۔" مسکراکر کہتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

جہانگیر کے ماتھے پر بل پڑے۔وہ بے اختیار اس کی طرف چھوٹے چھوٹے قدم بڑھانے لگا۔

"بیٹادیکھو، تمہارا شوہر بہت اچھا آدمی ہے ماشاءاللہ، دیکھو اس نے تمہارا دس سال انتظار کیا، ورنہ تمہیں تو پتا ہے کہ آج کل کے شوہر کہاں اتنا انتظار کرتے ہیں، وہ تو فوراً دوسری شادی کر لیتے ہیں، لیکن دیکھو تمہارا شوہر۔۔۔"

"ماشاءاللہ بہت اچھے انسان ہیں، ماشاءاللہ ماشاللہ، اللہ انہیں نظر بد سے محفوظ رکھے۔" اس سے پہلے کہ وہ عورت اپنی بات مکمل کرتیں، سیف نے ان کی بات کاٹ دی اور دانت پیستے ہوئے کہا۔ جہانگیر رک گیا۔وہ مزید آگے نہیں جاسکتا تھا۔سیف کی آمد غیر متوقع تھی۔

"ہاں میں بھی وہی کہہ رہی تھی۔" انہوں نے پہلو بدلہ۔ماہ پارہ نے مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی ہوئی تھی۔امینہ کی

خاص دوست جہانگیر کے پاس آئیں اور وہ ان سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو ان محترمہ کے شوہر انہیں بلا رہے ہیں۔ہو سکتا ہے انہیں پرسنل باتیں کرنی ہو جو کہ آپ لوگ کی مسلسل موجودگی میں نہیں ہو رہی تو۔۔۔" اس کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ خاتون سرخ چہرہ لیے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔

ماہ پارہ کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔اس کی آنکھوں میں اشتعال ابھرا۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کی اس حرکت پر اسے مار ڈالے۔ماہ پارہ نے اس کے کندھے پر زور سے تھپڑ مارا۔سیف نے آبرو بھینچا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا۔

"وہ دیکھو تمہارا شوہر وہاں واقعی میں انتظار کر رہے ہیں۔عجیب۔" عتاب سے کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

ماہ پارہ کی متلاشی نظریں اس پر ٹھہر گئیں۔دونوں کی نظریں ملیں اور دونوں نے فوراً نظریں چرا لیں۔

جہانگیر اوپر کمرے میں چلا گیا۔ماہ پارہ نے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں ایک بچہ مضطرب سے کھڑا دیکھا۔وہ کسی کی تلاش میں تھا۔اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے جو کسی بھی لمحے بہنے کو بے تاب تھے۔ماہ پارہ اسے پریشان دیکھ کر اٹھ گئی۔وہ اس بچے کے پاس گئی تو اس نے فوراً اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"کافی پریشان دِکھ رہے ہو۔کیا ہوا ہے؟"ماہ پارہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھرتی ہوئی بولی۔

"میری بہن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، بڑی مشکل سے حویلی آیا ہوں۔مجھے محلے سے پتہ چلا ہے کہ یہاں کوئی قابل ڈاکٹر تو۔۔۔"

"کیا ہوا تمہاری بہن کو؟"ماہ پارہ نے اس کی بات تیزی سے کاٹ کر کہا۔

"وہ صبح سے الٹیاں کر رہی ہے اور اسے کافی بخار ہے۔"وہ بچہ بہت پریشان تھا۔وہ دس گیارہ سال کا لگ رہا تھا۔

"پانچ منٹ رک جاؤ، میں آتی ہوں۔"یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں چلی گئی۔

جہانگیر صوفے پر بیٹھا گردن پیچھے گرائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔

"جہانگیر؟"اس کی پکار پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔"مجھے ابھی باہر جانا ہے۔وہ بچہ نیچے میرا انتظار کر رہا ہے۔آپ یہاں سب کچھ سنبھال لیں گے؟"

اس نے ناسمجھی سے آئیبر و بھینچے۔"کون بچہ؟ کس لیے اور اس وقت۔۔۔"

"ابھی ان سب باتوں کا وقت نہیں ہے جہانگیر۔"اس نے جھنجھلا کر کہا۔"بس مجھے اتنا بتائیں اگر میں جاؤں تو آپ یہاں سب سنبھال لیں گے یا نہیں؟"

"لیکن کیا ہوا ہے؟"وہ اب واقعی میں پریشان نظر آرہا تھا۔

"وہ بچہ کہہ رہا ہے کہ اس کی بہن کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔بس اسی کو دیکھنے جارہی ہوں۔ وہ بہت امید سے میرے پاس آیا ہے، میں انکار نہیں کر سکی۔"جہانگیر خاموش رہا۔ماہ پارہ اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"کیسے جاؤ گی تم؟ ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"ابھی وہ اٹھ کر چابی اٹھانے ہی گیا تھا کہ ماہ پارہ اس کے پاس آئی۔

"اگر ہم دونوں یہاں سے چلے گئے تو یہاں سب کو کون دیکھے گا؟میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی جہانگیر۔"اس نے ملتجی انداز میں کہا۔

"لیکن۔۔۔"وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔"اچھا ٹھیک ہے جلدی آنا اس سے پہلے ماں سا کو پتا چلے کہ تم یہاں سے چلی گئی ہو اس پہلے کوشش کرنا آجانا۔"

"میں آکر سب بتاتی ہوں۔" وہ ہلکا سا مسکراتی ہوئی واپس پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

سیڑھیاں اترتی ہوئی اس کی نظر اس بچے پر پڑی جو بہت امید سے اس طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرے پیچھے آؤ۔" یہ کہتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ بچہ تابداری سے اس کی پیچھے چل رہا تھا۔

وہ گاڑی کے پاس آئی اور ڈرائیور کو خاموشی سے گاڑی نکالنے کو کہا۔ وہ پچھلے سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی، بچہ بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اگر وہ آج بچے کی مدد کے لیے نہ جاتی تو ڈاکٹر بننا اس کی نظر میں بس ایک مشغلہ تھا۔ دس سال پہلے اس کا یہ جنون کہ وہ گاؤں کی ہر لڑکی کے لیے موجود ہو گی، وہ مقصد رائیگاں جاتا۔

اس بچے کے گھر پہنچتے ہی ماہ پارہ فوراً گاڑی سے باہر نکل گئی۔ وہ بچہ بھی باہر نکل آیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے گھر میں داخل ہوئی۔ وہ لڑکی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی ماں اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ ماہ پارہ اس کے پاس گئی تو وہ خاتون اٹھ گئیں۔ وہ چارپائی پر اس لڑکی کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ اس وقت وہ شدید بخار میں مبتلا تھی۔

"اسے صرف بخار ہے؟" وہ اس کا بخار چیک کرتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"نہیں، وہ وقفے وقفے سے الٹیاں بھی کر رہی ہے۔" اس کی ماں نے گیلی ناک سکوڑ کر کہا۔

"آپ نے ابھی تک اسے کوئی دوائی دی ہے؟" ایک نظر اس پر ڈال کر کہا۔ شدید بخار کی وجہ سے وہ سو رہی تھی۔

"ہاں، ہم سرکاری ڈاکٹر کے پاس گئے تھے، تو انہوں نے دوائی دی تھی۔" انہوں نے پاس رکھی چھوٹی سی میز کے اوپر سے ایک کاغذ اٹھا کر اسے دیا۔

ماہ پارہ نے پرچی کھول کر دوائیوں کے نام پڑھے تو چونک گئی۔ اسے غلط دوا دی گئی تھی۔

"یہ تو غلط دوائی ہے۔" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"اب؟" وہ خاتون خوفزدہ انداز میں بولیں۔

"اس نے کھانے میں ایسا کیا کھایا تھا؟ میرا مطلب ہے، کوئی ایسی چیز جس سے اس کے پیٹ میں انفیکشن ہو سکتا تھا؟"

"ہاں، اس نے دو دن کا باسی کھانا کھایا تھا۔" وہ خاتون مدھم لہجے میں خجل سے گویا ہوئیں۔

"کوئی بات نہیں۔ میرے کلینک میں دواخانہ ہے۔ میں وہاں سے اس کے لیے دوائی لے کر آتی ہوں۔ وہ دوائی لے گی تو صبح تک بہتر ہو جائے گی۔" وہ تحمل سے انہیں مطمئن کرنا چاہتی تھی۔

"لیکن یہ دوائی۔۔۔"

"غلط دی ہے۔میں اس کے لیے صحیح دوائی لے کر آتی ہوں۔"اس نے گہری سانس لی۔ایک تو یہاں کے ڈاکٹر کب غلط دوائی دینا بند کریں گے۔

وہ فوراً وہاں سے نکل کر گاڑی میں بیٹھی۔ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی کلینک کی طرف لے جائے۔ کلینک جا کر اس نے مطلوبہ دوائی اٹھائی،شاپر میں ڈالی اور واپس گاڑی میں بیٹھ گئی۔ماہ پارہ واپس آئی۔اسے دوائی دی۔اس حوالے سے خاتون سے بات کی اور کہا کہ کوئی مسئلہ ہو تو وہ کلینک آسکتی ہیں۔

"بیٹا میں معذرت چاہتی ہوں کہ تم میری بیٹی کی وجہ سے اپنی تقریب چھوڑ کر آئی ہو۔"وہ اس کو سر تا پیر دیکھتی ہوئی گویا ہوئی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں۔یہ تو میرا فرض تھا۔"وہ مسکراتے ہوئے بولی اور اٹھ کر گاڑی کی طرف بڑھی۔

☆...☆...☆

"امینہ تمہاری بہو کہیں نظر نہیں آرہی۔"امینہ کی بڑی بہن نے ہاتھ میں جوس کا گلاس لیے ان سے پوچھا۔

"وہ یہیں ہو گی۔"انہوں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"مجھے تو ملوایا ہی نہیں۔جب شادی ہوئی تو میں پاکستان میں نہیں تھی اور اب جب موقع ملا تو وہ غائب ہے۔"انہوں نے ناراضگی سے کہہ کر جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔

امینہ نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔اسے ماہ پارہ پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔اپنی بہن کو معذرت کرتی ہوئی وہ وہاں سے

نکل گئیں۔اب ان کا مقصد جہانگیر کو ڈھونڈنا تھا۔جہانگیر کو ڈھونڈتی ہوئی ان کی ملاقات زائیشا سے ہوئی۔

"اسلام و علیکم آنٹی کیسی ہیں آپ؟"مسکرا کر کہتی ہوئی وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"و علیکم اسلام۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔"وہ اس سے الگ ہوئیں۔اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں۔"تم بتاؤ کیسی ہو اور زارون کہاں ہے؟"

"آنٹی آپ کو پتا تو ہے کام کے سلسلے سے وہ یہاں نہیں ہوتے۔"اس نے افسردگی سے کہا۔

"اوہو، چلو کوئی بات نہیں، تم پارٹی کا لطف اٹھاؤ۔"اس کا گال تھپتھپا کر وہ جانے ہی والی تھیں کہ زائیشہ نے انہیں روکا۔

"آنٹی، جہانگیر کو ڈھونڈ رہی ہیں؟"

"ہاں۔تم نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"

"وہ بیچارہ تو کچن میں ہو گا نا۔اب بیوی اتنی رات کو باہر گھومے گی تو شوہر کو اس کی عزت بچانے کے لیے یہ سب تو کرنا پڑے گا۔" امینہ کا چہرہ ایک دم غصے سے سرخ پڑ گیا۔ "اور آپ کو معلوم ہے یہ سب کھانا اور یہ ساری سجاوٹ جہانگیر نے کیا ہے۔میں ان کے کمرے کے پاس سے گزر رہی تو سن لیا۔آپ کو نہیں لگتا کہ ماہ پارہ جہانگیر کو اپنے اشاروں پر نچا رہی ہے اور وہ بخوشی ناچ بھی رہا ہے۔" وہ امینہ کے کان بڑھ رہی تھی۔اس کے خلاف بڑھکا رہی تھی، جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھی۔اپنا کام کر کے وہ آگے بڑھ گئی۔امینہ حیران رہ گئیں۔

وہ تذبذب سے کچن کی طرف بڑھیں۔

"جہانگیر؟" جہانگیر کو چولہے کے پاس دیکھ کر ان کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

"جی ماں۔۔۔سا۔" وہ گھبرا کر کہتا پیچھے ہٹ گیا۔

"ماہ پارہ کہاں ہے؟اور تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ خود کو پر سکون ظاہر کرنے کی کشش کر رہی تھیں۔

"جی،وہ کمرے میں ہو گی۔" کپڑے سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد وہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

امینہ اس کے جھوٹ پر بہت حیران ہوئیں لیکن وہ خاموش رہیں۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

"میں نے یہ بھی پوچھا ہے کہ "تم" یہاں کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے تم پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ۔۔مجھے بھوک لگی تھی تو ایسے ہی بس آ گیا تھا۔"

"حسن ابھی تک نہیں آیا۔دیکھو تو کہاں رہ گیا ہے"

"جی ماں سا، جا کر دیکھتا ہوں۔" نظریں ہٹا کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ اسے ماہ پارہ کے پہلے آنے کا انتظار کرنا تھا، اس سے پہلے وہ یہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔

"تمہارا سوٹ تو بہت پیارا الگ رہا ہے رامین۔" رنزہ اس کے پاس آکر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آپی نے لے کر دیا ہے ورنہ میں تو ایسے سوٹ نہیں پہنتی۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

"تمہارا ہیئر اسٹائل مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میں بھی ایسے ہی کٹواؤں گی۔" وہ اس کے ماتھے پر کٹے بالوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ جواب میں وہ بس مسکرائی۔

"تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟"

"اچھی چل رہی۔ ابھی تو چھٹیوں پر ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ ہم لوگ کچھ کھاتے ہیں، مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑتی ہوئی اٹھی۔

وہ ان کے گھر سے واپس آرہی تھی۔ سردی بھرتی جا رہی تھی۔ اس نے خود کو اچھی طرح سے شال میں لپیٹ لیا تھا۔ وہ سوچوں میں گم تھی کہ ایک دم سے گاڑی رکی تو ماہ پارہ جو سیٹ سے پشت ٹکھائے آنکھیں بند کیں ہوئی تھی ہڑبڑا کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"بی بی جی، گاڑی شاید خراب ہو گئی ہے، آپ وہیں بیٹھیں، میں آکر دیکھتا ہوں۔" وہ گردن پیچھے موڑ کر کہتے

ہوئے گاڑی سے باہر نکل گیا۔

"اب یہ کیا نئی مصیبت ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی واپس سیٹ کے پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی۔

ڈرائیور گھوم کر ماہ پارہ کی طرف آیا۔ "بی بی جی گاڑی خراب ہو گئی ہے، وقت لگے گا۔ آپ یہیں بیٹھیں۔ باہر مت نکلیے گا۔"

"نہیں رہنے دے میں یہاں سے پیدل چلی جاؤں گی میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتی۔" وہ ایک دم بوکھلا گئی تھی۔

"اگر آپ یہاں سے چلیں گی تو آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت لگے گا اور میں آپ کو رات کی اس گھڑی میں اکیلا نہیں جانے دے سکتا۔ صاحب مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔" وہ کہتے ہوئے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ ماہ پارہ لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

جہانگیر کو اب حسن اور ماہ پارہ کی فکر ہونے لگی تھی۔ اگر وہ حسن کے لیے یہاں سے چلا جاتا تو ماہ پارہ یہاں اکیلی ہوتی۔ اور اگر ماہ پارہ کے لیے رک جاتا تو حسن کے کیے پریشان رہتا۔ وہ مضطرب دیکھائی دے رہا تھا۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ وہ سیف سے کہے کہ حسن کو لینے جائے۔ وہ کمرے سے نکل کر سیف کو ڈھونڈنے لگا۔ اوپر ریلنگ سے جھک کر نیچے دیکھا تو وہ امینہ کی بہن سے مسکرا کر بات کرتے ہوئے دیکھا۔ جہانگیر فوراً سیڑھیاں اتر کر اس کے پاس آیا۔

جب وہ نیچے آیا تو سیف اکیلا وہاں کھڑا تھا۔

"سیف حسن کو لینے جا سکتے ہو؟ مجھے یہاں ضروری کام ہے۔" وہ اس کے سامنے آکر کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں بھائی، میں کیوں جاؤں؟ آپ کی تو شادی ہو گئی، بھائی کی بھی ہو جائے گی، اب بچا کون؟ میں۔" اس نے

انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہاں سے ہٹ جانے کا مطلب ہے کہ میں کسی کے نظروں میں نہیں آؤں گا۔" وہ برا مانتے ہوئے بولا۔ جہانگیر تو اس کی فلسفے پر دانت پیس کر رہ گیا۔

"اگر تم اگلے پانچ منٹ میں یہاں سے نہ نکلے تو میں تمہارا ایسا حشر کردوں گا کہ تم کسی لڑکی کو منہ دیکھانے قابل نہیں رہو گے۔" اس نے دبی آواز میں برہمی سے کہا۔

"دھمکی کس کو دی۔۔۔ جا رہا ہوں نا، ایسے کھا جانے والی نظروں سے تو نہ دیکھیں۔" جہانگیر نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ ہار مانتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

☆...☆...☆

وقت گزرتا گیا۔ آہستہ آہستہ سارے مہمان کھانا کھا کر جانے لگے۔ حسن کے نہ آنے کے باوجود امینہ نے اس کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ جب مرضی ہی ان کی چلنی تھی تو ہاں کہنے میں دیری کیوں

کرتیں۔آدھے سے زیادہ مہمان سے ماہ پارہ کی ملاقات نہ ہونے پر انہیں بے حد غصہ آیا۔سب جہانگیر کی بیوی کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اس دعوت کے انعقاد سے وہ سب کے منہ بند کردیں گی لیکن یہاں توسب کچھ الٹا ہو گیا۔

سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی گاڑی ابھی ٹھیک ہوئی تھی۔ماہ پارہ بے چینی سے گاڑی کے باہر دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔اس کا دل صرف یہ سوچ کر ڈوب رہا تھا کہ اس وقت گھر میں کیا ہو رہا ہو گا۔

"بی بی جی گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے۔"ڈرائیور کے کہنے پر اس نے ایک سلگتی نظر اس پر ڈالی جو پچھلے چالیس منٹ سے گاڑی ٹھیک کرنے میں لگا تھا۔

ڈرائیور نے سر خم کیا۔ماہ پارہ نے گاڑی کا دروازے طیش سے کھول کر زور سے بند کیا۔شال سے خود کو اور اچھی طرح ڈھانپ کر شیشے پہ سر ٹکائے آنکھیں بند کر لیں۔ سردی لگ جانے کے باوجود بھی وہ باہر انتظار کرنے لگی

تھی۔ڈرائیور بھی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

داؤد آخری مہمان کے ساتھ گیسٹ روم سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھے۔آج انہوں نے اپنے پرانے دوست کے ساتھ وقت گزارا تھا اور اسی لیے انہیں وقت کا احساس نہیں ہوا تھا۔وہ دروازے سے واپس آئے تو جہانگیر اور امینہ کا پریشان چہرہ دیکھ کر چونک گئے۔

"کیا ہوا اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟"صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے استفسار کیا۔

"اپنے بیٹے سے پوچھیں اس کی بیوی اتنی رات باہر کیا کر رہی ہے؟"غصے سے کہتی ہوئی انہوں نے جہانگیر کی طرف دیکھا جو کافی دیر سے صبر کا گھونٹ پی رہا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟ کہاں گئی ہے وہ؟اور یہ حسن ابھی تک کیوں نہیں آیا؟"

"بابا ایک بچہ آیا تھا۔اسے ارجنٹ جانا پڑا۔۔"وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں بولا۔

"امینہ وہ پیشے کے لحاظ سے گئی تھی اور تم نے نا جانے کیا کیا کہہ دیا اس کے بارے میں۔"انہیں جیسے امینہ کے الفاظوں پر افسوس ہوا تھا۔

"اگر وہ اپنا پیشہ ایک دن کے لیے چھوڑ دیتی تو کچھ نہیں ہو جاتا۔"امینہ نے تلخی سے کہا۔

"تمہیں کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔"اس سے پہلے کے وہ کچھ کہتیں داؤد نے موضوع بدلہ۔"رنزہ اور رامین کہاں ہیں؟"

"بابا وہ رامین رنزہ کے ساتھ تھی،اسی کے کمرے میں سو گئی ہے۔"جہانگیر اضطراب سے پیر ہلانے لگا۔داؤد اسے چند لمحے دیکھتے رہے پھر مسکرائے۔

"اتنی فکر ہو رہی ہے تو اسے ڈھونڈنے کیوں نہیں جا رہے ہو؟"

"اگر میں یہاں سے چلا گیا اور وہ میرے آنے کے بعد یہاں آگئی تو؟" امینہ کو جہانگیر کا اس طرح ماہ پارہ کی فکر کرنا

پسند نہیں آیا۔ وہ بے دلی سے وہاں بیٹھی بس حسن کا انتظار کرنے لگیں۔

امینہ کی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک انہوں نے دروازے سے حسن اور سیف کو آتے دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ فوراً اٹھ گئیں۔ داؤد نے ابرو بھینچ کر امینہ کو دیکھا پھر ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو خود بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ امینہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس کی طرف بڑھیں۔ اسکی آنکھیں نم ہو گئیں۔ انکے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئیں۔ حسن نے مسکرا کر انہیں گلے لگا لیا۔ سیف اس کا سامان کمرے میں رکھنے چلا گیا۔ جہانگیر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ تو ایسے مل رہی ہیں جیسے میں دس سال کے بعد آرہا ہوں، ابھی پچھلے سال تو آیا تھا۔" وہ ان سے الگ ہوتے ہوئے بولا اور پھر داؤد سے جا کر گلے ملا۔

"کیسا رہا سفر؟ تھک تو نہیں گئے؟" اس سے الگ ہو کر انھوں نے پوچھا۔

"تھک تو گیا ہوں۔ اور پھر اتنی راتیں سویا بھی نہیں۔"

"اپنا خیال رکھو بیٹا۔ ایک تو تم دونوں خود کا خیال نہیں رکھتے۔ اتنے بڑے ہو گئے ہو اور ابھی تم دونوں کی سرجری ہوئی ہے، لاپرواہی دیکھو۔" داؤد نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"بابا، میں اپنا خیال رکھ رہا ہوں۔ آپ لوگ خوامخواہ میری فکر کر رہے ہیں۔" وہ مسکرا کر کہتے ہوئے جہانگیر کے پاس گیا۔ جہانگیر نے اسے مضبوطی سے گلے لگایا۔

"تمہیں تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے؟" جہانگیر نے تفکر سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔ آپ کے لیے کچھ بھی بھائی۔" اس کی بات پر جہانگیر مسکرایا۔

"یہ تمہارے بال۔۔" امینہ نے اس کی بالوں کو دیکھا۔

"بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ کل پہلی فرصت میں یہ اپنے بال کٹوائے۔"

سیف لاونج میں آتے ہوئے بولا۔ اس کے بال اتنے لمبے تھے کہ اس نے پونی میں باندھا ہوا تھا۔

"بکواس نہیں کرو۔" حسن نے برا مانا۔

"تنگ نہیں کرو میرے بیٹے کو۔ حسن بیٹا تم جاؤ آرام کرو، تھک گئے ہوں گے نا۔ آج کے حوالے سے میں تم سے کل بات کروں گی۔" اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے پیار سے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے، پہلے جہانگیر بھائی اتنے سال دور رہے تو انہیں اتنا پیار ملا، پھر حسن بھائی دور رہے، ان کو بھی اتنی محبت مل رہی ہے، اس کے ساتھ ہی انہیں ایک لڑکی بھی ملی اور میں بیچارا۔" وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گیا اور ایک آہ بھرتے ہوئے بولا۔ اس کی بات سب ہنس پڑے۔

حسن اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جہانگیر مزید صبر نہ کر سکا، وہ باہر جانے ہی والا تھا کہ ماہ پارہ سامنے سے چلتی ہوئی آئی۔ اس پر جیسے راحت بھری سکون طاری ہوا۔ وہ آگے نہیں بڑھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ اسے اپنی ماں کے قہر سے نہیں بچائے گا اس لیے وہ خاموش کھڑا رہا۔ ایک بار تو اس کا دل چاہا کہ جا کر اسے گلے سے لگائے خود میں بھینچ لے لیکن اس کی ہر بار کی من مانی اور یوں خود کو لے کر لاپرواہ رہنا اسے روک رکھا تھا۔

"کہاں رہ گئی تھیں تم؟" سرد لہجے میں پوچھا۔ داؤد نے نفی میں سر ہلایا۔ اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ وہاں موجود نقوش میں سے صرف سیف مسکرایا تھا۔

"میں۔۔وہ میں۔۔۔۔"

"کیا میں میں لگا رکھا ہے۔ تمہیں اندازہ بھی ہے کہ مجھے سب کے سامنے کتنا شرمندہ ہونا پڑا؟ تم نے مجھے سب کے سامنے شرمندہ کیا، سب کی چھوڑو تم نے مجھے میری آپا کے سامنے بھی شرمندہ کر دیا۔" ناچاہتے ہوئے بھی ان آواز بلند ہوئیں۔ ماہ پارہ سہم کر پیچھے ہوئی۔ سیف کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اسے لگا ایک دو باتیں سنائیں گی اور پھر بس۔

ماہ پارہ نے ایک نظر بس جہانگیر کو دیکھا تھا جو اسے نظر انداز کیے سر جھکایا ہوا تھا۔ اس کا دل ڈوبا۔ کیا وہ ان سب کے سوالوں سے بچا کر اسے خود کے پیچھے نہیں چھپائے گا؟ جس طرح وہ ہمیشہ سے کرتے ہوئے آیا تھا۔

"اور جو کام میں نے تمہیں دیا تھا کرنے کو وہ تم نے میرے بیٹے سے کروایا؟ میرے پھول جیسے بیٹے سے، جس کو آج تک میں نے پانی کا ایک گلاس پانی اٹھانے نہیں دیا۔" ماہ پارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جہانگیر نے بھی سر اٹھا کر حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔(انہیں کیسے پتہ چلا؟) اس نے ماہ پارہ کو دیکھ کر سر دوبارہ جھکا لیا۔

وہ گھبراتی ہوئی گویا ہوئی۔"جی ایسا کچھ۔۔۔"

"خاموش رہو۔ جب میں بات کر رہی ہوں تو درمیان میں مت بولا کرو۔" انہوں نے طیش سے اس کی بات کاٹی۔

"رہنے دو ناں امینہ، بچی ہے آئندہ خیال رکھے گئی۔" ماہ پارہ داؤد کے بدلتے رویے سے دنگ رہ گئی۔ سیف اپنی جگہ سے اٹھ کر امینہ کے پاس آیا۔ جہانگیر نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔

"کیا رہنے دوں؟ کون بیوی اپنے شوہر پر ایسا ظلم کرتی ہے؟ اس نے میرے بیٹے پر کھانا بنوایا، گھر صاف کروایا، اس کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کرتی ہے اور آپ کہتے ہیں رہنے دوں؟" ان کی آواز غصے سے بھری ہوئی تھیں۔ ماہ پارہ کے آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔ جہانگیر نے لب کاٹتے اسے دیکھا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے جو اس وقت جہانگیر کو بہت تکلیف دے رہے تھے۔ اس نے بہت مشکل سے خود کو روکا ہوا تھا۔

"ممی پلیز آپ جائیں، اس وقت آپ غصے میں ہیں۔" سیف نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر پر سکون کرنا چاہا۔ ماہ پارہ کو جہانگیر پر غصہ آیا۔ وہ جان بوجھ کر تو اتنی دیر سے نہیں آئی تھی۔

امینہ ایک آخری نظر اس پر ڈال کر وہاں سے چلی گئیں۔ سیف کو دل سے ماہ پارہ کے لیے اس وقت برا لگ رہا تھا۔

"بیٹا تم بھی جاؤ، بہت دیر ہو چکی ہے۔ کل ہم اس بارے میں تفصیل سے بات کریں گے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور چلے گئے۔

اتنی مشکل سے جو آنسو اس نے روک رکھے تھے وہ اب اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ اسے امینہ کی باتوں سے برا نہیں لگا۔ اسے غصہ جہانگیر پر آیا تھا۔ ایک نظر بس اس نے جہانگیر کو دیکھا تھا اور جہانگیر کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں جھکڑ لیا ہو۔ کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں؟ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی کہ جہانگیر کی گھمبیر آواز گونجی۔

"ماہ پارہ؟" اس کے قدم رک گئے۔ اس نے سن کر بھی ان سنی کیا اور دوبارہ آگے بڑھنے لگی۔

"میں نے کہا رکو۔" اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ اس بار ماہ پارہ نے رک کر اسے بے یقینی سے دیکھا۔

"بھائی کیا ہو گیا ہے؟" سیف کو جہانگیر سے اس حرکت کی امید نہیں تھی۔ ماہ پارہ نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس سے اتنی اونچی آواز میں بات کرے گا۔

"آپ۔۔۔" جب اس نے کہنا شروع کیا تو اس کی آواز کانپنے لگی۔ "اس وقت تو مجھ سے بات کرنے کی کوشش بھی مت کریے گا۔" بے دردی سے اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنے گالوں سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ پیچھے مڑی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ خالی نظروں سے اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

سیف نے سر جھٹکا۔ وہ صوفے کی طرف بڑھا تو جہانگیر بھی ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے صوفے پر جا کر بیٹھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے بھائی؟"

"مجھ سے غلطی ہو گئی، اب کیا کروں؟" وہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ "صرف اونچی آواز پہ اس نے یہ رد عمل ظاہر کیا، اگر میں اسے ڈانٹتا تو؟ اب میں کیا کروں گا؟" صوفے سے پشت ٹکائے اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"بیوی سے ڈر لگتا ہے؟" سیف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس سے نہیں اس کی ناراضگی سے ڈر لگتا ہے۔" آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے سانس اندر کو کھینچا۔

"میرا کمرہ دستیاب ہے، آپ چاہیں تو ٹھہر سکتے ہیں۔" اس نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے ہی کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔"

"آپ اس کی ناراضگی ابھی دور کریں گے یا کل؟"

"کل ہی اس کی ناراضگی دور ہو گی، آج تو ممکن نہیں۔" وہ اداسی سے کہتا ہوا اٹھ گیا۔

وہ کمرے میں گیا تو ماہ پارہ بیڈ پر آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ جہانگیر خاموشی سے الماری کی طرف بڑھ گیا۔ کپڑے نکال کر واشروم گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آرام دہ لباس میں ملبوس باہر نکلا۔ اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور ماتھے پر بکھیر دیا۔ قمیض کی آستینوں کو کہنیوں تک لپیٹیں۔ اس نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ وہ اب بہتر لگ رہا تھا۔ وہ بستر کی طرف چل دیا۔ ایک گہری سانس لے کر وہ تکیہ درست کر کے لیٹ گیا۔

جیسے ہی وہ لیٹ گیا، ماہ پارہ نے اپنی آنکھوں سے بازو ہٹا لیے اور کروٹ بدل لی۔ جہانگیر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور پھر نہایت نرمی سے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ ماہ پارہ کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر اس کے دل میں درد کی ٹھیس اٹھی۔ ماہ پارہ نے استفہامیہ نظروں سے

اسے دیکھا۔ جہانگیر نے کچھ کہنے کے بجائے بہت نرمی اور پیار سے اسے اپنی طرف کھینچا۔ اس نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھا اور اس کے گرد بازوؤں کا حصار بنایا۔ گہری سانس لے کر وہ اس کی خوشبو سے خود کو سکون بخش رہا تھا۔

ماہ پارہ اس کی جرات پر ششدر رہ گئی۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ جہانگیر نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ جہانگیر کے دل کی دھڑکنیں باآسانی سن سکتی تھی۔ خاموش ساکن کمرے میں اس کی تیز چلتی سانسیں ماہ پارہ کو سکون بخش رہی تھی۔ ماہ پارہ نے چند لمحے بعد آنکھیں بند کر لیں۔ ان کا رشتہ ہی ایسا تھا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتے تھے، نہ ہی انہیں کچھ کہنے کی ضرورت تھی۔ انکی ناراضگی
ختم ہونے کے لیے کسی الفاظ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

☆...☆...☆

صبح سورج کی کرنیں ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ ماہ پارہ صبح فجر سے ہی جاگی ہوئی تھی۔ وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ جہانگیر ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ کل کافی تھک چکا تھا۔ ماہ پارہ برش رکھ کر اب بالوں کی چوٹیاں بنا رہی تھی۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی نیچے جانے کی۔ جہانگیر ساتھ ہو تو اسے پھر بھی سکون رہتا لیکن کل رات کو اس کا خاموش رہنا اسے بہت برا لگا تھا۔

چوٹیاں بنانے کے بعد وہ وہ ملحقہ سٹڈی روم میں چلی گئی۔ کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے اس کی نظر ایک شیلف پر پڑی۔

وہ شیلف جس سے کچھ سال پہلے جہانگیر نے اسے کسی بھی کتاب کو ہاتھ لگانے سے منع کیا تھا۔ وہ جا کر اس شیلف کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہاں نان فکشن کتابیں رکھی تھیں۔ ماہ پارہ نے بے دلی سے ایک ایک کتاب اٹھا کر واپس رکھی۔ انہیں کتابوں میں سے اسے چند رسالے ملے۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ خوشی سے رسالہ لے کر جہانگیر کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

جتنی دیر ماہ پارہ رسالہ پڑھ رہی تھی، اتنی دیر میں جہانگیر اٹھ کر فریش ہو گیا تھا۔ وہ تولیے سے سر رگڑتا ہوا واش روم سے نکل گیا۔ اس نے گیلے بال ماتھے پر بکھیر دیے۔ پہلے تو وہ ماہ پارہ کو ڈھونڈنے نیچے جا رہا تھا لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ کل رات جو کچھ ہوا اس کے بعد وہ کبھی بھی اکیلی تو نہیں جائے گی۔ وہ اسٹڈی روم کی طرف چل دیا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر ماہ پارہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے مقابل کرسی کو کھینچ کر بیٹھا۔

"ناراض ہو؟" اس نے کہنیاں میز پر رکھ کر ہتھیلیاں باہم پھنسائے پوچھا۔ جس طرح دس سال پہلے ماہ پارہ اس

کی جگہ پر بیٹھی ہوئی یہیں سوال کر رہی تھی۔ ماہ پارہ سر جھکا کر دوبارہ رسالہ پڑھنے لگی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم ناراض ہو؟" وہ پیچھے ہو کر بیٹھا۔ ماہ پارہ نے سر نفی میں ہلایا۔ "تو پھر بات کیوں نہیں کر رہی؟"

"میری مرضی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھی۔ رسالہ واپس اس کی جگہ پر جا کر رکھا۔

جہانگیر چلتا ہوا اس کے پاس گیا۔ ماہ پارہ رسالہ رکھ کر پلٹی تو ڈر کر ایک قدم پیچھے کو ہٹی۔ اس کی پشت شیلف سے جا لگی۔ جہانگیر نے اس کے دائیں بائیں اپنا ہاتھ رکھا۔

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا۔ "جب بھی میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں، ایسا لگتا ہے جیسے میرے ارد گرد کا سارا منظر دھندلا گیا ہو۔" ماہ پارہ سانس روکے ہوئے اسے سننے لگی۔

"اور پھر جب جب ان آنکھوں کو دیکھتا ہوں تو میں ہمیشہ خود کو ان میں کھویا ہوا پاتا ہوں۔ تمہاری آنکھوں نے مجھ پر جادو کر دیا یار۔" وہ مخمور لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ بات جو اس نے دس سالوں میں ایک بار بھی ماہ پارہ سے نہیں کہی تھی، آج اس نے وہ بات کہہ دی تھی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے۔ اس کے اس طرح کے اظہار پر ماہ پارہ دم بخود رہ گئی۔

"فلرٹ کر رہے ہیں؟" اسے اپنی تعریف کے جواب پر یہ سن کر بے اختیار ہنسی آئی۔

"بیوی سے کون فلرٹ کرتا ہے یار؟"

"پیچھے ہٹیں، ایک تو آپ دور سے بات نہیں کر سکتے کیا؟"اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے جہانگیر کو پیچھے کرنے کی کشش کی۔

"میری عمر ہو گئی ہے نا، آواز دور سے سنائی نہیں دیتی۔"ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہوتے ہوئے بولا۔

"کوئی بات نہیں میں اونچا بول لیا کروں گی، بس آپ پیچھے رہ کر بات کیا کریں۔"

"ناشتہ کرنے چلیں؟ مجھے بھوک لگ رہی ہے اور پھر تم نے رات کو کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔"اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ تھامے کمرے سے نکل گیا۔

وہ دونوں ڈائنگ ٹیبل کے پاس گئے تو وہاں پہلے سے ہی سب موجود تھے۔ انہوں نے ابھی ناشتہ شروع کیا تھا۔ جہانگیر کرسی کھینچ کر ماہ پارہ کو بیٹھا کر خود اس کے پاس والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے امینہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ماہ نے سر جھکا لیا۔ سیف اور جہانگیر اشاروں میں ہی ایک دوسرے کے سوالوں کا جواب دے رہے تھے۔ حسن بھی کمرے سے نکل کر ان کے ساتھ آ کر بیٹھا۔ سب خاموشی سے ناشتہ کر رہے تھے۔

"حسن کا نکاح اس جمعہ کو ہو گا۔ اس کے بعد جہانگیر اور حسن کا ولیمہ ایک ہی دن رکھیں گے۔"چند لمحوں کی خاموشی کے بعد امینہ نے کہا۔ حسن نے چونک کر امینہ کی طرف دیکھا۔ جہانگیر بھی چونک گیا۔ ان دونوں کے برعکس ماہ پارہ نارمل تھی۔

"ممی میں نے صرف نکاح کے لیے ہاں کہا تھا۔ولیمہ ابھی رہنے دیں نا۔" حسن نے بے بسی ظاہر کیا۔

"کیوں؟ تم نے عمر دیکھی ہے اپنی۔ تم دونوں کے علاوہ بھی ہمارے بچے ہیں۔ان کی شادی بھی تو کروانی ہے۔" ان کی بات پر سیف مسکرایا۔اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے تمہاری ماں۔ جلد یا بدیر شادی تو کرنی ہے۔" داؤد نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"ماں سا آپ پہلے کہہ دیتی۔ میں تو آج رات کے فلائٹ سے دوسرے شہر جا رہا ہوں۔ سارا انتظام آپ لوگوں کو ہی دیکھنا پڑے گا۔ مجھے پتا ہوتا کہ آپ نکاح اتنی جلدی کروا رہی ہیں تو میں جاتا ہی نہیں۔" یہ کہتے ہوئے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔ماہ پارہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں یک دم خفگی در آئیں۔

"کیوں خیریت؟" داؤد نے پوچھا۔

"جی بابا، وہ ایک دوست کا مسئلہ ہو گیا ہے۔اس کا کیس لڑنا ہے۔"

"بھائی میں چلا جاتا ہوں آپ کی جگہ۔" سیف نے کہا۔

"میں تمہیں ضرور بھیج دیتا لیکن مسئلہ یہ ہے جس کا میں کیس لڑ رہا ہوں وہ میرا دوست ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اس کا کیس لڑوں۔ میں اس میں اب کیا کر سکتا ہوں۔" جہانگیر نے کندھے اچکائے۔

ماہ پارہ اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر کو معلوم تھا کہ وہ اسے ہی دیکھ رہی ہے اس لیے اس نے ماہ پارہ سے نظریں ملانے کی غلطی بھی نہیں کی۔

"واپسی کب تک ہے؟" حسن نے پوچھا۔

"تمہارے نکاح سے پہلے ہی آؤں گا۔" جہانگیر نے جواب دیا۔ حسن نے "اوکے" کہہ کر جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔ ماہ پارہ خاموش تھی۔ اس نے ناشتے سے ہاتھ اٹھالیا تھا۔ داؤد اٹھ کر فیکٹری کے لیے نکل گئے۔

"ماہ پارہ! رامین اور رنزہ کو ذرا جگادو۔ ان سے کہوں آکر ناشتہ کریں۔" جہانگیر نے اس کی مسلسل نظریں خود پر محسوس کرتے ہوئے کہا، ماہ پارہ نے اسے گھوری سے نوازا اور وہاں سے اٹھ کر رنزہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔

ماہ پارہ کے جانے کے بعد امینہ جہانگیر سے گویا ہوئیں۔

"جہانگیر اپنی بیوی سے کہہ دینا کہ آج وہ کہیں نا جائے۔مجھے ذرا اس سے کام ہے۔" جہانگیر نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں گئیں۔

"ممی کو کیا ہوا؟" حسن نے تعجب سے پوچھا۔ان کا رویہ بدلہ بدلہ لگ رہا تھا۔

"آپ کو نہیں پتا؟" اس سے پہلے جہانگیر کہتا سیف ڈرامائی انداز میں بولا۔"کل کیا کلاس لگی ہے ماہ پارہ۔۔بھائی وہ کل نا ممی کو تھوڑا سا غصہ آگیا تھا بس۔" وہ پھر سے جہانگیر کی سخت گھوری کا شکار ہو گیا تھا۔

"تمہاری مصروالی گرل فرینڈ کا کیا بنا، حسن؟" جہانگیر نے سیف سے نظریں ہٹا کر حسن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"طلاق دے دی۔۔۔۔آآآ۔۔۔میرا مطلب ہے بریک اپ بھائی۔" اس نے اپنا ماتھا پیٹنا چاہا۔ سیف کا زوردار قہقہ گونجا تھا۔جہانگیر کے لبوں پر ہنسی آتے آتے رک گئی۔اس اچانک رفتار پر وہ بیچارا بوکھلا گیا تھا۔

" گرل فرینڈ کو طلاق؟ بھائی آپ۔۔۔" سیف ایک بار پھر ہنسا۔اس وقت وہ حسن جو سخت زہر لگ رہا تھا۔

"سیف بند کرو اپنی ہنسی۔ سخت زہر لگ رہے ہو اس وقت۔" حسن نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

جہانگیر نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

"تمہارے یہاں شاید گرل فرینڈ کو طلاق دی جاتی ہے اور بیوی سے بریک اپ کیا جاتا ہے؟" اور یہ ایک اور بات تھی جس پر سیف کا ایک بار پھر قہقہہ گونجا۔

"سیف اگر تم اب ہنسے تو میں تمہاری شادی سے پہلے ہی تمہیں طلاق دلواؤں گا۔" حسن اس کی ہنسی سے جھنجھلا گیا تھا۔

اس کی ہنسی کو ایک دم سے بریک لگی۔ "استغفر اللہ۔ جائیں بھئی نہیں ہنستا۔" خفگی سے بڑبڑاتے ہوئے وہ اٹھ کر چلا گیا۔ حسن نے جیسے سکون کا سانس لیا۔

"جی سب پتا چل گیا مجھے۔" اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہا۔

"یہ سب آپ کی بیوی نے کہا تھا مجھے کرنے کو۔" حسن نے وضاحت دینی چاہی۔

"جی یہ بھی معلوم ہے مجھے۔ اب تم آرام ہی کرنا۔ میں نہیں چاہتا تمہاری طبیعت ذرا سی بھی خراب ہو۔" جہانگیر نے اسے ہدایت دی اور اٹھ کر کمرے میں گیا۔ اسے اپنا سامان بھی پیک کرنا تھا۔

رنزہ کا رویہ اب ماہ پارہ کے ساتھ تھوڑا بہتر ہو رہا تھا۔ ماہ پارہ رامین اور رنزہ کو ناشتہ کروانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی۔ جہانگیر کو سامان پیک کرتے ہوئے دیکھ کر اسے برا لگا۔ وہ دو دن کے لیے جا

رہا تھا لیکن ماہ پارہ کو ان چند دنوں میں اس کی عادت ہو گئی تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی ایک آنسو ٹوٹ کر اس کے گال پر پھسلا۔

"میں اکیلی یہاں کیسے رہوں گی؟" اس نے ٹرانس کی کیفیت میں کہا تھا۔ جہانگیر نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا تو ٹھہر گیا۔

"اکیلی تو نہیں ہو۔ سب ہیں تو۔" جہانگیر نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔

"پر آپ تو نہیں ہوں گے۔"

"میری موجودگی میں تو دور بھاگتی ہو اور غیر موجودگی میں مجھے یاد کرو گی۔ عجیب بات ہے۔" جہانگیر نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے دو پرفیوم کی بوتلیں اٹھائیں اور ان میں سے ایک بیگ میں رکھ دی۔

ماہ پارہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔

"دو دن کی بات ہے۔ میں جب واپس آؤں گا تو تب ہم ایک بار پھر رات کو شہر میں گھومنے جائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور بیگ کی زپ بند کر دی۔ ماہ پارہ اب بھی خاموش تھی۔ جہانگیر نے اسے دیکھا پھر گہری سانس لے کر اس کے پاس گیا۔

"اور اگر آنٹی نے مجھے پھر سے کچھ کہا تو؟"

"نہیں کہیں گی کچھ۔۔۔اور اگر کہہ بھی دیا تو ماں سمجھ کر در گزر کر دیا کرو۔" وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

"میں انہیں ماں ہی سمجھتی ہوں۔بس اچھا نہیں لگتا جب وہ مجھ پر غصہ کرتی ہیں۔" اس نے نظریں جھکا کر ناک سکوڑ کر کہا۔

"تو پھر میری طرح ماں سا کہہ دیا کرو ان کو، پھر دیکھنا کچھ نہیں کہیں گی۔" جہانگیر کے کہنے پر ماہ پارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆...☆...☆

نکاح سے ایک رات پہلے۔

ان چند دنوں میں ماہ پارہ نے جہانگیر کو بہت یاد کیا تھا۔اسے بہت شدت سے جہانگیر کی یاد آتی تھی۔دو دن کا کہہ کر اس نے تین دن گزار دیے۔آج چوتھا دن تھا اور وہ آج بھی کہیں دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔

آج ڈھولکی لڑکیوں کے کہنے پر رکھی گئی تھی۔گھر کو ہلکے پھلکے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔اس وقت گھر میں صرف عورتوں کا ہجوم تھا۔ماہ پارہ رامین کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔رامین خوشی خوشی اپنے ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی۔رنزا بھی اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔دونوں باتیں کرتے ہوئے

ہنس ہنس کر مہندی لگوا رہی تھیں۔ رامین کی اچھی خاصی دوستی رنزہ سے ہوئی تھی۔ امینہ کا رویہ اب ماہ پارہ کے ساتھ بہتر تھا۔

ماہ پارہ فیروزی رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔ بالوں کو جوڑے میں باندھا ہوا تھا جس کی نکلتی لٹیں گالوں کو چھو رہی تھیں۔ زیور کے نام پر ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن رکھے تھے۔ امینہ نے بس صرف کنگن پہننے کو کہا تو ماہ پارہ انکار نہیں کر سکی۔ اس کی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بے صبری سے جہانگیر کا انتظار کر رہی تھی۔

"مہندی لگوانی ہے؟" مہندی والی نے ماہ پارہ سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ہتھیلیاں اس کے سامنے پیش کیں۔

ڈھولکی کا شور، لڑکیوں کا ہنس ہنس کر مہندی لگوانا اور کھانوں کی مہک نے گھر کا الگ ہی ماحول بنا رکھا تھا۔ سیف اور حسن، داؤد کے ساتھ اس وقت مہمان کمرے میں مردوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ امینہ نے جن سے ماہ پارہ کو نہیں ملوایا تھا ان سب سے اسے ملوانے لگی تھیں۔

"آپی کل ماما بابا آجائیں گے نا؟" رامین نے ماہ پارہ کے سامنے کھڑی ہو کر استفسار کیا۔

"جی انہوں نے کہا تو ہے۔"

"آپی پلیز انہیں مزید ایک ہفتے رکنا کا کہیے گا۔" رامین نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

ماہ پارہ مسکرائی۔"ظاہر ہے میری جان، اگلے ہفتے ہمارا ولیمہ ہے۔"

"میں مہندی دھولوں؟"اس نے اپنے مہندی لگے ہاتھوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں دھولو۔"اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔مہندی کافی حد تک خشک ہو گئی تھی۔

"آپی آپ نے صرف ہتھیلی پر مہندی کیوں لگوائی ہے؟"

"کیونکہ جہانگیر نے ایسا کہا تھا۔"وہ مسکرائی۔

"اوہ تبھی تو۔۔"رامین نے شرارت سے مزید کچھ کہنا چاہا کہ ماہ پارہ نے اسے آنکھیں دیکھائیں۔

"اچھا آپی میں جاتی ہوں،رنزہ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔"وہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ماہ پارہ نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

رات گزر گئی۔لڑکیاں مہندی لگوائے کھانا کھا کر اپنے کمروں میں چلی گئی تھیں۔کل صبح جلدی جاگنا بھی تھا۔اس وقت سب تھک کر سو گئے تھے۔کل نکاح کا دن تھا اور اس میں صرف خاص اور قریبی لوگوں کو بلوایا گیا تھا۔کچھ مہمان ان کے یہاں ایک دن پہلے ہی ٹھہرنے آ گئے تھے۔

ماہ پارہ صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے جہانگیر کا انتظار کر رہی تھی۔اسے یوں ہی بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی تھی۔اسے پتا ہی نہیں چلا کب وہ ایسے ہی سو گئی۔اس کے ہاتھوں کی مہندی خشک تھی لیکن اس نے مہندی نہیں دھویا۔

چند لمحوں بعد جہانگیر گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔اس کا سامان گاڑی میں رکھا ہوا تھا۔ وہ اس وقت بہت رف حلیے میں تھا۔شرٹ کے آستینیں کو اوپر چڑھاتے ہوئے اس نے سامنے

دیکھاتو ٹھہر گیا۔آئیبرواچکائے اس نے حیرانی سے ماہ پارہ کو دیکھا تھا۔وہ اتنی رات کو یہاں یوں اکیلے سورہی تھی۔

وہ صوفے کی طرف چل دیا۔اسے سرتاپیر دیکھا۔(میری موجودگی میں تو ایسے تیار نہیں ہوتی۔ ہونہہ)اس نے دل میں سوچا تھا یہ جانے بغیر کہ اسے سجنے سنورنے سے اسی نے ہی منع کیا ہوا ہے۔

اس کے قریب بیٹھ کر وہ اس کے کان میں جھکا تھا۔

"ماہ پارہ اٹھ جاؤ، میں آگیا ہوں۔"اس نے مدھم آواز میں سرگوشی کی۔

وہ ہلکا سا کسمسائی۔جہانگیر کے چہرے پر تبسم ابھرا۔

اس کے مہندی والے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا۔اپنے ناک کے قریب کر کے آنکھیں بند کیے اس نے گہری سانس اندر کو کھینچا۔آنکھیں کھول کر وہ اس کی مہندی کو بغور دیکھنے لگا۔اس کے ہاتھوں پر لگی مہندی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

ماہ پارہ نے اُدھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔اسے لگا یہ اس کا کوئی خواب ہوگا۔وہ ہلکا سا مسکرا کر دوبارہ آنکھیں بند کر گئیں۔جہانگیر بے ساختہ دبی آواز میں ہنسا۔اس کی ہنستی ہوئی آواز سن کر ماہ پارہ نے اچانک آنکھیں کھول دیں۔وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آپ آ گئے؟" وہ چونک کر بولی۔اس کا خیال تھا کہ وہ آج نہیں آئے گا۔

"زیادہ دن تک دور رہ کر اپنی بیوی کو ناراض تو نہیں کر سکتا تھا نا۔" جہانگیر کے بات پر ماہ پارہ جھینپ گئی۔اس کا ہاتھ ہنوز جہانگیر کے ہاتھ میں تھا۔

"اگر میری ناراضگی کی فکر ہوتی تو دو دن کا کہہ کر آپ دو دن میں ہی آجاتے۔آنے میں چار دن نہیں لگاتے۔پتا نہیں کونسی بیوی شہر میں رہنے لگی ہے جس سے ملنے گئے تھے آپ۔" وہ شکوہ کرتی ہوئی ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن بے سود۔

جہانگیر کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا اس کی بات سن کر۔اس نے بے خبری میں نہ جانے کیا کہا تھا۔

"لڑنے کا دل چاہ رہا ہے؟"

"آپ مجھے لڑاکو کہہ رہے ہیں؟" وہ منہ پھلائے سر جھکا گئی تھی۔اس کی اس حرکت پر جہانگیر محفوظ ہوا۔

وہ نرمی سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ماہ پارہ کو لگا وہ اس سے ناراض ہو گیا ہے لیکن اگلے ہی لمحے جہانگیر نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پیش کی۔ماہ پارہ نے جھجکتے ہوئے اس کی ہتھیلی پر ہاتھ رکھا اور اٹھ گئی۔

"مہندی دھو کر سو جاؤ صبح جلدی بھی اٹھنا ہے۔" ماہ پارہ اس کی بات ہر سر جھٹک کر رہ گئی۔

☆...☆...☆

سنگھار میز کے سامنے کھڑی ماہ پارہ نے آخری بار آئینے میں خود کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔وہ سرمئی رنگ کے سلک کا مدار لباس میں ملبوس تھی۔آج اس کے آدھے بال کیچر میں بندھے ہوئے تھے۔جہانگیر سرمئی رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔حسبِ معمول اس نے آستینیں کہنی تک لپٹی ہوئی تھیں۔وہ سنگھار میز تک آیا۔ماہ پارہ پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے بال ہاتھ سے ماتھے پر بکھر دیے۔ماہ پارہ نے اس کی اس حرکت پر آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا۔

جہانگیر اسے نظر انداز کیے اپنے کام پہ لگا ہوا تھا۔اس نے دراز کھولی،اس کے اندر سے اپنا پسندیدہ پرفیوم اٹھایا اور ڈھکن کھول کر اس نے خود پر پرفیوم چھڑکا۔اس کی خوشبو اتنی اچھی تھی کہ ہر گزرتا انسان آنکھ بند کر کے اس کے خوشبو کو اپنے اندر اتارتا تھا۔اس سے پہلے جہانگیر ایک بار پھر اپنے اوپر پرفیوم چھڑکتا،ماہ پارہ نے مڑ کر اس کے ہاتھ سے پرفیوم چھین لیا۔

"بس کریں جہانگیر۔"

"میں نے کیا کیا؟"وہ معصومیت سے بولا۔

"سب سمجھتی ہوں میں۔یہ آپ اتنا تیار کس لیے ہو رہے ہیں۔"اس نے ناراضگی سے کہہ کر رخ پھیر لیا۔

"میں تو تمہارے لیے تیار ہو رہا ہوں۔ میرے بالوں کو دیکھو، تمہیں اس طرح پسند ہے نا۔" وہ اس کو اپنے

حصار میں لیے بولا۔

"کس نے کہا ہے یہ آپ کو؟"

"کہنے کی ضرورت نہیں میں سب سمجھ جاتا ہوں۔"

"ہٹیں اب بھابھی نے کہا تھا تیار ہو کر فوراً ان کے کمرے میں آ جاؤں۔" وہ اس سے دور ہوتے ہوئے بولی۔ (یاسمین اور حیدر صبح کی فلائٹ سے ہی آ گئے تھے)۔

ماہ پارہ کمرے سے نکل کر یاسمین کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"بھابھی کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" اس کے پوچھنے پر یاسمین نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے ہے آپی۔ یہ دیکھیں نا دوپٹہ سیٹ نہیں ہو رہا ہے۔" وہ واشروم سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"رکو میں کچھ کرتی ہوں۔" وہ اس کا دوپٹہ سیٹ کرنے لگی۔ یاسمین تیار تھی تو نیچے چلی گئی۔ اس کے جانے کے پانچ منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ ماہ پارہ نے اندر آنے کو کہا۔ رنزا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"آپ کو ممی دولہن کے کمرے میں بلا رہی ہیں۔"

"تم جاؤ میں بس اس کا دوپٹہ سیٹ کر کے آتی ہوں۔" ماہ پارہ نے مسکرا کر کہا۔

"آپ چھوڑیں میں دیکھتی ہوں۔ مجھے آتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی۔ ماہ پارہ وہاں سے چلی گئی۔

نکاح کا وقت شروع ہو گیا تھا۔ ماہ پارہ دولہن کو ساتھ لے کر نیچے آ رہی تھی۔ حسن کا نکاح امینہ کی بڑی بہن کی چھوٹی بیٹی کے ساتھ طے ہوا تھا۔ حسن کو کوئی اعتراض نہیں تھا کہ امینہ اس کا رشتہ کب اور کس کے ساتھ کرنا چاہتی ہیں۔ حویلی کو آج بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ جہانگیر کے وقت جو قصر رہ گئی تھی امینہ وہ سب حسن کے وقت پورا کر رہی تھیں۔

لاؤنج کے وسط میں دو کرسیاں آمنے سامنے رکھی تھیں۔ درمیان میں سرخ اور سفید پھولوں سے بنی چادر لگائی گئی

تھی۔ پورے گھر کو سفید اور سرخ گلابوں سے خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ نکاح میں زیادہ لوگوں کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے لاؤنج میں لوگوں کا ہجوم کم تھا۔ ذوالقرنین تھوڑے مصروف تھے تو وہ نہیں آئے لیکن انہوں نے زائشا کو زبردستی بھیج دیا۔ حسن دائیں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ماہ پارہ نے دلہن کو حسن کے سامنے کرسی پر بٹھا دیا۔ اس نے حورین کے کندھے پر دباؤ ڈالا گویا اسے تسلی دینا چاہتی ہو۔

ماہ پارہ نے زائیشا کو دیکھا تھا جس کی نظریں ایک پل بھی جہانگیر سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔اس نے صبر کا گھونٹ پی کر سر جھٹکا۔جہانگیر کو کوئی بھی دیکھ لے اس سے ماہ پارہ کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ماہ پارہ کے لیے یہ اہم تھا کہ وہ کس کو دیکھ رہا ہے۔رامین اور رنزہ بھی آچکی تھیں۔وہ دونوں یاسمین کے ساتھ جا کر کھڑی ہو گئیں۔حیدر، داؤد اور سیف کے ساتھ کھڑا تھا۔جہانگیر ان سب سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔

حسن نے سفید دلہن کے لباس میں ملبوس لڑکی کو دیکھنے کے لیے نظر اٹھا کر دیکھا۔پردے کی دوسری طرف بیٹھی دلہن کا چہرہ گھونگھٹ سے ڈھکا ہوا تھا،اس لیے اس کا چہرہ تو نظر نہیں آرہا تھا، لیکن اس کے لرزتے ہاتھ صاف دکھائی دے رہے تھے۔اس نے نظریں واپس جھکا لیں۔امینہ حورین کی دائیں جبکہ عدیلہ حورین کی بائیں جانب جا کر کھڑی ہوئیں۔ماہ پارہ وہاں سے ہٹ کر جہانگیر کے تھوڑے فاصلے پر جا کر کھڑی ہوئی تھی،اتنا کہ اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے بات کرے تو آواز باآسانی سنائی دے۔قاضی صاحب نے نکاح کے کلمات شروع کر دیے تھے۔

"ہم بھی دوبارہ نکاح کریں؟"جہانگیر دھیمی آواز میں آگے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جہانگیر جگہ اور وقت دیکھ لیا کریں۔یہ مذاق کا وقت ہے؟"ماہ پارہ نے دانت پیستے ہوئے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمارے نکاح کے وقت یہ سب نہیں تھا نا۔تبھی کہہ رہا ہوں دوبارہ نکاح کر لیتے ہیں۔"

"ہمارے نکاح کے وقت حالات بھی ایسے نہیں تھے کہ یہ سب کرتے۔" ماہ پارہ نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ جہانگیر نے اسے دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

حسن اور حورین کا نکاح ہو چکا تھا۔ دونوں نے نکاح نامے پر دستخط کر دیئے۔ سب خوشی سے ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ جہانگیر حسن کے پاس گیا اور اسے گلے لگالیا۔ حسن سب سے خوشی سے گلے مل رہا تھا۔ ماہ پارہ دولہن کے پاس گئی تھی۔ نکاح کی تقریب اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔ عدیلہ بیگم اپنی بیٹی کے ساتھ واپس چلی گئی تھیں۔ دو دن بعد ان چاروں کا ولیمہ تھا۔

☆...☆...☆

"جہانگیر میں سوچ رہی تھی کہ کل اسکول میں فری چیک اپ کیمپ کا اہتمام کروں۔" وہ بیڈ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"ہوں۔" یک لفظی جواب آیا۔ وہ تھکا ہوا تھا اور سونے کے ارادے سے لیٹا تھا مگر ماہ پارہ کی باتوں نے اسے سونے نہیں دیا۔

"میں جب سے آئی ہوں مجھے تو بچوں پر دھیان دینے کا ٹھیک سے وقت بھی نہیں ملا۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں، ابھی پوری زندگی خدمتیں کرنے کو باقی ہے۔" وہ اس کی طرف کروٹ لے کر نیند سے بوجھل آواز میں بولا۔

"لیکن جہانگیر اگر کوئی کلینک یا حویلی نہ آسکا تب ہم کیا کریں؟" ایک نئی پریشانی نے اسے گھیر لیا۔

"اس کے بارے میں پھر کبھی سوچیں گے۔" اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ماہ پارہ نے اس کی طرف دیکھا پھر چراغ کی واحد بتی بجھا دی اور خود کمبل اوڑھ کر سو گئی۔

☆...☆...☆

صبح معمول کے مطابق جلد ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ چند لمحے چھت کو گھور کر دیکھنے کے بعد وہ بستر سے نکل کر الماری کے پاس گئی۔ کپڑے نکال کر وہ واشروم چلی گئی۔ آج اسے اسکول میں فری چیک اپ کیمپ کا اہتمام کرنا تھا۔ وہ بہت دنوں سے سوچ رہی تھی لیکن موقع نہیں ملا تھا۔ وہ نہا کر نکلی تو جہانگیر کو ابھی تک سوتا پا کر اس کی طرف بڑھی۔

"جہانگیر اٹھ جائیں نا آج ہمیں اسکول جانا تھا۔" ماہ پارہ نے اس کا کندھا ذرا سا ہلایا۔

"ہوں۔" وہ جاگ رہا تھا، بس آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھا۔

ماہ پارہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنے بالوں پر برش پھیر رہی تھی۔جب وہ پوری طرح تیار ہو گئی تو جہانگیر فریش ہو کر واش روم سے نکل گیا۔وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال رہا تھا جب ماہ پارہ اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہوئی۔

"ناشتہ بنا دوں؟"ماہ پارہ نے پوچھا۔

"تمہیں ناشتہ بنانا آتا ہے؟"وہ چونک کر پیچھے مڑ گیا۔اس کے لہجے میں کوئی طنز نہیں تھا۔

"ممی نے سکھایا تھا۔کہہ رہی تھیں کہ اگر شوہر کو خوش کرنا ہے تو اسے اچھا اچھا کھانا پکا کر کھلانا ہو گا۔"وہ مسکراہٹ دبائے گویا ہوئی۔

"اچھا؟مجھے خوش کرنے کے لیے تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔"تم بس اپنا خیال رکھو اور اپنی طرف توجہ دو۔یہی میرے لیے سب سے خوشی کی بات ہو گی۔"ماہ پارہ کھلکھلا کر مسکرائی۔

"تو پھر ناشتہ رہنے دوں؟"

اس نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔"ناشتہ پیٹ بھرنے کے لیے بناؤ،مجھے خوش کرنے کے لیے نہیں۔"

وہ اس کے لیے ناشتہ بنانے کے لیے مسکراتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

☆...☆...☆

کیمپ کا اہتمام ماہ پارہ نے ایک بڑے خیمے کو عارضی طبّی کلینک میں تبدیل کر دیا تھا۔ اندر چیک اپ کی ہر سر گرمی کے لیے مختلف حصے مختص کیے گئے تھے۔ جہانگیر یہ سب بندوبست کر کے فیکٹری چلا گیا تھا۔ ماہ پارہ کے ساتھ چند اور لوگ بھی موجود تھے۔ وہ بچوں کا چیک اپ کر رہی تھی۔ وہ لڑکیاں یہ سب پہلی بار ہوتا دیکھ رہی تھیں۔ ان کو خوش رکھنے کے لیے ماہ پارہ نے کھلونوں اور گیمز کے ساتھ ایک پلے ایریا بھی بنایا تھا۔

وہ باری باری بچوں کا چیک اپ کر رہی تھی۔ ان سب بچوں کا نام لکھ کر انہیں کس چیز کی ضرورت ہے، وہ کس چیز کا خیال رکھیں، وہ ایک جگہ ان کے ناموں کے ساتھ سب لکھ رہی تھی۔ ماہ پارا وہاں موجود تمام والدین کو بتا رہی تھی کہ ان کا ہر ماہ مفت چیک اپ ہو گا۔ اس کے علاوہ بھی انہیں جب بھی کسی ڈاکٹر کو دیکھانا ہو تو وہ اس کے پاس لا سکتے ہیں۔ ان کے والدین کے چہرے خوشی سے معمور تھے۔ وہ آج اپنے فیصلے سے مطمئن تھے۔

ماہ پارہ کو یقین تھا کہ جو والدین ابھی تک اپنی لڑکیوں کو اسکول نہیں بھیج رہے تھے وہ بھی اس خبر کے بعد مطمئن ہو جائیں گے۔ وہ ہر بچے کے والدین سے الگ الگ مل رہی تھی۔ وہ ابھی بھی ایک بچی کے والدین سے گفتگو میں محو تھی کہ جب میرب اور کبیر بھاگتے ہوئے اس سے آ کر لگے۔ ماہ

پارہ نے ان سے معذرت کیا اور نرمی سے میرب اور کبیر کو خود سے دور کیا اور نیچے پنجوں کے بل بیٹھ گئی۔ وہ ان دونوں کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئی۔

"کیسے ہیں میرے بچے؟"

"پھوپھو آپ اس دن کے بعد سے ہمارے گھر نہیں آئیں۔ میں آپ سے ناراض ہوں۔" میرب نے سینے پر بازو

باندھتے ہوئے کہا۔

"ہاں اور آپ نے ہمیں چاکلیٹ بھی نہیں دیا۔" کبیر نے بھی میرب کے انداز میں کہا۔ کیمپ کے بارے میں سن کر اس نے بھی آنے کی ضد کی۔

"پھوپھو کو معاف کر دو، پھپھو مصروف رہتی ہے نا۔ پھوپھو ملنے بھی آئیں گی اور دونوں کو چاکلیٹس بھی لا کر دیں گی۔" ماہ پارہ نے ان دونوں کے گالوں کو باری باری چوما۔

"اب پھوپھو باقی بچوں کا چیک اپ کریں؟ آپ دونوں کا میں سب سے آخر میں کروں گی اوکے؟" دونوں نے اثبات میں سر کو ہلایا۔ "تب تک آپ دونوں جا کر کھیلو۔" وہ مسکرا کر کہتی ہوئی اٹھی۔

وہ چیک اپ سے فارغ ہوئی تو میرب اور کبیر کو ساتھ لیے ان کے گھر چلی گئی۔ راستے میں وہ دونوں اس سے باتیں کررہے تھے۔ ماہ پارہ دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ ان کے عجیب سوالوں کا جواب دیتی اور پھر ان کے غیر منطقی باتوں پر ہنستی۔ جیسے تیسے کر کے وہ گھر پہنچ چکے تھے۔

"ماہ پارہ کیا سرپرائز دیا ہے تم نے۔" ہریرہ نے دروازہ کھولتے ہی اس سے گلے لگالیا۔ بچے دوڑتے ہوئے اندر چلے گئے تھے۔ "کیا تم شادی شدہ زندگی میں اتنی مصروف ہو کہ دو منٹ کے لیے بھی نہیں آسکتی؟" ہریرہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

وہ اس سے الگ ہوئی۔ "ایسی بات نہیں ہے۔" اسے سائیڈ میں کرتی ہوئی وہ اندر چلی گئی۔

نورافزا صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ بھاگنے کے انداز میں ان تک گئی۔ اسے دیکھ کر وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھیں۔ ماہ پارہ نے سلام کیا اور انہیں گلے لگا کر آنکھیں بند کیں۔ چند لمحے یوں ہی گلے لگائے رکھنے کے بعد وہ ان سے الگ ہوئی۔

"اماں کیسی ہیں آپ؟"

"اگر اماں کی فکر ہوتی تو تم ہفتے میں ایک دو بار چکر لگالیتی۔" وہ آزاردگی سے کہہ کر واپس چارپائی پر بیٹھیں اور ماہ پاہ کو پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اماں میں مصروف نہ ہوتی تو ضرور آتی۔ ابھی بھی مجھے واپس حویلی جانا ہے۔ پرسوں ولیمہ ہے آپ لوگوں کو مدعو کرنے آئی تھی۔" یہ کہہ کر اس نے ہریرہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیا۔

"محترمہ یہ بات تم ابھی بتا رہی ہو؟" وہ اس کے پاس جا کر بیٹھی۔

"پرسوں ہے نا ولیمہ۔ تم کہتی ہو تو آج تمہارے سے شاپنگ پہ چلی جاتی ہوں۔" اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "نہیں بلکہ میں کرامت کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔" اس نے فوراً اپنا فیصلہ بدلہ۔ ماہ پارہ نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا۔

"اماں میں آپی سے بھی ملنے جاؤں گی۔ آپ چلیں گی ساتھ؟"

"نہیں، ہم پرسوں ہی مل کر آئے تھے۔ وہ تمہارا پوچھ بھی رہی تھی۔ تم سے ناراض ہے، کہہ رہی تھی کہ اتنا عرصہ ہوا ہے تمہیں آئے ہوئے اور تم اس سے ملنے بھی نہیں آئی۔"

"مجھے سامنے دیکھیں گی نا تو ساری ناراضگی دور ہو جائے گی۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"پھوپھو یہ دیکھیں، یہ میں نے بنائی ہے۔" میرب نے اسے اپنی ڈرائنگ دکھائی۔

"واؤ۔ یہ تو بہت خوبصورت بنائی ہے آپ نے۔"

"پھوپھو آپ کو پتا ہیں میں اپنی کلاس کی سب سے ذہین بچی ہوں۔" وہ فخریہ انداز میں بولی۔اس کے انداز پر ماہ پارہ مسکرائی۔

"اسے ذہین نہیں چالاک لومڑی کہتے ہے۔" ہریرہ نے اس کی تصحیح کی۔

"پھوپھو آپ ان کی باتوں پر غور نہ کریں مما مجھ سے جلتی ہیں۔ایسا میں نہیں بابا کہتے ہیں۔" وہ منہ بسورتی ہوئی بولی۔

"بابا کی خبر تو میں آج لے کر ہی رہوں گی۔پتا نہیں کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

ہریرہ کے بہت اصرار کے بعد وہ تھوڑی دیر مزید رک گئی۔بچوں کے ساتھ خوب اچھا وقت گزارا۔ہریرہ کے ساتھ کچن میں مدد کرتی ہوئی اپنے بچپن کے قصے سنائیں۔وہ اسے بتا رہی تھی کہ وہ اتنے سال لندن میں کیسے رہی، کیا کرتی تھی۔وہ ان کے ساتھ کھانا کھا کر واپس حویلی لوٹ آئی۔آتے ہوئے شام ہو گئی تھی۔وہ اندر جا کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے معلوم ہوا کہ اس وقت حویلی میں کوئی موجود نہیں تھا۔

"سب کہاں گئے ہیں؟" ایک ملازمہ اس کے سامنے سے گزر رہی تھی تو ماہ پارہ نے اس سے پوچھا۔

"بی بی جی سب لڑکی والوں کی طرف گئے ہیں۔وہ آپ کا انتظار کر رہے تھے لیکن چھوٹے صاحب نے انکار کر دیا۔"

"انہوں نے انکار کیوں کیا مجھے بھی جانا تھا۔"اس نے حیرانی سے کہا۔ملازمہ نے کندھے اچکائے۔

"انکار اس لیے کیا ہے کیونکہ آج تمہیں میرے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا ہے۔"جہانگیر سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔

"شاپنگ پہ کبھی بھی جا سکتے تھے لیکن۔۔۔"وہ ملال سے کہتی ہوئی چپ ہو گئی۔

"تمہارا دن کیسا گزرا؟"وہ موضوع بدل کر اس کے ساتھ جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پہلے تو آپ مجھ سے دور ہو جائیں،دوسری بات میرا دن آپ کے بغیر بہت اچھا گزرا اور تیسری اور آخری بات میں آپ کے ساتھ شاپنگ کرنے نہیں جا رہی ہوں۔"وہ غصے سے اس سے تھوڑا دور کھسکتے ہوئے بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے،جیسے تمہاری مرضی۔میں اکیلے ہی چلا جاتا ہوں۔"اس نے کندھے اچکائے۔وہ اٹھنے ہی والا تھا

کہ ماہ پارہ نے اسے بازو سے پکڑ کر واپس بیٹھا دیا۔

"میں نے کہا تھا نا کوئی تو ہے شہر میں جو آپ یوں اس سے ملنے جاتے ہیں۔ مطلب میں نے انکار کر دیا تو آپ مجھے منائیں گے بھی نہیں۔" جہانگیر اس کی اس حرکت سے محفوظ ہوا۔

"یار چلو نا۔ اتنے نخرے کیوں دیکھا رہی ہو؟" وہ بچوں جیسے شکل بنائے بولا۔

"ایک ہی شوہر ہے میرا۔ اگر اپ کو نخرے نہیں دیکھاؤں گی تو کس کو دیکھاؤں؟" روانی میں اس کے منہ سے جو نکلا اس نے کہہ دیا۔ اپنی بات سمجھنے کے بعد اس کا دل چاہا اپنا سر دیوار پہ دے مارے۔

"میڈم ایک شوہر سے کیا مراد ہے آپ کا؟" وہ جیسے ناراض ہوا۔ "نخرے پھر دیکھاتی رہنا، ابھی میرے ساتھ چلو نا۔" وہ پھر سے اس کی منت کرنے پہ اتر آیا۔

وہ اس طرح بولا کہ ماہ پارہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ جہانگیر کبھی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ ماہ پارہ اس سے لڑے۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتا تھا کہ وہ تحمل سے بات کرے۔ کوئی ناراضگی ہو تو معافی مانگ کر اسی وقت وہ ناراضگی ختم کر دیتا تھا۔ اگر اس کی طرف سے کوئی غلطی نہ بھی ہوتا تو وہ اس سے معافی مانگ کر معاملہ رفع دفع کر دیتا۔ ماہ پارہ سب کچھ بھول کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب چلیں بھی۔" کیا ادائیں تھی جو وہ جہانگیر کو دیکھا رہی تھی۔ جہانگیر کے لبوں پر تبسم ابھرا۔

وہ دونوں شہر کے خوبصورت بازار کے اندر موجود تھے۔ماہ پارہ نے ولیمے کی ساری شاپنگ امینہ کے ساتھ کی تھی۔جہانگیر پرانی یادیں تازہ کر کے نئی یادیں بنانا چاہتا تھا۔اس لیے وہ اسے اسی بازار میں لے آیا جہاں وہ اسے ایک بار پہلے لے کر لایا تھا۔

ماہ پارہ مبہوت سے آویزاں جھمکے،دکھانوں پر لگی زیورات اور اسٹینڈ پر لگی چوڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔وہ ان سب چیزوں کو دیکھ رہی تھی جبکہ جہانگیر اسے دیکھ رہا تھا۔وہ ایک دکان کے پاس رکی۔اوپر آویزاں جھمکوں میں سے اس نے ایک نکال کر دیکھا۔پھر ایک جھمکا کان کے پاس لے جا کر پلٹ کر جہانگیر کو دیکھایا۔وہ بھاری بڑے بڑے جھمکے تھے۔جہانگیر نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ماہ پارہ مایوسی سے واپس پلٹی۔وہ دوسرے جھمکے دیکھ رہی تھی جب جہانگیر نے اس کے سامنے ہلکا لیکن خوبصورت جھمکا پیش کیا۔

ماہ پارہ مسکرائی۔اس نے جھمکا اس کے ہاتھ سے لے کر کان سے لگایا اور آئیبرو کے اشارے سے جہانگیر سے پوچھا۔"کیسا لگ رہا ہے۔"

جہانگیر اس کے تھوڑا قریب گیا اور بہت دھیمی آواز میں بولا۔

"بہت خوبصورت۔"

اس نے مزید ماہ پارہ کے لیے اپنی پسند کے جھمکے خریدے۔ماہ پارہ چوڑیوں کی دکان پر گئی۔اس کی آنکھیں رنگ برنگی چوڑیوں کو دیکھ کر چمک رہی تھیں۔وہ ہر قسم کی چوڑیوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی

تھی۔جب اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کون سی چوڑیاں لیں تو اس نے پلٹنا چاہا لیکن اس سے پہلے جہانگیر نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔وہ ماہ پارہ کو سرخ رنگ کے چوڑیاں پہنانے لگا۔ماہ پارہ دم بخود اسے دیکھے جارہی تھی۔اس نے ماہ پارہ کے دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں پہنائی۔اس کی کلائی سرخ چوڑیوں سے سج گئی۔اس نے دو تین اور چوڑیا خریدیں۔ماہ پارہ آگے بڑھ گئی۔دکاندار کو پیسے دے کر وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

وہ اب جوتوں کی دکان کی طرف بڑھے۔وہ دونوں وہاں رکھی مستطیل کرسی پر بیٹھ گئے۔دکاندار نے اسے مختلف قسم کے جوتے دکھائے۔اس سے پہلے دکاندار پہلے کی طرح ماہ پارہ کو جوتے پہنانے لگتا،جہانگیر نے فوراً ماہ پارہ کے ہاتھ سے جوتا لے لیا۔وہ اٹھ کر اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔ وہ سٹرپس والے جوتے تھے۔اسے خود ہی پہنانا تھا۔ماہ پارہ نے پاؤں دور کرنا چاہا لیکن جہانگیر نے ایک نظر بس اسے دیکھا۔اس نے اپنی کوشش چھوڑ دی۔

"پتا نہیں ان لوگوں کو دوسروں کی بیویوں کو جوتے پہنانے کا کیا شوق چڑھا رہتا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اسے

جوتے پہنانے لگا۔

"کیونکہ جہانگیر ان کے ساتھ ان کے شوہر نہیں آتے نا۔اب ہر کوئی آپ کے جیسا تو نہیں ہوتا۔" ماہ پارہ کی بات پر جہانگیر مسکرایا۔جہانگیر سٹرپس باندھ کر تھوڑا پیچھے ہوا۔

"بیکار ہے۔" اس نے بدمزگی سے کہا۔ "اس کی سٹرپس سے تمہیں تکلیف ہو سکتی ہے اور یہ ہیل ہے تو ہم یہ ہرگز نہیں لے رہے ہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن جہانگیر۔۔۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن جہانگیر نے کون سا سننا تھا۔اس نے وہ جوتے نکال کر دکاندار کو واپس کر دیے۔

"ماہ پارہ میں کتنی بار کہوں تم سادگی میں اچھی لگتی ہو۔سادگی تم پر اچھی لگتی ہے۔" وہ اس کا بجھا ہوا چہرہ دیکھ کر بولا۔

ماہ پارہ نے "ہونہہ" کر کے سر جھٹکا۔

اس کی نظر پانی پوری کی دکان پر پڑی۔جہانگیر نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔اس سے پہلے کہ وہ جہانگیر کی طرف مڑتی جہانگیر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے پانی پوری کی دکان کی طرف لے جانے لگا۔ماہ پارہ نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔آخر یہ شخص اس کی ان کہی بات کیسے سن لیتا تھا؟

جہانگیر نے پانی پوری کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔بیگز اس نے جہانگیر کو پکڑا دیے تھے۔وہ پلیٹ ایک ہاتھ میں پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے پانی وری کھانے لگی۔وہ بہت مزے سے پانی پوری کھا رہی تھی۔اس نے جہانگیر کی طرف بڑھایا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا۔

ماہ پارہ کھانے میں اس قدر مگن تھی کہ اسے جہانگیر کے اچانک غائب ہونے کا خیال ہی نہیں آیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا۔اس سے پہلے کہ وہ پریشان ہوتی، جہانگیر واپس آگیا۔ اس کے ہاتھ میں قلفی کے ساتھ جلیبی تھی۔(کیا دس سال کے بعد بھی ان کو یاد ہے کہ مجھے کیا پسند ہے کیا نہیں؟ کیا کوئی شخص کسی کا اس حد تک خیال رکھ سکتا ہے؟)وہ کھوئے ہوئے انداز میں جہانگیر کو دیکھ کر سوچ رہی تھی۔ جہانگیر نے آئیبرو کے اشارے سے اسے جلیبی اور قلفی پکڑنے کو کہا۔ماہ پارہ تخیل کی دنیا سے باہر نکل آئی۔ یہ حقیقت تھی۔ جہانگیر حقیقت تھا۔وہ اس کے ہاتھ سے قلفی اور جلیبی لے کر کھانے لگی۔

جہانگیر جیپ کی طرف بڑھا۔ماہ پارہ بھی قلفی جلیبی کھاتے ہوئے اس کے پیچھے چلنے لگی۔ جہانگیر نے سامان پیچھے رکھا اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آکر بیٹھا۔ماہ پارہ بھی جیپ میں بیٹھ گئی تھی۔ جہانگیر نے گاڑی چلانے سے پہلے اسے دیکھا۔اس کے چہرے پر وہی خوشی تھی جو دس سال پہلے قلفی کھاتے وقت تھی۔ ماہ پارہ نے اسے دیکھا۔اس کی سنہری آنکھیں جہانگیر کی سیاہ آنکھوں سے ملیں اور اسی وقت جیسے سب کچھ تھم گیا تھا۔وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کی ایک لہر انہیں چھو کر گزری۔ ماہ پارہ نے فوراً نظریں ہٹالیں۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ماہ پارہ نے جہانگیر کو بتایا تھا کہ اسے مروا سے ملنے جانا ہے۔ وہ اسے مروا کے گھر لے گیا تھا۔ناراضگی کے باوجود مروا اسے اپنے سامنے دیکھ کر سب کچھ بھول چکی

تھی۔وہ بچوں سے بھی ملی۔اسے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ پھپھو اور خالہ بننے کا احساس ہی کچھ اور تھا۔وہ دونوں رات گئے تک باتیں کرتی رہیں۔مروا اس کے لیے بہت خوش تھی۔اس کے خواب پورے ہو چکے تھے۔اسے وہ شخص مل گیا تھا جسے وہ اپنے لیے چاہتی تھی۔مایوسی کی بجائے اس نے اللہ سے اچھی امید رکھی تھی۔

☆...☆...☆

ولیمے کا دن

سنہرے رنگ کا لہنگا پہنے ماہ پارہ صوفے پر تیار بیٹھی ہوئی تھی۔حورین بھی اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔اس نے فیروزی رنگ کا لہنگا پہنا ہوا تھا۔وہ خوبصورت تھی۔۔بہت خوبصورت۔وہ حسن سے صرف سات آٹھ سال چھوٹی تھی۔وہ عدیلہ کی سب سے چھوٹی اور پیاری بیٹی تھی۔ جب حسن کے ساتھ اس کی شادی طے ہوئی تو اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔وہ بہت معصوم تھی۔ جس سے کوئی کچھ بھی کہے وہ سر خم کر کے قبول کر لیتی تھی۔ لیکن ماہ پارہ ایسی نہیں تھی۔وہ آخر میں وہی کرتی جو اس کا دل چاہتا تھا۔

ماہ پارہ اس سے باتیں کر رہی تھی۔وہ دونوں کمرے میں اکیلی تھی۔دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلا۔ سامنے یاسمین چلتی ہوئی آ رہی تھی۔وہ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائی۔

" صحیح معنوں میں تو اب تم دولہن بنی ہو۔" یاسمین نے اس کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ماہ پارہ کھلکھلائی۔

یاسمین ان دونوں کو لینے آئی تھی۔ان کو ساتھ لیے وہ نیچے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ہال میں ولیمہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔سب لوگ شہر کے لیے پہلے ہی روانہ ہو گئے تھے۔امینہ، یاسمین اور یہ دونوں صرف حویلی میں موجود تھیں۔وہ سب ایک ساتھ گھر سے باہر نکلیں۔ماہ پارہ نے اپنا لہنگا بہت مشکل سے سنبھالا ہوا تھا۔وہ اتنا بھاری لباس پہن کر پچھتا رہی تھی۔کاش وہ جہانگیر کی بات سن لیتی اور وقت رہتے ہی یہ لہنگا بدل دیتی۔

سب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ماہ پارہ گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی کہ کسی نے اسکی کلائی پکڑلی۔ماہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔وہ جہانگیر تھا۔ایک بار پھر وہ اس کا مسئلہ حل کرنے آیا تھا۔اسے وہیں رکنے کا کہہ کر وہ امینہ کی گاڑی کی طرف بڑھا۔نہ جانے اس نے امینہ سے کیا کہا تھا جو ماہ پارہ کو جہانگیر کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئی تھیں۔

"میں نے کہا تھا ناں اتنا بھاری لباس مت پہننا۔مجھے تمہاری فکر رہتی ہے تبھی تمہیں منع کرتا ہوں نا۔" وہ واقعی

اس کے لیے پریشان تھا۔اس کا لہنگا پکڑے وہ اسے گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا۔

"اب تو ہو گئی نا غلطی۔" وہ پشیمان دکھائی دے رہی تھی۔

"خوبصورت بھی لگتی ہو اس لیے بھی منع کرتا ہوں۔" اسے گاڑی میں بیٹھاتے ہوئے بولا۔

"آپ فلرٹ کرنے کا ایک بھی موقع نہیں گنواتے ہیں۔"

جہانگیر گھوم کر ڈرائونگ سیٹ تک آیا۔اس کی بات پر خفگی سے اسے دیکھا۔

"اسے تم فلرٹ کہتی ہو؟" وہ گاڑی میں بیٹھا۔"اسے بیوی کی تعریف کرنا کہتے ہیں۔"

"آپ نے مجھے ان کے ساتھ جانے کیوں نہیں دیا؟" اس نے اپنا دوپٹہ سر پر ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"میرا دل چاہ رہا تھا اس لیے۔" سڑک پر نظریں جمائے اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ماہ پارہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

وہ دونوں ہال میں پہنچ گئے۔وہ اسے احتیاط سے گاڑی سے نکال کر اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔امینہ نے اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ اپنے دوستوں اور جاننے والوں کو بھی مدعو کیا تھا۔

جہانگیر نے ماہ پارہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما۔وہ اسے سٹیج کی طرف لے جا رہا تھا۔اسٹیج کو انتہائی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔جہانگیر اور ماہ پارہ کو حسن اور حورین کے ساتھ بیٹھا دیا تھا۔سب باری باری اس سے ملنے آ رہے تھے۔

"نکاح مبارک ہو حسن اور حورین۔ میں اس دن مبارک باد نہیں دے سکی تھی۔" زایشا سیدھا حسن اور حورین کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"شکریہ۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا تھا۔

زایشا جہانگیر اور ماہ پارہ کی طرف چل پڑی۔ جہانگیر جو ماہ پارہ سے باتیں کر رہا تھا اسے دیکھ کر بیزاری سے اٹھ گیا۔ زایشا کندھے اچکا کر جہانگیر کی جگہ پر بیٹھ گئی۔

"تم تو بہت خوش ہو رہی ہو گی نا۔ جہانگیر جیسا شوہر جو ملا ہے۔" اس نے حقارت سے اسے دیکھا۔

"ہاں بہت خوش ہوں اور خوش نصیب بھی ہوں کہ مجھے جہانگیر جیسا شوہر ملا ہے۔" وہ مسکرائی۔ "دوسروں کے شوہر پر نظر رکھنے سے بہتر ہے اپنے شوہر پر نظر رکھو۔ مجھے تم جیسی لڑکی سے یہ امید نہیں تھی کہ "تم" اس طرح کی حرکت کرو گی۔ اس دن جو کچھ بھی تم نے کیا تھا نا وہ میں بھولی نہیں ہوں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ زایشا آگ بگولا ہو گئی تھی۔ اسے اپنی بے عزتی برداشت نہیں ہوئی۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر وہاں سے چلی گئی۔

"ہونہہ، اسے معلوم نہیں مجھے اس جہان میں سب زیادہ بھروسہ ہی جہانگیر پر ہے۔"

زایشا کے جانے کے بعد جہانگیر واپس اس کے پاس جانے ہی والا تھا کہ یاسمین کو جاتے دیکھ کر وہ رک گیا۔ یاسمین سٹیج پر چڑھ گئی۔ وہ جا کر ماہ پارہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹاگرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What's up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____

"میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں ماہ پارہ۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے صحیح فیصلہ کیا۔" وہ اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "اب بس اچھی بیوی بن کر دیکھانا۔ تمہاری

شادی کو بھلے دس سال ہو گئے ہو لیکن حقیقی معنوں میں تمہاری شادی شدہ زندگی ابھی شروع ہوئی ہے۔"

ماہ پارہ اس کی بات پر صرف سر ہلا رہی تھی۔

"دیکھو بیٹا میں تمہاری بھابھی نہیں دوست بن کر یہ باتیں کہہ رہی ہوں۔ایک لڑکی کے لیے اس کا سسرال ہی سب کچھ ہوتا ہے۔تم اپنی شادی شدہ زندگی کو اپنے پیشے سے زیادہ اہمیت دو گی۔ جہانگیر بھلے ہی کتنا اچھا ہو، ہے تو وہ بھی ایک شوہر ہی۔وہ نہیں چاہے گا کہ اس کی بیوی ہر وقت ہسپتالوں میں مصروف رہے۔تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"وہ اسے نصیحت کر رہی تھی۔ماہ پارہ بمشکل مسکراہٹ کے ساتھ سن رہی تھی۔

"جی بھابھی، میں سمجھ گئی۔"

"میری باتیں بری تو نہیں لگ رہی؟"اس کے پوچھنے پر ماہ پارہ نے نفی میں سر ہلایا۔"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنی زندگی میں خوش رہو اور تم تب ہی خوش رہ سکتی ہو جب تم اپنے سسرال والوں کی بات مانو۔"اسے

سمجھانے کے بعد وہ اٹھ گئی۔اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ حسن اور حورین کی طرف بڑھی۔

جہانگیر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔اس کا بجھا چہرہ دیکھ کر اس کی بھنویں سکیڑ گئیں۔

"کیا کہہ رہی تھیں بھابھی؟"

"کچھ نہیں۔۔۔بس ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

جہانگیر نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"تم بتا رہی ہو یا میں بھابھی سے جا کر پوچھوں؟" جہانگیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ غلط بات ہے۔میں ان کی بات آپ کو کیسے بتا سکتی ہوں۔"

"میں تمہارا شوہر ہوں تم مجھے اپنے مسائل بتا سکتی ہو یہ غلط نہیں ہے۔" جہانگیر نے آس پاس کے لوگوں کی پرواہ کیے بغیر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"وہ۔۔بھابھی کا کہنا ہے کہ۔۔۔" وہ اسے بتاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔" مجھے شادی کے بعد اپنی ازدواجی زندگی کو ترجیح دینی ہوگی۔شوہر چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو،اسے یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ اس کی بیوی اپنے پیشے پر زیادہ توجہ دے رہی ہو۔تو مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ۔۔۔"

جہانگیر کے ماتھے پر بل پڑے۔اس نے آج تک ماہ پارہ کو اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تو وہ اچانک سے اس سے بدگماں کیوں ہو رہی تھی۔اس نے ماہ پارہ کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

"اگر میں ان شوہروں میں سے ہوتا تو تمہیں پڑھنے کے لیے نہیں بھیجتا۔میں نے تمہیں بیرون ملک پڑھنے کے لیے صرف اسی لیے بھیجا تھا کہ تمہیں یہاں رہ کر پریشانی نہ ہو۔تم آرام سے،ان

سب رشتوں سے دور رہ کر صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دے سکو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم فقط بیوی بن کر رہو۔ میں ہمیشہ سے تمہیں آگے بڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ آج تک میں نے تمہیں یہ احساس کب ہونے دیا ہے؟" وہ جیسے بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔ ماہ پارہ نے سر جھکا لیا۔

"تم۔۔ تم میرے لیے بہت خاص ہو ماہ پارہ۔ میں ہمیشہ چاہوں گا کہ میری بیوی مجھ سے زیادہ کامیاب ہو۔ ہمیشہ مجھ سے ایک قدم آگے رہے۔"

"مجھے صرف ایک پل کے لیے بس ایسا لگا تھا۔" وہ بے حد شرمندہ تھی۔

"میں۔۔ ماہ پارہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔" ماہ پارہ نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"تم نے مجھ پر جادو کیا ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے مجھ پر جادو کرتی ہو۔ تم نے مجھے اپنے اندر قید کر رکھا ہے اور مجھے یہ قید منظور ہے۔ میں اس قید سے کبھی باہر نہیں آنا چاہتا۔" آج اس نے بالآخر اعتراف کر لیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

ماہ پارہ بڑی حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر نے اس سے اظہارِ محبت کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا ردعمل ظاہر کرے۔ اقرار کے بدلے وہ کیا کہے؟ اسے دریا کے کنارے ہونے والی گفتگو

یاد آئی۔ماہ پارہ بے اختیار جھینپ گئی۔وہ بے وقوف اس دن سے یہ سوچ رہی تھی کہ جہانگیر اپنی سابقہ محبت کی بات کر رہا ہے۔(تو کیا جہانگیر شروع سے صرف مجھ سے محبت کرتا تھا؟)

اسے خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگا۔"میں تم سے محبت کا اظہار نہیں چاہتا۔میں بس صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو۔ہر قدم پر۔مرتے دم تک۔"حسن اور حورین وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے لیکن پھر بھی وہ دھیمی آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

ماہ پارہ نروس ہونے لگی۔اس کی ہتھیلیاں نم ہو رہی تھیں۔اس نے اپنا سر جھکا لیا۔اس کے گال سرخ ہو رہے تھے۔اس کا ہاتھ ابھی تک جہانگیر کے ہاتھ میں تھا۔

"کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔"رامین نے آکر انہیں اطلاع دی۔جہانگیر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"مجھے۔۔بھوک نہیں ہے۔"اس کا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا۔

"لیکن آپی۔۔"

"تم جاؤ بچے۔ہم آتے ہیں۔"جہانگیر نے مسکرا کر اسے کہا۔رامین کندھے اچکا کر وہاں سے چلی گئی۔

جہانگیر اس کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ رہا تھا۔ماہ پارہ کے ہاتھ اس کی گود میں جکڑے ہوئے تھے۔وہ اسے دیکھ رہا تھا جبکہ ماہ پارہ نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں۔اتنے میں سیف ان کے پاس آیا۔

"بھائی لوگوں کا خیال ہی کر لیا کریں۔ارد گرد کنوارے لوگ بھی موجود ہیں۔اس طرح تو ہمارا دل مت جلائیں۔"اس نے ملامت نظروں سے جہانگیر کو دیکھا۔

"بیٹا اگر بکواس کی نا تو انہیں لوگوں کا خیال کیے بغیر تمہارے ساتھ کچھ کر بیٹھوں گا۔"جہانگیر نے دانت پیس کر کہا۔

"وہ ممی آپ کو اور بھابھی کو بلا رہی تھیں۔"وہ ایسی معصومیت سے بولا کہ جہانگیر مسکرا دیا۔

"تم جاؤ، ہم آتے ہیں۔"سیف وہاں سے چلا گیا۔جہانگیر نے پھر ماہ پارہ کو دیکھا۔

"اب تم یوں شرماؤ تو مت۔"وہ ملائمت سے بولا۔ماہ پارہ نے جیسے ٹھان لی تھی کہ نہ وہ کچھ بولے گی اور نہ ہی اس کی طرف دیکھے گی۔جہانگیر بے اختیار ہنسا۔اسے معلوم تھا کہ اسے اپنے اظہار محبت کے بدلے میں اظہار محبت ملنا کافی مشکل ہو گا لیکن ناممکن نہیں۔دور کہیں اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ماہ پارہ اس سے محبت کرنے لگی ہے۔وہ ایک دوسرے کی آنکھیں پڑھتے تھے۔وہ ایک دوسرے کے دلوں کی بات جانتے تھے۔انہیں الفاظ کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ان کی کہانیوں نے یہاں سے ایک نیا موڑ لیا۔

☆...☆...☆

چند مہینے بعد

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔آج اس نے جہانگیر کے کہنے پر پہلی بار ساڑھی زیب تن کی ہوئی تھی۔وہ گہرے نیلے رنگ کی ساڑھی تھی جس پر سلور رنگ کا کام ہوا تھا۔آج اس نے اپنے بال بھی کھلے چھوڑے تھے۔ریشمی سیدھے بال اس کی کمر پر آبشار کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔زیورات کے نام پر اس نے اپنے ہاتھوں میں بس سلور رنگ کی چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ چہرہ میک اپ سے صاف تھا۔جہانگیر کا حکم تھا،اسے ہر حال میں ماننا ہی تھا۔

وہ آنکھوں میں کاجل لگا رہی تھی کہ جہانگیر کمرے میں آیا۔وہ سفید شرٹ اور گہرے نیلے رنگ کے پینٹ میں ملبوس تھا۔شرٹ کے اوپر اس نے گہرے نیلے رنگ کا ویسٹ کوٹ پہن رکھا تھا۔ ماتھے پر ہمیشہ کی طرح بال بکھرے ہوئے تھے۔چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات سجائے وہ کمرے کے اندر داخل ہوا تھا۔وہ بیڈ کی طرف جا کر سائیڈ ٹیبل کے دراز سے اپنی گھڑی ڈھونڈ رہا تھا۔

ماہ پارہ کاجل لگا کر مڑی تو اس کی نظر جہانگیر پر پڑی۔اس نے تعجب سے جہانگیر کو دیکھا جو اس کو نظر انداز کر کے اپنی گھڑی ڈھونڈ رہا تھا۔اس نے واپس آئینے میں خود کو دیکھا۔بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اور ساڑھی ٹھیک کرتے ہوئے وہ جہانگیر کی طرف مڑی۔اس نے گلا کھنکارتے ہوئے جہانگیر کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" پر جوش ہو کر پوچھا۔

وہ چونکا۔ وہ سیدھا ہو کر پیچھے مڑ کر اسے دیکھتا ہے۔ وہ اس کا سر تا پیر جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ لب ہولے سے مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"میری لگ رہی ہو۔" وہ اس کے قریب جانے لگا۔

"آپ پھر سے فلرٹ کر رہے ہیں؟" وہ مسکراہٹ دبائے پیچھے قدم لینے لگی۔

"بیوی ہو میری، فلرٹ بھی کر سکتا ہوں اور محبت بھی۔" اس نے مخمور لہجے میں کہا۔ اور اس کے اس لہجے سے ماہ پارہ ہمیشہ گھبراتی تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں کیسی لگ رہی ہوں؟" وہ اس کی بات کو نظر انداز کیے دوبارہ پوچھتی ہے۔

جہانگیر مزید اس کے قریب گیا۔ ماہ پارہ کی پشت دیوار سے جا لگی۔ جہانگیر نے اس کے دائیں بائیں ہاتھ رکھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ جس طرح وہ ہمیشہ سے دیکھتا آیا تھا۔

"اتنی خوبصورت کہ تمہاری خوبصورتی کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کافی نہیں ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے ماہ پارہ کے ماتھے پر لب رکھا اور پیچھے ہٹ گیا۔ ماہ پارہ بے اختیار جھینپ گئی۔ پل بھر میں اس کے رخسار سرخ ہو گئے لیکن وہ یونہی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت کم شرماتی تھی۔

"آپ۔۔آپ کی وجہ سے دیر ہو جائے گی۔"وہ اسے دور دھکیلتے ہوئے بولی۔

"اچھا۔یہ تو تمہیں اتنا خوبصورت لگنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"وہ یونہی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

"آپ۔۔"وہ انگلی اٹھا کر کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ جہانگیر نے اس کی انگلی پکڑ لی۔

"اب دیر نہیں ہو رہی؟"ماہ پارہ نے اپنی انگلی اس کی گرفت سے نکالی۔

"بے وقت فلرٹ کرنا تو کوئی آپ سے سیکھے۔"کیا ادا تھی۔جہانگیر کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

وہ دونوں شادی کے بعد پہلی بار حیدر کے گھر جا رہے تھے۔وہ دونوں جیپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ماہ پارہ سیٹ کے پشت سے ٹیک لگائے چاند کو دیکھ رہی تھی۔وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"اسے خاموش دیکھ کر جہانگیر نے پوچھا۔

"یہی کہ اگر آپ کی شادی مجھ سے نہ ہوتی تو کس سے ہوتی؟اور اگر میری شادی آپ سے نہ ہوتی تو کس سے

ہوتی؟"وہ اسے بغیر دیکھے پوچھ رہی تھی۔

اس سوال پر جہانگیر پہلے ٹھٹکا پھر مسکرایا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔ماہ پارہ بھی اپنا سوال سوچ کر مسکرا دی۔چند لمحے خاموشی چھا گئی۔

"میں ایسا کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا جہاں مجھے اپنے آپ کو یا تمہیں کسی اور کے ساتھ تصور کرنا پڑے۔" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ماہ پارہ نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہیں میرے لیے بنایا گیا تھا اور مجھے تمہارے لیے۔"

"میں واقعی شروع سے آپ کی نصیب میں لکھی تھی؟" اس نے جہانگیر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں۔۔اگر نہ ہوتی تو اس وقت تمہاری جگہ کوئی اور بیٹھی ہوئی ہوتی میرے ساتھ۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"جی نہیں۔فضول باتیں مت کیا کریں۔" اس نے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"تم نے ہی شروع کیا تھا۔"

اب کی بار وہ ہنسی تھی۔اور ہنستی ہی گئی۔جہانگیر اسے خوش دیکھ کر خوش ہوا۔اور وہ چاہتا ہی کیا تھا۔

☆...☆...☆

چھ سال بعد

جولائی کا مہینہ تھا۔سکول میں بچوں کی چھٹیاں جاری تھیں۔اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔سجاوٹ والے حویلی کو سجانے میں مصروف تھے۔حویلی میں سالگرہ تھی۔دیواروں سے لے کر ریکنگ تک

ہر جگہ سیاہ اور سرخ غبارے لگے ہوئے تھے۔لاؤنج کے وسط میں ایک گول میز رکھی تھی۔اس کے اوپر چھت پر ایک خوبصورت فانوس تھا۔ جس کی روشنی سے پوری حویلی نہائی ہوئی تھی۔آج کی سالگرہ میں نہ صرف قریبی لوگوں کو بلکہ گاؤں کے تمام

بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ماہ پارہ کے اس فیصلے پر کسی کو اعتراض نہیں تھا۔

چار سالہ شاہ میر اور شاہ ویر دونوں لاؤنج کے ارد گرد بھاگ رہے تھے۔ماہ پارہ پچھلے پندرہ منٹ سے ان کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔وہ بھاگتے بھاگتے تھک چکی تھی۔وہ جا کر لاؤنج میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ ہانپ رہی تھی۔امینہ نے اسے دیکھا تو فوراً اس کے پاس آئیں۔

"ماہ پارہ تم اس حالت میں ایسے کیوں بھاگ رہی ہو؟" انہوں نے فکر مندی سے کہہ کر ملازمہ کو پانی لانے کو کہا۔

"ممی دیکھیں نا یہ دونوں میری نہیں سن رہے ہیں۔کب سے کہہ رہی ہوں تیار ہو جاؤ لیکن مجال ہے جو یہ دونوں میری بات مان لیں۔" یہ کہہ کر اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

"ہزار بار کہا ہے کہ کوئی بھی کام ہو ہم سے کہہ دیا کرو۔یہ اتنی لاپرواہی کی بھی حد ہوتی ہے۔دو بچوں کی ماں ہو لیکن اب بھی تم بچوں جیسی حرکتیں کرتی ہو۔" انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔ان کے لہجے میں سختی نہیں تھی۔

"ممی آپ بچوں سے کہہ دیں ناوہ تیار ہو جائیں۔" اس نے التجا کی۔ (وہ یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ ابھی تھوڑی دیر میں اسے ہسپتال جانا ہے۔)

"چاچی آپ فکر نہ کریں، میں کہتی ہوان سے۔ آپ دیکھیں کہ وہ میری بات کیسے سنتے ہیں۔" پانچ سالہ آئزہ نے مسکرا کر کہا۔ ماہ پارہ اور امینہ نے اس کی طرف دیکھا۔ (ماہ پارہ نے اسے منع کیا ہوا تھا کہ وہ اسے تائی امی نہ بلایا کرے۔)

"چاچی کی جان، شکریہ۔ مجھے جا کر جہانگیر کے کپڑے بھی پریس کرنے ہیں۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"کیا اس کے خود کے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں؟ اسے کہو کہ وہ خود کر لے۔ تم جا کر آرام کرو میں تمہیں کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئیں۔

"چاچی میں ممی سے کہہ دوں کہ وہ ویر اور میر کو بھی تیار کر لیں۔"

"جی چاچی کی جان، اگر حورین کو کوئی کام نہیں ہے تو اس سے کہو کہ یوسف اور حارث کے ساتھ ان دونوں کو بھی تیار کر لے۔ زینت ذرا کام سے باہر گئی ہے اس لیے یوسف کی ذمہ داری مجھے دی تھی، تو آپ ان سے کہہ دینا اوکے؟" آئزہ نے زور و شوروں سے سرہاں میں ہلایا۔ ماہ پارہ نے اس کے گالوں کو چوما اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کمرے میں جاتے ہی اس کی نظر جہانگیر پر پڑی۔ وہ تیار ہو رہا تھا۔اس نے شرٹ خود پریس کر لی تھی۔ وہ اپنا کام اسے کرنے کو نہیں کہتا تھا لیکن ماہ پارہ کا ماننا تھا کہ ایک اچھی بیوی اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے۔ کبھی کبھار وہ ماہ پارہ کو علم میں لائے بغیر اپنا کام خود کرتا تھا۔ماہ پارہ تھکان سے مسکرائی۔ وہ اس کے پاس گئی۔ اس کا رخ اپنی طرف کر کے اس کے گردن کے گرد بازو حمائل کیے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ جہانگیر مسکرایا۔اس نے ماہ پارہ کے گرد بازوؤں کا حصار بنایا۔

"خیریت میڈم، آج اتنا پیار۔" جہانگیر نے اس کی نکلتی لٹ کو اس کے کان کے پیچھے کیا۔

"یہ پیار پچھلے چھ سالوں سے آپ ہی کے لیے تو ہے۔" وہ مبہوت سے کہہ رہی تھی۔ جہانگیر کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"ہمارے بچے کہاں ہیں؟ لگتا ہے ماں سا نے آرام کرنے کے لیے بھیجا ہے آپ کو۔" جہانگیر اسے لے کر بیڈ کی طرف بڑھا۔اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود زمین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھا۔

"ممی کا بس چلے تو مجھے بستر سے باہر آنے بھی نہ دیں۔"

" صحیح کرتی ہیں۔اپنا خیال رکھا کرو۔" اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔" اس گھر میں لڑکوں کی تعداد پہلے ہی بہت ہیں۔ مجھے ہالے نور چاہیے۔"

"آپ نے تو نام بھی سوچ لیا۔"

"ظاہر ہے میں اپنی بیٹی کا نام خود رکھوں گا۔"

"اور اگر ممی نے کوئی اور نام رکھا تو؟"

"میں تو اسے ہالے نور ہی کہوں گا۔" اس کا ہاتھ چوم کر وہ اٹھ گیا۔ "میں ابھی فیکٹری جا رہا ہوں۔ شام تک واپس آجاؤں گا۔"

"مجھے ہسپتال چھوڑ دیں۔ آج مجھے ایک مریض کو دیکھنے جانا ہے۔ میں اپنا پکا پورا خیال رکھوں گی۔" اس نے ملتجی نظروں سے جہانگیر کو دیکھا۔ جہانگیر نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ ماہ پارہ نے آنکھیں تھپتھپائیں تو وہ مسکرایا۔

"واپسی میں میرے ساتھ آؤ گی، اوکے؟ کچھ بھی الٹا سیدھا نہیں کھاؤ گی۔ زیادہ ٹینشن نہیں لینا اور۔۔ اپنا اور ہالے نور کا خیال رکھنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کیا۔ ماہ پارہ فوراً مان گئی۔ وہ اس کے ساتھ شہر جانے کے لیے چلی گئی۔

دوپہر سے شام ہو چکی تھی۔ داؤد اس وقت اپنے کمرے میں صفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اخبار پڑھ رہے تھے۔ ایک دم سے دروازے کھلا اور سارے بچے اندر داخل ہوئے۔ وہ چونک گئے۔ پھر ایک دم ان کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ سب بچے ان سے آکر لگے۔

"میرے بچے کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔" انہوں نے یوسف اور حارث کو گود میں بیٹھایا۔

"داداجان نیچے چلیں نا۔آج میری سالگرہ ہے۔" شاہ ویر کے "میری سالگرہ ہے" کہنے پر شاہ میر کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"داداجان اس سے کہیں یہ کیوں بھول جاتا ہے آج میری بھی سالگرہ ہے۔" شاہ میر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔داؤد توان دونوں کو دیکھ کر ہی رہ گئے۔ان کے درمیان پھر سے جنگ شروع ہو گئی تھی۔

"داداجان،اسے بتائیں کہ وہ مجھ سے پانچ منٹ چھوٹا ہے۔اس سے پہلے میری سالگرہ ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ناک سکوڑ کر کہا۔

"میر! ویر! داداجان کو تنگ نہیں کرو۔" آئزہ ان کے بحث سے تنگ آچکی تھی۔ان بچوں میں بس وہی سلجھی ہوئی تھی۔

"میرے بچے مجھے تنگ نہیں کرتے۔ان کی وجہ سے ہی تو میں جی رہا ہوں۔" وہ حارث اور یوسف کو گود سے اتار کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ نیچے چل دیے۔

حسن اور حورین ماہ پارہ کے گھر والوں سے بات چیت میں مصروف تھے۔جن کی سالگرہ تھی،ان کے والدین غائب تھے۔سیف اور زینت بھی اسی وقت گھر میں داخل ہوئے،یوسف بھاگ کر اپنے باپ کے پاس گیا۔سیف نے اسے گود میں اٹھالیا۔

"ہیپی برتھ ڈے میر،ویر۔" زینت نے ان کے دونوں گالوں کو چومتے ہوئے کہا۔ سیف نے بھی انہیں مبارکباد دی۔

"شکریہ چاچی جان۔ شکریہ چاچو جان۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ وہ دونوں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے لگے۔ زینت اور سیف یوسف کے ساتھ آگے بڑھے۔

مصروفیت کی وجہ سے مروانہ آ سکی۔ ہریرہ اور کرامت بچوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ نور افزا امینہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ ہریرہ جا کر حورین اور زینت کے ساتھ بیٹھ گئی جبکہ کرامت سیف اور حسن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ سب مہمان آنے لگے۔ اس وقت بچوں کی تعداد بڑوں سے زیادہ تھی۔

کچھ دیر گزری تو ماہ پارہ اور جہانگیر آ گئے۔ سب نے ملامت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا لیکن دونوں نے معذرت کی اور اوپر چلے گئے۔ انہیں تیار ہونے میں تقریباً دس منٹ لگے۔
سالگرہ شروع ہو چکی تھی۔ کیک کاٹ کر سب بچوں کو کھلا دیا تھا۔ کھانے کا وقت شروع ہو گیا۔ ماہ پارہ کوئی بھی کام کرتی تو امینہ اسے ٹوک دیتی تھیں۔ وہ صوفے پر خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"شاہ ویر تمہاری بہن کو کوئی تنگ کر رہا ہے۔ وہ وہاں۔" ایک بچہ آ کر شاہ ویر سے کہتا ہے۔

شاہ ویر کے آنکھوں میں غصہ در آیا۔ وہ دوڑتے ہوئے آئزہ کے پاس پہنچا۔

"ویر دیکھو اس نے مجھے دھکا دیا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"تم نے میری بہن کو دھکا کیوں دیا؟" اس نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"ویر اسے مارو نہیں، اسے پیار سے سمجھاؤ سمجھ جائے گا۔" شاہ میر نے اسے روکنا چاہا۔

"حسن بھائی، وہاں بچے آپس میں لڑ رہے ہیں، عائزہ رو رہی ہے۔" زینت کے کہنے پر سب نے اس طرف رخ کیا۔

حسن بھاگتا ہوا اس کی طرف گیا۔ وہ اپنی لاڈلی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو کیسے دیکھ سکتا تھا۔ جہانگیر بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔

ماہ پارہ اٹھنا چاہتی تھی لیکن امینہ نے سر نفی میں ہلایا۔

"کیا ہوا میری جان کو۔" حسن نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"بابا میں نے کچھ نہیں کیا ویر خود اس لڑکے سے لڑ رہا تھا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"شاہ ویر یہ سب کیا ہے؟" جہانگیر نے غصے سے پوچھا۔

"بابا، وہ ہماری بہن کو تنگ کر رہا ہے جو کہ غلط بات ہے۔" شاہ ویر نے "ہماری" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو تم اس طرح اسے مارو گے؟"

"سوواٹ؟ کیا فیملی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔" اس کا یہ رویہ دیکھ کر جہانگیر چونک گیا۔ حسن نے بھی اسے حیرت سے دیکھا۔

"بھائی، رہنے دیں بچوں کا دن ہے یوں خراب نہ کریں۔" حسن نے عائزہ کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ جہانگیر نے ہاں میں سر ہلایا۔

☆...☆...☆

"جہانگیر آج آپ نے ویر کا رویہ دیکھا ناں۔ وہ کتنا جذباتی ہو جاتا ہے۔ وہ بالکل آپ پر گیا ہے۔ وہ اپنے دماغ سے سوچتا ہے دل سے نہیں۔" وہ تکیہ درست کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اور شاہ میر بالکل تم پر گیا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنی باتوں سے قائل کرتا ہے۔" وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف مبہوت سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو آپ بتائیں کونسی عادت اچھی ہے؟ اس طرح غصہ کرنا یا نرمی سے سمجھانا؟" وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ جہانگیر نے نرمی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے قریب کیا اور اس کا سر اپنے سینے پر رکھ دیا۔

"دونوں ہی نہیں۔ ہالے نور کی عادتیں اچھی ہوں گی۔" وہ اس کے بالوں کو سہلانے لگا۔

"اور اگر ہالے نور کی جگہ یزدان۔۔۔"

"شش۔۔۔اتنا برا نہیں سوچتے۔"اس نے انکھیں بند کر لیں۔ماہ پارہ نے گہری سانس لی آخر وہ اسے کیا کہتی۔

تھوڑی دیر خاموشی کے بعد وہ کہنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے وہ کریں جو ان کا دل چاہے۔میں ان پر کوئی زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔مجھے وکالت میں بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی۔میں صرف اپنے دادا کی طرح گاؤں والوں کی مدد کرنا چاہتا تھا۔میں اپنے گاؤں میں رہنا چاہتا تھا لیکن حالات ایسے نکلے کہ مجھے وہی کرنا پڑا جو بابا چاہتے تھے۔"وہ دھیمی آواز میں اسے کہہ رہا تھا۔زرد بلب کی روشنی میں اس کا تھکا ہوا چہرہ واضح تھا۔

"جہانگیر میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ آپ میری زندگی میں آئے۔آپ ایک اچھے شوہر ہی نہیں ایک اچھے باپ بھی ہے۔"اس نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔"اب لگتا ہے میں آپ کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی۔یہ سب مجھے ایک خواب لگتا ہے،ایک خوبصورت خواب۔اگر میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو میں آپ کھو دوں گی۔"اس کے سینے پر واپس سر رکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔جہانگیر مسکرایا۔

"اسے میں اظہار محبت سمجھوں؟"

"جو مرضی سمجھ لیں۔"وہ اس کے سینے میں چہرہ چھپا کر بڑبڑائی۔

اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ان چند سالوں میں اسے بس ایک ہی بار اظہارِ محبت سننے کو ملا تھا۔

وہ شہزادہ جس کا اس نے خواب دیکھا تھا۔اسے جس طرح کا شہزادہ چاہیے تھا وہ اسے مل گیا تھا۔

جس نے نہ صرف اس کی عزت کی،اس کا خیال رکھا بلکہ اسے آگے بڑھنے کا موقع بھی دیا۔اس نے اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا اپنی ذمہ داری بنالیا تھا۔جہانگیر ایسا ہی تھا۔ہر لڑکی کی خواہش تھی انہیں جہانگیر جیسا ہمسفر ملے۔کس نے سوچا تھا کہ گاؤں کی ایک معمولی سی لڑکی ایک دن اتنی آگے بڑھ جائے گی۔کیوں؟ کیونکہ اسے ہمیشہ بہترین کی امید تھی۔ان چھ سالوں میں گاؤں والوں نے بہت ترقی کی۔اس کی وجہ خود ترقی کے لیے ان کی لگن تھی۔جب تک وہ نہ چاہتے تو کوئی اور انہیں زبردستی آگے نہیں بڑھا سکتا تھا

"لوگوں کو وقت کے ساتھ اپنی سوچ بدلنی چاہیے۔"

☆...☆...☆

تمت بالخیر

اسلام علیکم !.

اگر آپ بھی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہم فراہم کر رہے ہیں آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم جو آپ کے لکھی ہوئی پوسٹ کو دنیا تک پہنچائیں گا۔

اپنا ناول، ناولٹ، آرٹیکل، افسانہ، شاعری یا کچھ بھی لکھا ہو پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ہم سے رابطہ کریں۔

Mklibrary13@gmail.com

اس کے علاوہ آپ ہمارے انسٹا گرام اور واٹس ایپ پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

What’s up Number: +92-3144810202

Instagram:mklibrary.official

____